کلامِ دبیرؔ
جلد ۲

سلکِ سلامِ دبیرؔ

(دبیرؔ کے سلاموں کا مجموعہ)

تحقیق، ترتیب، تدوین

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

کلام دبیرؔ (جلد دوم)

سلکِ سلامِ دبیرؔ

(دبیرؔ کے سلاموں کا مجموعہ)

تحقیق، ترتیب اور تدوین

ڈاکٹر سیّد تقیؔ عابدی

اظہار سنز

۱۹۔ اردو بازار، لاہور۔ پاکستان

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۰۴ء

نام کتاب	:	سلکِ سلامِ دبیرؔ
تحقیق، ترتیب اور تدوین	:	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
ناشر	:	سیّد محمد علی معظم رضوی
		اظہار سنز، ۱۹۔ اردو بازار، لاہور۔ پاکستان
		فون: ۷۲۳۰۱۵۰
طابع	:	سیّد اظہار الحسن رضوی
مطبع	:	اظہار سنز پرنٹرز، لاہور فون: ۷۲۳۰۷۶۱
قیمت	:	۶۵۰/- روپے

فہرست

۱	رو میں ہے رخشِ عمر	۵
۲	فوٹو دبیر	۷
۳	شجرہ مرزا دبیر	۸
۴	مرزا دبیر کا نمونہ خط	۹
۵	انتساب	۱۱
۶	مرزا دبیر کا زندگی نامہ	۱۳
۷	مقام دبیر شاہیر سخن وادب کی نظر میں	۳۷
۸	مرزا دبیر یکتائے فن زماں	۴۶
۹	صنفِ سلام میں دبیر کا کمال	۴۸
۱۰	بہتر نوادر	۶۱
۱۱	نمونہ صنائع و بدائع	۶۷
۱۲	فہرست سلام	۷۵
۱۳	سلام ۱ سے ۱۳۴	۸۳ تا ۵۵۷
۱۴	مرزا دبیر کا مقبرا	۵۵۸
۱۵	کتابیات	۵۵۹

رومیں ہے رخشِ عمر

نام	:	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلص	:	تقی
والد کا نام	:	سید سبط نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ ۱۹۵۲ء
مقام پیدائش	:	دہلی (یوپی) ہندوستان
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ایم ایس (برطانیہ) ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکا) ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری اور ادبی تحقیق
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کینیڈا
شریک حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا)، دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)
تصانیف	:	شہید (۱۹۸۲ء) جوشِ مودّت (۱۹۹۹ء) گلشنِ رویا (۲۰۰۰ء) رموزِ شاعری (۲۰۰۰ء) تجزیہ یادگار انیس (۲۰۰۲ عروسِ سخن (۲۰۰۰ء) اقبال کے عرفانی زاویے (۲۰۰۱ء)۔ انشاء اللہ خان انشا (۲۰۰۱) اظہارِ حق (۲۰۰۳) طالعِ مہر (۲۰۰۴) مجتہد نظم مرزا دبیر (۲۰۰۴)
زیرِ تالیف:		ذکرِ دُرباران　تجزیہ شکوہ جواب شکوہ　دبیر کی مثنویات۔ رباعیات دبیر

مرزا اسلامت علی دبیرؔ

صحت مری تشخیص سے ہے نظم کے فن کی
مانندِ قلم ہاتھ میں ہے نبض سخن کی

شجرہ مرزا سلامت علی دبیر (مرحوم)

- مُلّا ہاشم شیرازی نثار برادر حقیقی مُلّا اہلی شیرازی
  - مرزا محمد رفیع المتخلص بہ رفیع
    - مرزا غلام محمد
      - مرزا غلام حسین
        - دختر (زوجہ میر ببر علی بجنوری)
        - دختر (زوجہ حکیم محمد حسین عزیز) لاولد
        - مرزا غلام محمد نذیر — وفات ۱۲۹۱ھ
          - مرزا محمد عباس سفیر
          - مرزا محمد تقی
          - مرزا محمد کاظم
          - دختر
        - مرزا سلامت علی دبیر — ولادت ۱۱ جمادی اوّل ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء — وفات ۳۰ محرم ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء
          - دختر — زوجہ میر بادشاہ علی بقا — پسر میر وزیر علی صبا
          - مرزا محمد جعفر اوج — ولادت ۶ جمادی الاوّل ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۳ء — وفات ۲۵/جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء
            - مرزا محمد طاہر رفیع
              - مرزا محمد ذاکر اعظم
              - کنیز اصغر بیگم
              - مرزا محمد صادق
                - مرزا محمد گوہر دبیری (حیات۔ مقیم لکھنؤ)
            - دختر — زوجہ نواب حسن علی خاں عرف اچھے صاحب
          - مرزا محمد ہادی عطارد — ولادت ۵/شعبان ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء — وفات جمادی الاوّل ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء
            - مرزا عبدالحسنین شفیع عرف ابو صاحب
            - دختر — زوجہ مرزا طاہر رفیع

جناب مولوی لعل صاحب عنایت فرمای من دام مجدکم

بعد سلام عرض انتظام ملتمس است که مراثی احقر العباد

سمت عظیم آباد ترتیب و طبع رسانیده بودید فقط در ضمن آداب

منجمله واجب الاعتبار رساله سلام و دیوان وغیره

عنایت شود کمال احسان برای اینجانب مستحق دعا خواهم گردید

زیاده عرضه داشتیم

داعی الملتمس دعا و لقا

دبیر عفی عنه

انتساب

عاشقِ دبیر گمنامِ تاریخ

میاں نواب ناظر فیروز الدولہ

کے نام

"جنہوں نے ایک ہزار روپیہ کی تھیلی فرزند دبیؔر مرزا اوجؔ کی پالکی میں رکھ کر یہ تاکید کی کہ اگر اوجؔ اس روپیہ سے مرزا دبیؔر کا مقبرانہ بنوائیں گے تو وہ اپنا خون کرلیں گے"

بقول ثابتؔ لکھنوی مولفِ "حیاتِ دبیر" دو تین دن بعد جب مرزا اوجؔ نے یہ سمجھ لیا کہ نواب صاحب کا غصہ دھیما گیا ہوگا تو وہ تھیلی مع معذرت نامہ واپس کردی۔"

افسوس نہ خود اوجؔ مرحوم نے مقبرہ بنایا اور نہ کسی اور کو بنانے کی اجازت دی۔

مجھے اس مقام پر سعدیؔ کا شعر یاد آرہا ہے:۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدیؔ از دستِ خویشتن فریاد

"یعنی سب غیروں کے ہاتھوں برباد ہوئے مگر سعدیؔ پر رشتہ داروں نے ظلم کئے"

بدِدُور! بلا کی طبیعت پائی ہے۔"

لطیفہ: جناب مفتی صاحب کے روبرو "انیسیے" اور "دبیریے" جھگڑ رہے تھے۔ ہر شخص اپنے ممدوح کے کلام کو پڑھ کر اُس کی خوبیاں بیان کرکے اسے دوسرے پر ترجیح دے رہا تھا "دبیریے" نے کہا اور باتیں تو چھوڑیں، ایک تخلص ہی کو دیکھیے! کس قدر عظمت اور برکت نمایاں ہے۔ اُس کے وزن پر کس کثرت سے تخلص ہیں اور اسی کثرت سے مرزا صاحب کے شاگرد بھی ہیں: مشیر، منیر، مطیر، نظیر، سفیر، قدیر، ظہیر، وزیر، امیر، خبیر، نصیر، صغیر، حقیر، فقیر، کبیر وغیرہ۔ وہاں کیا ہے؟ ڈھاک کے تین پات! انیس، نفیس، سلیس آگے بڑھیے تو جلیس۔ مفتی صاحب نے کہا تخلص تو اُدھر بھی بہت ہو سکتے ہیں، پھر سنانا شروع کیا: انیس، بیس، اکیس، بائیس...... اڑتالیس تک۔ حاضرین یہ سن کر بے اختیار ہنسے اور جھگڑا ختم ہوا۔

تاریخِ ولادت: ۱۱۔ جمادی الاوّل ۱۲۱۸ ہجری ("بختِ دبیر" مادّۂ تاریخ ولادت: ۱۲۱۸ھ ہے)
مطابق ۲۹ اگست ۱۸۰۳ عیسوی۔

مقامِ ولادت: دہلی، محلّہ بلی ماراں متّصل لال ڈگی۔

والد: مرزا غلام حسین۔

دادا: مرزا غلام محمد۔

جد: مُلّا ہاشم شیرازی نثار، جو شیخ محمد اہلی شیرازی کے برادرِ حقیقی تھے۔

نوٹ: ملا اہلی شیرازی، ایران کے مشہور شاعر تھے۔ ان کی مثنوی "سحرِ حلال" ایران میں مقبول تھی۔ اس مثنوی کی صنعت گری یہ ہے کہ اس کو دو بحروں میں پڑھ سکتے ہیں اور ہر شعر میں دو قافیے ہیں، یعنی یہ مثنوی ذو بحرین اور ذو قافیتین مع التجنیس ہے۔ اس مثنوی کی دو بحریں یہ ہیں:

(۱)	بحرِ رمل مُسدّس محذوف	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن
(۲)	بحر سریع مُسدّس مستوی	مفتعلن	مفتعلن	فاعلن

مثنوی "سحرِ حلال" کے دو شعر نمونے کے طور پر پیش ہیں:

اے ہمہ عالم بر تو بی شکوہ — رفعتِ خاکِ درِ تو بیشِ کوہ
ساقی ازاں شیشۂ منصور دم — در رگ و در ریشۂ من صور دم

ملا محمد اہلی نے چوراسی (۸۴) سال زندگی کی اور شہرِ شیراز میں حافظ شیرازی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ

کی تاریخ وفات ۹۴۲ ہجری مطابق ۱۵۳۵ عیسوی ہے۔

ملا میر کی نے تاریخِ وفات کہی:۔

سالِ فوتش ز خرد جستم و گفت

بادشاہ شعرا بود اہلی (۹۴۲ ہجری)

مرزا دبیر نے اپنی ایک رباعی میں اپنے جد کی تصنیف "سحرِ حلال" پر یوں فخر کیا ہے!

کب غیر کے مضموں پر خیال اپنا ہے الہام خدا شریک حال اپنا ہے

اک یہ بھی ہے اعجاز ائمۃ کا دبیر! دنیا میں سخن "سحرِ حلال" اپنا ہے

شہید حضرت قاضی سیّد نور اللہ شوستری نے اپنی تصنیف "مجالس المؤمنین" میں اہلی کا تذکرہ اکابرِ شعراء عجم میں کیا۔ اہلی شیرازی کا دیوانِ غزلیات بھی یادگار ہے۔ مصنف "المیزان" سیّد نظیر الحسن فوق لکھتے ہیں کہ مرزا دبیر کے جد مرزا ہاشم شیرازی، فن انشا پردازی اور حسن تحریر مراسلات و مکاتبات منشیانہ میں وحید عصر، منشی کامل اور نثار ماہر تھے۔

شریکِ حیات: مرزا دبیر کی بیوی اُردو کے عظیم المرتبت شاعر سیّد انشاء اللہ خاں انشا کی حقیقی نواسی اور سیّد معصوم علی کی بیٹی تھی۔

مرزا دبیر کے فرزند اوج نے اس پر اپنے ایک شعر میں فخر بھی کیا ہے:

نانا ہیں مرے سیّدِ عالی نسب انشا

عاجز ہے خرد، اُن کے فضائل ہوں کب انشا

اولاد: ایک بیٹی اور دو بیٹے۔

الف: بیٹی سب سے بڑی تھی جو میر وزیر علی صبا کے فرزند میر بادشاہ علی بقا کی شریکِ حیات ہوئی۔ کہتے ہیں دبیر کے غزل کے دیوان، بقا اپنے گھر لے گئے، چنانچہ جب ان کے گھر آگ لگی، دیوان خاکستر ہوگئے۔ بقا غزل، سلام اور مرثیہ بھی کہتے تھے۔ ان کا کچھ کلام "دفترِ ماتم" کی جلدوں میں نظر آتا ہے۔ یہ مرزا صاحب کے ہمراہ عظیم آباد بھی تشریف لے گئے اور دبیر کی مجلسوں میں پیش خوانی بھی کرتے تھے۔

ب: بڑے بیٹے مرزا محمد جعفر اوج۔ ولادت ۱۸۵۳ء

وفات ۱۹۱۷ء

نوٹ: مرزا اوج اعلیٰ پائے کے مرثیہ نگار شاعر تھے۔ مرزا اوج شاعری کے مجتہد تھے۔ انھوں نے مختلف نئے

تجربات بھی کیے ان کے مراثی میں انشا، دبیر اور انیس: تینوں کے محاسن ملتے ہیں۔ ''معراج الکلام'' میں شبلی نعمانی کا یہ قول نقل ہے: ''انصاف یہ ہے کہ آج مرزا اوج سے بڑھ کر نہ کوئی شاعر ہے نہ مرثیہ گو۔''
مرزا اوج نے نوجوانی ہی میں ''مقیاس الاشعار'' تحریر کی، جو فنِ شاعری و عروض قافیہ و تاریخ گوئی کی بلند معیار کتاب ہے، جس کے متعلق داغ دہلوی نے فرمایا تھا ''آج علمِ عروض کا ماہر، مرزا اوج سے بڑھ کر کوئی ہندوستان میں نہیں۔ ۱۹۰۸ء میں مرزا اوج نے ''قواعدِ حامدیہ'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا جو اُردو رسم الخط کی اصلاح اور تسہیل سے متعلق تھا۔ انجمن ترقی اُردو نیز مختلف افراد نے جو اُردو املا میں اصلاحیں تجویز کیں، ان کا محرک یہی رسالہ تھا۔ حیدرآباد دکن کی مجلسوں میں آصف سادس میر محبوب علی خان نظام دکن مسلسل شریک ہوتے تھے۔ نظام دکن کا سلام مرزا اوج نے اصلاح دے کر پڑھا تو نظام دکن نے باآواز بلند کہا: ''مرزا صاحب! آپ واقعی یکتائے فن ہیں۔'' مرزا اوج نے چھیاسٹھ (۶۶) سال کی عمر میں انتقال کیا اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

ج: چھوٹے بیٹے مرزا محمد ہادی حسین عطارد تھے۔ ولادت: ۱۸۵۶ء

وفات: ۱۸۷۳ء

نوٹ: مرزا محمد ہادی حسین عطارد عین شباب کے عالم میں (۲۰) برس کی عمر میں ۱۲۹۰ ہجری میں یکایک تخمہ (gasteroentritis) کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ مبتدی شاعر تھے سلام کہتے تھے۔ ان کے سلام ''دفترِ ماتم'' کی جلدوں میں شائع ہوئے ہیں۔ مولوی علی میاں کامل نے تاریخ وفات کہی: ع: شد عطارد مکینِ بیتِ نعیم: ۱۲۹۰ ہجری

عطارد کی موت کا بڑا اثر دبیر پر ہوا۔ آنکھوں کی بینائی نورِ نظر کے ساتھ جاتی رہی۔ رات میں جو کچھ گھنٹے سوتے، وہ بھی نورِ نظر کے داغ کی نذر ہو گئے۔

بھائی بہن: ایک بڑے بھائی اور دو بڑی بہنیں۔ مرزا صاحب سب سے چھوٹے تھے۔

بڑے بھائی مرزا غلام محمد نظیر، وفات ۱۲۹۱ ہجری۔ اگرچہ نظیر عمر میں بڑے تھے لیکن مرزا دبیر کے تقدس و کمال کے سبب سے مرزا صاحب کا ایسا ادب کرتے تھے جیسے چھوٹے بھائی کرتے ہیں۔ ثابت لکھنوی لکھتے ہیں:
نظیر کے سیکڑوں سلام اور سو سے زیادہ مرثیے ہیں۔

راقم کو نظیر کے ۲۷ سلام ''دفترِ ماتم'' کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں میں ملے۔ نظیر کا ایک

مشہور مرثیہ: ''ہر آہ علم ہے یہ عزاخانہ ہے کس کا'' نول کشور کی جلدِ دبیرؔ میں شائع ہوا ہے۔ نظیرؔ کے انتقال پر دبیرؔ نے انیسؔ کے قطعۂ تاریخی میں اپنی قلبی کیفیت کا اظہار یوں کیا ہے:

وا دریغا عینی و دینی دو بازویم شکست
بے نظیرؔ اوّل شدم امسال و آخر بے انیسؔ

تعلیم و تربیت: مرزا دبیرؔ نے تمام کتب رائج درسیہ عربی اور فارسی باقاعدہ پڑھی تھیں۔ جملہ علومِ معقول اور منقول میں مہارت حاصل تھی۔ پروفیسر حامد حسن قادری کہتے ہیں: ''مرزا دبیرؔ نے عربی اور فارسی کی تعلیم فضیلت کی حد تک حاصل کی تھی۔'' ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی ''دبستانِ دبیرؔ'' میں لکھتے ہیں: ''مرزا صاحب کی علمی حیثیت بہت بلند تھی۔ عربی و فارسی میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ تمام علومِ عقلی اور نقلی پر حاوی تھے اور طبقہ علما میں شمار کیے جاتے تھے۔'' دبیرؔ چونکہ بہت ذہین تھے، اس لیے اٹھارہ انیس سال میں فارغ التحصیل ہو گئے۔

اساتذہ: (۱) مولوی غلام ضامن صاحب فاضلِ دوراں سے ابتدائے شباب میں صرف و نحو، منطق، ادب اور حکمت کا درس لیا۔

(۲) مولوی میر کاظم علی صاحب عالمِ دین سے دینیات، تفسیر و اصول و حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

(۳) ملّا مہدی صاحب مازندرانی اور مولوی فدا علی صاحب اخباری کے آگے زانوے تلمذ تہ کیا۔

(۴) شاعری میں تقریباً دس سال میر ضمیرؔ کی شاگردی کی۔ ضمیرؔ لکھنوی کو خود اس پر فخر تھا کہ وہ دبیرؔ کے استاد ہیں۔ اس مضمون کو انھوں نے اپنی ایک رباعی میں یوں پیش کیا ہے:

پہلے تو یہ شہرہ تھا ضمیرؔ آیا ہے
اب کہتے ہیں استادِ دبیرؔ آیا ہے
کردی مری پیری نے مگر قدر سوا
اب قول یہی ہے سب کا پیر آیا ہے

(۵) مرزا دبیرؔ کی اوسط عمر میں میر عشقؔ مرحوم نے بھی مرثیوں میں مشاقی بہم پہنچائی ہے، اس کا اعتراف شادؔ عظیم آبادی نے کیا ہے۔

مذہب: مسلمان۔ (شیعہ اثنا عشری محتاط اُصولی)

نوٹ: ثابتؔ لکھنوی ''حیاتِ دبیرؔ'' حصّہ اوّل میں لکھتے ہیں: ''از بس کہ مرزا دبیرؔ کے کئی استاد اخباری تھے، بعض

حضرات مرزا صاحب کو اخباری مسلک سمجھتے تھے مگر مرزا صاحب ایک محتاط اصولی شیعہ تھے۔''

شغل: شاعری اور ادب (حکمت سے دل چسپی رکھتے تھے)۔

شکل و صورت: ثاقب لکھنوی اور شاد عظیم آبادی نے دبیر کو بڑھاپے میں دیکھا تھا۔ ثاقب لکھنوی کہتے ہیں: ''پکا سانولا رنگ، کسی قدر کشیدہ قامت، ماتھا بڑا، کثرتِ سجود سے ماتھے پر سجدے کا نشان، آنکھیں بڑی بڑی، گول؛ بڑا ڈیل، دو انگشتی ڈاڑھی، بڑی پاٹ دار آواز۔''

شاد عظیم آبادی ''پیغمبرانِ سخن'' میں لکھتے ہیں: ''مرزا دبیر خوب صورت نہ تھے۔ رنگ بہت کالا تو نہ تھا مگر سانولا بھی نہیں کہہ سکتے۔ آنکھیں بڑی اور گول تھیں۔ ان میں سرخی کے ڈورے، ہونٹ بڑے تھے، پیشانی اونچی تھی، سر کے بال نہایت کم اور چھدرے تھے، ڈاڑھی بالکل مورچہ پر تھی، خط بھی بنتا تھا، مونچھیں کسی قدر نمایاں تھیں مگر کتری ہوئی، اس پر ماز و کا خضاب، قد و قامت متوسط، نہ بہت جسیم نہ دُبلے تھے۔''

تصویر: مرزا دبیر کی جو تصویر مشہور ہے، وہ مجہول ہے لیکن مرزا صاحب کے بیان شدہ حلیے کے بہت قریب ہے۔ لب و ناک، نقشہ اس تصویر کا، مرزا اوج اور مرزا رفیع سے ملتا جلتا ہے۔ تصویر کے بارے میں مؤلف ''حیات دبیر'' لکھتے ہیں: ''میں نے کوشش بلیغ کی کہ لکھنؤ میں یا کہیں، مرزا صاحب کی قلمی یا عکسی تصویر مل جائے مگر ناکام رہا۔ مرزا اوج صاحب اور بعض معمر اصحاب کی زبانی معلوم ہوا کہ فوٹو کا مسئلہ علمائے اسلام میں مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب نے اپنی تصویر نہیں کھچوائی، حالانکہ شاہی فوٹو گرافر مشکور الدولہ مرحوم، مرزا صاحب مرحوم کے فدائی شاگرد نے بہت چاہا مگر مرزا صاحب تصویر کھچوانے پر راضی نہ ہوئے، ممکن ہے کہ کسی نے کلکتہ، پٹنہ، بنارس۔ آرہ، کھجوہ وغیرہ میں ان کی بغیر اجازت فوٹو لے لیا ہو۔''

نواب حامد علی خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لاء لکھنوی نے تقریباً تمام ہندوستان کے مشہور اردو اخباروں میں خطوط شائع فرمائے اور اپنی جیب سے تصویر لانے والے کو پچاس روپیا دینا چاہا مگر تصویر دستیاب نہ ہوئی۔

مرزا دبیر کے مرنے کے چند سال بعد ایک یورپ کے علم دوست نے مرزا صاحب کی تصویر تلاش کی لیکن تصویر اُس کو بھی نہ ملی۔

بہر حال، ان تمام اشکالات اور حقائق کے باوجود ہم مرزا دبیر کی مشہور تصویر ہی کو ان کی قلمی یا عکسی تصویر کا متبادل سمجھنے پر مجبور ہیں۔

آواز: مرزا دبیر کی آواز پاٹ دار اور پر تاثر تھی۔ ان کی آواز میں گداز شامل تھا لیکن حاسدین، مرزا دبیر کی آواز کو

بھی نام رکھتے تھے، چنانچہ دبیر اپنی ایک رباعی میں کہتے ہیں:

جب شاہِ نجف معین و ناصر ہوئے
کیوں سب میں نہ ممتاز یہ ذاکر ہوئے
آواز ہے بھاری تو ہو، پر بات یہ ہے
مجلس میں سخن نہ بارِ خاطر ہوئے

لباس: بقول شادؔ عظیم آبادی: ''دامن دار گوٹ اور بڑے گھیر کا کرتا، کبھی تن زیب، کبھی جامدانی پہنتے تھے۔ گرمیوں میں عمدہ مشروع کا مہری دار پاجامہ اور سفید جرابیں۔ سر پر باریک کام کی چکن کی پانچ گوشے والی ٹوپی، بغیر قالب کی اور جیسی کہ اس زمانے میں ایک جدید رسم سرگوشہ جالی لوٹ کے رومال اوڑھنے کی نکلی تھی، جب کہیں تشریف لے جاتے تھے، پاؤں میں زردوزی رنگ کتھیلا بھاری کام کا جوتا، ہاتھ میں مرشد آبادی جریب، انگلیوں کے ناخنوں میں مہندی کا رنگ۔ بڑے بڑے عقیق کے نگوں کی تین چار انگوٹھیاں بھی پہنا کرتے تھے۔

جاڑوں میں بیشتر شالی دگلا، شالی رومال یا عمدہ دوشالہ، سر پر لکھنوٴ کی پنج گوشہ شال کی ٹوپی۔

ثابتؔ لکھنوی لکھتے ہیں: ''سر پر گول پنج گوشیہ ٹوپی، جسم میں اندر شلوکا، اوپر ڈھیلا کرتہ جو گھٹنوں سے نیچا ہوتا ہے، اُس کے نیچے ڈھیلا پاجامہ اور پاجامے کے نیچے ایک جانگیہ ہمیشہ پہنے رہتے تھے، پاؤں میں گھتیلا جوتا۔

غذا: دبیرؔ دن میں صرف ایک وقت نو دس بجے کے لگ بھگ غذا تناول کرتے تھے، رات میں صرف چائے پیتے تھے۔ آخر عمر میں جب سخت علیل رہنے لگے تو طبیبوں کی رائے سے دو وقت غذا کر دی تھی، چونکہ نمازِ شب میں دقت اور تکلیف ہوتی تھی، اس لیے پھر رات کی غذا ترک کر دی تھی۔ شادؔ عظیم آبادی لکھتے ہیں: ''میٹھے چاولوں اور بالائی سے بہت رغبت تھی۔ اُن کا دسترخوان اس سے خالی نہ رہتا تھا۔ غذا کھانے کے بعد آرام کرتے تھے اور پانچ بجے کے قریب بیدار ہوا کرتے تھے۔ شب کو بارہ بجے کھانا کھا کے دو بجے تک آرام کرتے تھے۔

نظام الاوقات: مرزا دبیرؔ وقت کے بڑے پابند تھے۔ ہر کام اور عبادت کا وقت مقرر تھا۔ نمازِ صبح کا سلسلہ دو گھڑی دن چڑھے ختم ہوتا تھا، پھر کھانا کھاتے تھے۔ دوپہر کو اکثر اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاح دیتے تھے اور خود بھی کہہ لیتے تھے۔ سرِ شام سے رات کے نو بجے تک وہ نمازِ مغربین اور تعقیبات سے فارغ ہوتے تھے، پھر رات کے بارہ بجے تک احباب اور شاگردوں کا ہجوم رہتا تھا، علمی چرچے اور شعری بحثیں ہوتیں۔ آدھی رات کو جب یہ مجمع برخاست ہو جاتا تو مرزا صاحب نمازِ شب میں مصروف ہو جاتے تھے اور بعد میں شعر کہتے۔ ثابتؔ لکھنوی لکھتے

ہیں کہ ٹھیک حال نہیں معلوم کہ رات میں کس وقت سے کس وقت تک سوتے تھے، لیکن شادؔ عظیم آبادی نے بتایا ہے کہ شب کو بارہ بجے کھانا کھا کر دو بجے رات تک آرام کرتے۔ آخرِ شب تہجد پڑھ کر مرثیے کی تصنیف شروع ہوتی تھی جو صبح تک جاری رہتی۔ مرزا صاحب دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد بھی آرام کرتے تھے۔

آدابِ محفل: مرزا دبیرؔ کی رہائش گاہ عالی شان کوٹھی نہ تھی بلکہ معمولی مکان تھا! جہاں پر دن رات احباب اور شاگردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ بڑے بڑے شہزادے، حکام آپ کے گھر پر تشریف لاتے اور علمی اور شعری مباحث میں شریک ہوتے۔ مرزا صاحب، جب کوئی کسی کی غیبت کرتا، تو اُس کو فوراً روک دیتے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی میر انیسؔ صاحب کے خلاف کوئی بات کرسکے۔ وہ اس معاملے میں بہت حسّاس تھے۔

شادؔ کہتے ہیں: گھر کے صدر میں ایک بڑا سا گاؤ، جاڑوں میں اونی بڑا قالین، گرمیوں میں بہت بڑی سوزنی بچھی ہوتی تھی۔ آگے ایک فیض آبادی بڑا صندوقچہ سیاہ رنگ کا اور پیتل کی بڑی دوات اور چند واسطی قلم دھرے رہتے تھے۔ پائیں میں ہر وقت ایک خدمت گار پگڑی باندھے منتظرِ حکم کھڑا رہتا تھا۔ جب کوئی مہمان وارد ہوتا، علیٰ قدرِ مراتب کسی کا لبِ فرش تک استقبال کرتے، کسی کے لیے کھڑے ہو کر تعظیم کرتے، جھک کر سلام کرتے اور ہاتھ جوڑ کر مزاج پوچھتے۔ غربا اور حاجت مند کو بھی بیٹھے بیٹھے سلام نہیں کرتے تھے بلکہ کچھ خمیدہ پشت ضرور ہوجاتے۔ گھنٹے دو گھنٹے کے اندر دو تین دفعہ خاص دان میں گلوریوں کا دور ہوجاتا تھا۔ تین چار بند گڑگڑیوں کے حقے، چاندی کے چمبر کے ساتھ، صحبت میں موجود رہتے تھے۔ اکثر عطر دان الائچیوں اور ڈلیوں کا بھی دورہ ہوجاتا تھا۔ باتیں آہستہ آہستہ اور قدرے مسکرا کے ساتھ کرتے تھے۔ جب مذاقِ شاعری کے لوگ ہوتے تو کبھی کبھی محاورے کی نسبت، کبھی کسی غیر معمولی وزن والے شعر کی نسبت باتیں ہوتیں، احیاناً کوئی شک واقع ہوتا تو فنِ عروض کی کتابیں کھولی جاتی تھیں۔

حافظہ: مرزا دبیرؔ کا حافظہ بلا کا تھا۔ واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو چالیس پچاس سالہ پرانی باتیں اچھی طرح یاد تھیں۔ ہم قوتِ حافظہ کی دو حکایات یہاں بیان کرتے ہیں:

اوّل: مرزا صاحب سے دلگیر مرحوم کو بہت محبت تھی اور وہ بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ میر علی سوز خواں نے اپنے امام باڑے میں دلگیر کا کلام پڑھا۔ اس مجلس میں دبیرؔ بھی موجود تھے۔ شام کو جب مرزا دبیرؔ کے گھر پر بیٹھک ہوئی تو ایک مصاحب نے دلگیر کے مرثیے کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس مرثیے کا حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ جب تک میر علی سوز خواں اس کو دو تین سال پڑھ کر تقسیم نہ کریں گے۔ دلگیر صاحب کسی کو نہیں دیں گے۔ مرزا

دبیر نے کہا کہ مرثیے کے کل پندرہ سولہ بند ہیں، اگر کسی کی قوتِ حافظہ اچھی ہوتو دو تین مرتبہ غور کرکے یاد کر سکتا ہے۔ پھر مرزا دبیر نے ایک ایک بند کرکے سب بند لکھوادیے۔ اس حکایت سے دبیر کے حافظے کا پتا چلتا ہے۔

دوم: مرزا ظہور شاگردِ دبیر کہتے ہیں کہ ایک دن میر صفدر علی صفدر کے مرثیے پر دبیر اصلاح دے رہے تھے، چنانچہ تلوار کی تعریف کی ٹیپ ؎

سدِ سکندری کو تپ لرزہ آئی تھی
دیوار قہقہہ بھی کھڑی تھرتھرائی تھی

کو یوں بدل دیا: ؎

سدِ سکندری پہ جو بجڑکی، گھلا دیا
دیوار قہقہہ پہ جو کڑکی، رُلا دیا

کوئی بیس پچیس برس بعد جب ظہور نے اسی کٹی ٹیپ کو اپنے مرثیے میں ضم کرکے مرزا صاحب کو سنایا تو آپ نے فرمایا: اس کو میں نے کبھی سن کر کٹوادیا تھا۔ اس طرح دبیر کے حافظے نے ظہور کو حیرت میں ڈال دیا۔

خط: مرزا دبیر نہایت خوش خط اور زود نویس بھی تھے۔ آپ کا خط پختہ اور باقاعدہ تھا۔ مرزا صاحب کا خط اُس زمانے کے ایرانیوں کی روش پر تھا۔ وہ حرفوں پر کم نقطے دیتے تھے اور بعض حروف پر نقطے ہی نہیں دیتے تھے۔ حروف پر نقطے نہ ہونے کی وجہ سے مرثیوں کی نقلیں لیتے ہوئے بعض لفظوں کا کچھ کا کچھ ہوگیا، شاید یہی وجہ تحریف ہوگی۔

مرزا دبیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا مخمس کا ایک ورق ہمارے بیان کا ثبوت ہے۔ شادؔ عظیم آبادی کہتے ہیں:

مرزا دبیر کے پاس ایک اچھے خط کا کاتب ضرور ملازم رہتا تھا۔

فرنگی محل کے ایک مولوی صاحب تیس روپے پر ملازم تھے۔ وہ خوش خط بھی تھے اور فارسی نثر رنگین لکھتے تھے۔

خود مرزا صاحب کا خط شفیعہ آمیز پختہ تھا۔

اخلاق وکردار: مرزا دبیر اوصافِ حمیدیہ کے حامل تھے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مداحی نے ان کے دل میں رحم، مروّت، سخاوت، عدالت، قناعت، متانت، صداقت، غیرت، خودداری اور جرأت کے ولولوں کو اس طرح ابھارا کہ وہ فرشتہ صفت انسان بن کر ظاہر ہوئے۔

محمد حسین آزادؔ ''آبِ حیات'' میں لکھتے ہیں: ''دبیر کی سلامت روی، پرہیزگاری، مسافر نوازی اور سخاوت نے صنف کمال کو زیادہ تر رونق دی تھی۔''

مرزا رجب علی بیگ سرور "فسانۂ عجائب" میں لکھتے ہیں: "اللہ کے کرم سے ناظم خوب، دبیر مرغوب نے بار احسان اہل دُول کا نہ اٹھایا۔"

شاد عظیم آبادی: دوسروں کی امداد کرنا، حاجت مندوں کی حاجت کو پورا کرنا، وہ عبادت تصور کرتے تھے۔

ثابت لکھنوی: مرزا دبیر فرماتے ہیں وہ آدمی نہیں ہے جو دوسروں کے کام نہ آئے۔

(الف) رحم و مروّت: حکایت: میر انیس کے ایک شاگرد نے مرزا دبیر سے خواہش کی کہ انھیں ملکہ زمانی کی مجلس میں پڑھوا دیجیے۔ مرزا دبیر نے اپنے پاس سے قیمتی شالے کپڑے انھیں پہنوائے، ایک پالکی میں خود اور دوسری میں ان کو سوار کرا کے سلطان عالیہ اور ملکہ زمانی سے تعریف کی اور پڑھوایا۔ دربار سے شالی رومال اور پانچ سو روپیا ملا۔ جب گھر واپس آ کر مرزا صاحب کے شالے کپڑے اتارنے لگے تو مرزا دبیر نے کہا: آپ نے شاہزادی کا ہدیہ تو قبول فرمالیا، اب اس فقیر کا ہدیہ کیوں رد کر رہے ہیں۔ پھر دبیر نے اُن شالی کپڑوں کے ساتھ دو سو روپے اپنے پاس سے دیے۔

حکایت: آگرہ کے وکیل جناب سیّد حسن صاحب بیان کرتے ہیں کہ غدر کے بعد ایک سیّد صاحب مرزا دبیر کے پاس آئے اور کہا کہ آپ میرے ساتھ چل کر فلاں رئیس سے مجھے کربلائے معلّٰی کے سفر کے لیے دو سو روپے دلوا دیجیے کیوں کہ رئیس میر انیس کے چاہنے والوں سے تھے، مرزا صاحب نے کہا کہ آپ میر صاحب سے سفارش لے لیجیے۔ لیکن سیّد صاحب نے بتایا کہ استخارے میں دبیر کا نام آیا ہے۔ پھر مرزا صاحب نے بھی دوبارہ استخارہ دیکھا تو اچھا آیا، چنانچہ فینس میں سوار ہو کر جب رئیس کے گھر گئے تو وہ کھانا کھا رہے تھے۔ جب چوکیدار نے اطلاع دی، وہ فوراً دبیر صاحب سے ملنے باہر آئے اور پوچھا: حضور نے کیوں زحمت فرمائی؟ مرزا صاحب نے کہا: سیّد صاحب کربلا جانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے انھیں دو سو روپے درکار ہیں۔ نواب صاحب اندر گئے اور چار سو روپے لا کر ان سیّد صاحب کو دے کر کہنے لگے یہ دو سو روپے تو آپ کے مطلوبہ ہیں اور دو سو رُوپے اس شکریے میں نذرِ سادات کرتا ہوں کہ مرزا صاحب اس غریب خانے پر تشریف لائے۔

(ب) سخاوت: مرزا دبیر کی سخاوت کا ان کے مخالفین تک اقرار کرتے ہیں۔ وہ سخی ابن سخی تھے۔ ثابت لکھنوی نے لکھا ہے کہ ان کو سالانہ لاکھوں روپیا ملتا تھا اور وہ سب اہل حاجت میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اُردو ادب کے کسی شاعر کو اُن کے دور تک اتنا پیسا نہیں ملا۔

(ج) **مہمان نوازی**: مرزا صاحب بہت مہمان نواز تھے۔ ان کی مہمان نوازی کے قصے تمام ہندوستان میں مشہور تھے۔ اکثر باہر سے آنے والے علما اور باکمال افراد ان کے یہاں ٹھہرتے تھے۔ کوئی مہمان بغیر کھانا کھائے یا بغیر حصول نقد و جنس نہیں جا سکتا تھا۔ پردیسیوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اگر مہمان کہیں علیحدہ ٹھہرتے تو غذا کے خوان بھجواتے تھے۔ جو لوگ باہر سے مرزا صاحب کی مجالس میں آتے تو انھیں بڑی عزت سے قریب منبر بٹھاتے تھے، جہاں لکھنؤ کے امیروں کو جگہ ملنا دشوار تھی۔

حکایت: ایک دفعہ امام باندی بیگم کے دولت کدے واقع پٹنہ پر سیّد امداد امام اثر صاحب ''کاشف الحقائق'' کے والد، مرزا صاحب سے ملنے آئے۔ سردی کا موسم تھا لیکن موصوف معمولی لباس، یعنی ایک تن زیب کا کرتہ اور ایک تن زیب کا انگرکھا پہنے ہوئے تھے۔ مرزا صاحب سمجھے کہ کوئی مفلوک الحال ہیں جو گرم کپڑوں کی توفیق نہیں رکھتے، صرف اسی قدر راز کھلا کہ سیّد ہیں، چنانچہ انھیں بلا کر ایک لکھنؤ کے فرو روئی دار اور اس پر پانچ روپیا رکھ کر کہا کہ میں مغل ہوں اور سادات کا غلام ہوں، یہ غلام کا ناچیز ہدیہ قبول فرمائیں۔ انھوں نے رضائی یہ کہہ کر رکھ لی کہ حضور کا تبرک میں عمر بھر رکھوں گا اور مرنے سے پہلے اپنی اولاد سے وصیت کروں گا کہ میرے کفن میں رکھ دیں، شاید غفور الرّحیم اسی بہانے بخش دے۔ پانچ روپے یہ کہہ کر لوٹا دیے کہ مجھے اس کی حاجت نہیں، ورنہ ضرور رکھ لیتا۔ سیّد صاحب نے واپسی پر منشی فرزند احمد صفیر سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ صفیر نے دوسرے وقت مرزا صاحب سے تخلیے میں عرض کیا کہ کل جنھیں رضائی مرحمت ہوئی، وہ خاندانی امیر ہیں۔ مرزا صاحب نے جواب دیا: مجھ سے غلطی ہوئی، میں سمجھا کہ ان کے پاس سردی کے مقابلے کے لیے کوئی دگلا نہیں ہے۔

(د) **کمک و خیرات**: شاد کہتے ہیں: ''خفیہ سلوک کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ نادار اور حاجت مند گھیرے رہتے تھے۔ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ اکثر سونی راتوں کو تنہا گھر سے نکل گئے اور کسی شریف زادے، نادار غیرت دار کے گھر پہنچ کر چپکے سے کچھ دے آئے۔ کئی اپاہج نادار اور بیواؤں کو مشاہرے دیا کرتے تھے۔ اپنے خاندان والوں کو اپنے ساتھ لیے رہے۔ اگر کپڑے بنوار ہے ہیں تو پچاس جوڑے، ہر ایک کے لیے الگ الگ اہتمام کے ساتھ بنوار ہے ہیں، گویا تقریب ہے۔ ان کے بھائی مرزا غلام محمد نظیر کثیر العیال تھے۔ مرزا دبیر سب کو گلے سے لگائے رہے اور کل اخراجات اسی کشادہ پیشانی سے ادا کیے جیسے اپنے بیٹوں، بیٹی، داماد اور اُن کے بچوں کے لیے کر رہے ہیں۔

مرزا دبیرؔ غدر کے بعد جب عظیم آباد پٹنہ جاتے تو دیکھتے اُن کے اکثر ملنے والے نہایت عسرت اور غربت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، چنانچہ مرزا دبیرؔ اُن افراد کے لیے بنارس کے زرّیں اور ریشمی کپڑے لاتے اور ایسے دوستوں کو تحفے کے طور پر دیتے تھے۔ اگر کوئی صاحب دختر ہوتے تو کہتے: یہ میری بھتیجی کے جہیز میں شامل کر دیجیے۔

(ہ) قناعت: اگرچہ مرزا دبیرؔ کی آمدنی لاکھوں میں تھی لیکن زندگی سادہ تھی، کیونکہ وہ اپنے لیے صرف ضروری خرچ رکھ لیتے اور باقی سب کچھ غربا میں تقسیم کر دیتے۔ شادؔ عظیم آبادی ''پیغمبرانِ سخن'' میں لکھتے ہیں: ''میں نے پہلے پہل جو مرزا صاحب کا گھر دیکھا تو محض بے مرمّت، صرف مٹی کی چھت کا ایک سائبان تھا جس میں خود بیٹھا کرتے تھے، اس کے علاوہ بھی دو چار گھر قریب قریب تھے مگر ان کی شان کے لائق نہ تھے۔ مجھ کو تعجب ہوا کہ مرزا دبیرؔ کی فتوحات کم نہیں ہیں، کپڑوں کے تو ایسے شائق ہیں کہ گویا مقدرت سے زیادہ ہی پہنتے ہیں مگر گھر کیوں ایسا رکھا ہے۔ ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ کپڑے بیچنے والا آیا، آپ نے کچھ مشروع، کچھ گل بدن، کچھ ململ، کچھ نین سکھ غرض متفرق قسم کے دس بارہ تھان، جو اس کے پاس موجود تھے، خرید کر فرمایا کہ دس تھان اس گل بدن کے، پانچ مشروع کے چودہ ململ وتن زیب کے، اس طرح ایک لمبی فہرست لکھوا دی اور کہا کہ پہنچا دو! پھر شام کو کچھ چکن، کچھ تن زیب کے تھان دوسرے سے خرید کیے۔ ایک دفعہ دیکھا کہ ایک ٹوکرا بھر کر زنانی اور مردانی جوتیاں خرید کر منگائیں، تب یہ حال کھلا کہ خاندان بھر کو ہر چھٹے مہینے ضرور دیا کرتے تھے، خاندان والوں کے مشاہرے مقرر کر رکھے تھے، اس کے علاوہ بھی نقد دیا کرتے تھے، ایک دفعہ دس تولہ عطر مول لے کر چھوٹی چھوٹی شیشیوں میں، قریب پچیس شیشیوں میں بھر کر اپنے خاندان والوں کو بھجوائیں، تب میں نے سمجھا کہ ایسا فیاض بزرگ کیوں کر اچھا گھر بنا سکتا ہے۔ ان کا خلق اور کمال ایسا تھا کہ بڑے بڑے نواب شہزادے اونچے درجے کے روسا اسی مختصر اور بے مرمّت گھر اور تنگ گلی میں آنا اپنا فخر سمجھتے تھے۔

(و) عدالت: عدالت کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ کبھی کسی غریب کے مقابلے میں کسی امیر بد طینت کی طرف داری نہ کی، کسی رئیس یا بادشاہ کی انھوں نے خوشامد نہ کی، کسی بادشاہ کو خداوند نہ کہا۔

جب مرزا دبیرؔ نے بادشاہ اودھ غازی الدین حیدر کے عزاخانے میں بادشاہ کی موجودگی میں منبر پر جا کر حمد و

نعت و منقبت پڑھ کر یہ قطعہ پڑھا:

واجب ہے حمد و شکر، جنابِ اِلٰہ میں
فضلِ خدا سے آیا ہوں کس بارگاہ میں

مجھ سا گدا اور انجمنِ بادشاہ میں!
چرچا یہ لوگ کرتے ہیں اس وقت راہ میں

ذرّے پہ چشمِ مہر ہے مہرِ منیر کو
حضرت نے آج یاد کیا ہے دبیرؔ کو

پھر جو مرثیہ پڑھا، اُس کا مطلع ہے: ؎ ’’داغِ غمِ حسینؑ میں کیا آب وتاب ہے۔‘‘ چنانچہ جب مرثیے کے اس بند پر آئے تو بادشاہ رونے لگے اور اِسے پھر پڑھوایا۔ بند یہ ہے:

جب روز، کبریا کی عدالت کا، آئے گا
جبّار بادشاہوں کو پہلے بلائے گا

انصاف وعدل اُن سے بہت پوچھا جائے گا
تو آج داد دینے کی کل داد پائے گا

گُل کر دیا ہے دونوں جہاں کے چراغ کو
لوٹا ہے تیرے عہد میں زہراؑ کے باغ کو

کہتے ہیں مرزا دبیرؔ تو مرثیہ پڑھ کر چلے گئے لیکن بادشاہ کو خوفِ خدا سے ساری رات نیند نہ آئی، صبح سویرے اپنے وزیر کو انصاف اور عدالت کے بارے میں بڑی تاکید فرمائی۔

متانت خودداری: مشہور ہے کہ میر انیسؔ کی طرح جو وضع وقطع مرزا دبیرؔ نے اپنائی تھی، اسے مرتے دم تک نبھاتے رہے۔ مشکل سے مشکل دور میں ہمیشہ سواری میں گئے۔ جب کہیں تشریف لے جاتے تو خاندان کے دو چار آدمی ساتھ ہوتے، ایک دو خدمت گار، چاندی کا خاص دان اور چھتری لیے سر پر پگڑی رکھے ساتھ رہتے تھے۔ مرزا دبیرؔ کی متانت ایسی تھی کہ بڑے بڑے صاحبانِ علم، مرزؔا صاحب کو اپنا قبلہ وکعبہ مانتے تھے۔ مرزا صاحب جن امور میں دبنا اور عجز کرنا غیر شرعی سمجھتے تھے، اُن میں کبھی کسی سے دب کر نہیں رہے۔ علامہ جائسی سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں واجد علی شاہ کے روبرو جب گئے تو باتوں میں انھوں نے معمولی سا لفظ ’’خداوند‘‘، جو اہلِ لکھنؤ کا تکیۂ کلام تھا، نہیں کہا۔ جب مجلس ختم ہونے پر بادشاہ کے ایک مصاحب نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے مرزؔا صاحب کو لفظ خداوند کہنے میں کچھ اکراہ ہے تو بادشاہ نے اُس جانب توجہ نہ کی دوسرے روز دبیرؔ نے منبر پر یہ رباعی پڑھی تو بادشاہ نے اُس مصاحب سے مخاطب ہو کر کہا: دیکھا! شاعر کو الہام ہوتا ہے:

ناداں کہوں دل کو کہ خرد مند کہوں
یا سلسلۂ وضع کا پابند کہوں
اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے دبیرؔ!
بندوں کو میں کس منہ سے خداوند کہوں

سرکارِ سلاطیں سے سروکار نہیں
جز مجلسِ مولا، کوئی دربار نہیں
مدّاح ہوں میں امامِ بے سر کا دبیرؔ!
ساماں کیسا کہ سر بھی درکار نہیں

مرزا دبیرؔ نے جب مرثیہ پڑھنا شروع کیا، اُس زمانے میں مرثیہ گو شعرا سوز خوانوں کے رحم و کرم پر رہتے تھے، کیوں کہ انھی سوز خوانوں کی بدولت ان کے مرثیے مشہور ہوتے تھے۔ مشہور ہے کہ اس زمانے میں لکھنؤ کے مشہور سوز خواں میر علی صاحب، جو رشتے میں خواجہ میر دردؔ کے سگے نواسے تھے، جس شاعر کا مرثیہ سوز سے پڑھتے، اُسے شہرت مل جاتی تھی۔ مرزا دبیرؔ کی شہرت سُن کر میر علی صاحب نے دبیرؔ کے تین مرثیوں: ع: ''باغِ فردوس سے یہ بزمِ عزا بہتر ہے'' ع: ''بخدا تاجِ سرِ عرشِ خدا ہے شبیرؔ''
ع: ''جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہِ شبیرؔ'' کو حاصل کر کے پڑھا اور سارے لکھنؤ میں ان مرثیوں کی شہرت ہوگئی۔ اتفاق سے انھی مرثیوں میں سے ایک مرثیہ کسی دوسرے سوز خواں نے بھی کہیں پڑھا، جہاں میر علی صاحب موجود تھے، جب میر علی صاحب کو معلوم ہوا کہ دبیرؔ نے یہ مرثیہ دوسروں کو بھی دیا ہے تو مرزا صاحب کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ اگر تم مستند اور مشہور مرثیہ گو بننا چاہتے ہو تو آیندہ وہ مرثیہ، جو میر علی کو دیا گیا ہے، کم از کم تین سال تک کسی دوسرے کو تقسیم نہ کیا جائے۔ مرزا صاحب نے جواب بھیجا کہ میری طرف سے آداب عرض کیجیے اور کہیے کہ اوّل تو آپ سیّد، دوسرے بزرگ، تیسرے ذاکر، اس طرح واجب التعظیم ہیں۔ میں اگر مستند مرثیہ گو بننا چاہتا ہوں تو امام حسینؑ کی امداد اور اپنی محنت و طبعِ خداداد سے۔ یہ بات شاید مری مروّت سے بھی دور ہوگی کہ کوئی ذاکر مجھ سے مرثیہ مانگے اور میں یہ کہہ کر اُس کی دل شکنی کروں کہ میر علی صاحب کا حکم نہیں۔ مجھ سے یہ شرط نبھ نہیں سکتی۔'' کہتے ہیں اُس دن سے پھر میر علی صاحب نے مرزا

صاحب کا کوئی مرثیہ نہیں پڑھا۔

احترام و دل جوئی: مرزا صاحب ہر بندۂ خدا کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ دوسروں کو احمق بنانے اور ہجوِ ملیح کرنے کی بعض حضرات کو جو عادت ہوتی ہے، مرزا صاحب کو اس سے سخت نفرت تھی۔ دبیرؔ اپنے دشمن کی بھی دل شکنی کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ حسد اور رشک انہیں پسند نہ تھی۔ ہمیشہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:؎

مذہب میں مرے رشکِ خفی شرکِ جلی ہے
واللہ کہ یہ ولولۂ حُبِّ علیؑ ہے

وعدہ وفائی: دبیرؔ جو وعدہ کرتے، ضرور وفا کرتے۔ مجتہد العصر علامہ جائسی کہتے ہیں: جب کسی مجلس میں نیا مرثیہ: ''اب طبع دلیر! آج دکھا شیر کے حملے'' مرزا دبیرؔ نے پڑھا، مجھے پسند آیا۔ میں نے مرثیہ طلب کیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا: یہ مرثیہ آپ کو وطن جانے کے دن ملے گا، چنانچہ جب میں وطن روانہ ہو رہا تھا تو مرزا دبیرؔ نے خود اپنے ہاتھوں سے مرثیہ اُسی دن عنایت کیا۔

دبیرؔ کے اخلاق و کردار پر جناب ہیرا لال شیداؔ لکھتے ہیں:—— ''مرزا صاحب کا کلام ہماری بتائی ہوئی کسوٹی پر پرکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شاعری کے لیے پیدا کیے گئے تھے چونکہ ہر اصلی شاعر کا یہی مشن ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے اخلاق کو ترقی دے، اس لیے وہ دوسرے واقعات کے پیرائے میں اپنے وقت کی بھلائیوں اور برائیوں کے نغمے سنایا کرتا ہے۔ مرزاؔ صاحب کے زمانے میں بھی آج کل کی طرح سچی دین داری کی جگہ ریاکاری کا زور تھا۔ وہ اس سے متنفر تھے۔ اس کی ہدایت اس طرح فرماتے ہیں: ع:

نزدیک ہے کہ زہد کو بے آبرو کریں
تر دامنی سے، شہر میں، زاہد وضو کریں

مرزاؔ صاحب ایک مصلحِ اخلاق کی حیثیت سے اپنے ہم جنسوں میں صبر و قناعت و وضع داری، بیکسوں اور مفلسوں سے ہمدردی کا مادہ پیدا کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ جنابِ ممدوح، امام حسینؑ کی زبانی اُن کی چار برس کی بیٹی سکینہ سے مخاطب ہو کے فرماتے ہیں:؎

سینے پہ مرے سو چکیں اب خاک پہ سونا
آخر ہے زمیں بھی تو غریبوں کا بچھونا

مرزا صاحب کا کلام، اخلاق کی درستی کرنے والے اور محبت کے موجب خیالات کا، کبھی نہ خالی ہونے

خزانہ ہے۔ وہ انسانی جماعت کو نیک اور پاکیزہ خیال بنانے کے لیے اس دنیا میں بھیجے گئے تھے، اس لیے سچے اور حقیقی شاعر تھے۔

شمس العلما سیّد امداد امام آثر بہت سچ کہتے ہیں کہ مرزا دبیر تمام تر صفاتِ ملکوتی سے متصف اور لاریب خاصانِ خدا تھے۔ اولیاے خدا کی خوبیاں خدا نے انھیں بخشی تھیں۔ ان کی سخاوت اور ایثار شہرۂ آفاق ہے۔ علم وفضل کے ساتھ توفیق عبادت بہت کچھ خداے پاک نے عطا فرمائی تھی۔ اخلاق محمدی کا آپ پورا نمونہ تھے۔ جود وسخا، بذل وعطا میں اپنا جواب آپ تھے۔ منکسر المزاجی، خاکساری اور فروتنی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ خوش مزاجی، خوش اخلاقی اور خوش اوقاتی آپ پر ختم تھی۔ عمر بھر کسی کی غیبت نہ کی۔

شاعری کا آغاز: دبیر نے ۱۲ سال کی عمر میں ۱۸۱۵ء میں شاعری کا آغاز کیا۔

مدت مشقِ سخن: ۶۰ سال

پہلا قطعہ: یہ قطعہ مرزا صاحب نے اپنے استاد ضمیر کو سنایا تھا:

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس کی شام و سحر
کسی کا کوچ، کسی کا مقام ہوتا ہے

آخری قطعہ تاریخ: یہ قطعۂ تاریخ ہے جو میر انیس کے انتقال پر کہا تھا، جس کے آخری دو مصرعوں کے مجموعی اعداد سے تاریخ عیسوی نکلتی ہے۔ مرزا نے معتقدین کی طرح آسمان کے الف ممدودہ کے عدد دو لیے ہیں:

آسماں بے ماہِ کامل، سدرہ بے روح الامیں
طورِ سینا بے کلیم اللہ منبر بے انیس

(۹۲۹+۹۴۵=۱۸۷۴)

پہلا مرثیہ: ع: بانو پچھلے پہر اصغر کے لیے روتی ہے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مرزا دبیر کا پہلا مرثیہ ہے۔ یہ مرثیہ حضرت علی اصغر کے حال میں ہے۔

آخری مرثیہ: ع: انجیل مسیحِ لبِ شبیرؑ ہیں عباسؑ

مرزا دبیر یہ مرثیہ نظم کر رہے تھے کہ میر انیس کے انتقال کی خبر ملی۔ مرثیہ ناتمام چھوڑ دیا اور کہا کہ ''دبیر یہ تیرا

آخری مرثیہ ہے'' اور یہی نا تمام مرثیہ انھوں نے اپنی آخری مجلس میں ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۹۱ ہجری میں پڑھا۔ یہ مرثیہ حضرت عباسؑ کے حال میں تھا۔

اساتذہ: تقریباً دس برس میر ضمیر لکھنوی سے استفادہ کیا۔ میر ضمیر نے تخلص دبیر لکھا۔
شاد عظیم آبادی کہتے ہیں، میر عشق: فرزند انیس لکھنوی نے بھی نوک و پلک سنوارنے میں مدد کی۔

ضمیر اور دبیر میں رنجش: حکایت: جس قدر مرزا صاحب کی شہرت و نیک نامی بڑھتی تھی، حاسدوں کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔ بعض شاگردوں نے سوچا دبیر اور ضمیر میں بگاڑ پیدا کر دیں تا کہ دبیر بے اصلاح کا کلام پڑھیں اور ان کی قلعی کھلے، کیونکہ یہ شاگرد مرزا دبیر کی تمام خوبیاں میر ضمیر کی اصلاح کی بدولت سمجھ رہے تھے۔ افتخار الدولہ، جو ہندو سے مسلمان ہوئے تھے، رمضان کی شبوں میں مجلس کراتے تھے، چنانچہ انھوں نے ایک بار دونوں صاحبوں سے اصرار کیا کہ نیا مرثیہ پڑھیں۔ دبیر کی مشقِ سخن شباب پر تھی، چنانچہ انھوں نے نیا مرثیہ کہا:

ع: ''ذرہ ہے آفتاب، درِ بوتراب کا'' لیکن ضمیر نیا مرثیہ نہ کہہ سکے۔ جب دبیر نے استاد ضمیر کو اپنا مرثیہ سنایا تو حاسد شاگرد میر علی بشیر کو بُرا لگا۔ انھوں نے دبیر سے کہا کہ تم یہ مرثیہ استاد کو دے دو، لیکن بات آخر یہ قرار پائی کہ مرثیے کا نصف اوّل دبیر اور نصف آخر ضمیر پڑھیں گے، چنانچہ جب مجلس میں دبیر نے مرثیہ پڑھنا چاہا تو بشیر نے دبیر کو منع کیا لیکن دبیر نے طے شدہ قرارداد کے مطابق آدھا مرثیہ پڑھا، اُدھر بشیر نے استاد ضمیر سے کہا کہ دبیر نے عمدہ حصے والا مرثیہ پڑھ لیا ہے، چنانچہ ضمیر نے منبر پر جا کر کہا کہ میں اپنے ساتھ کوئی مرثیہ نہیں لایا اور جو مرثیہ دبیر نے یہ کہہ کر پڑھا ہے کہ وہ ضمیر کا ہے، غلط ہے۔ یہ مرثیہ دبیر ہی کا ہے۔ اس واقعے کے بعد استاد اور شاگرد نے خلعت بھی قبول نہ کی اور اس رنجش کی وجہ سے استاد اور شاگرد ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔

دبیر اور ضمیر میں صفائی: حکایت: ایک دن وزیر اودھ نواب علی نقی خان صاحب کی مجلس میں مرزا دبیر نے اپنا نو تصنیف مرثیہ پڑھا جس کا مطلع ہے: ع: ''اے عرشِ بریں! تیرے ستاروں کے تصدق'' اس مجلس میں میر ضمیر بھی شریک تھے۔ مجلس چونکہ وزیر کی تھی، بادشاہ بھی شریک تھے، جنھوں نے مرزا دبیر کی بڑی تعریف کی۔ مرزا دبیر نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا: یہ سب استاد میر ضمیر کا فیض ہے۔ مجلس کے بعد میر ضمیر نے دبیر کو گلے لگایا اور پھر گھر لے گئے۔ سب اگلی پچھلی باتیں دہرائی گئیں۔ میر عابد علی بشیر کی خطا ثابت ہوئی۔ ضمیر اور دبیر

میں رنجش باقی نہ رہی۔

مرزا دبیر، میر ضمیر کا تخلص کے ساتھ نام نہیں لیتے تھے بلکہ حضرت، استاد، جنت مکان وغیرہ تعظیمی الفاظ استعمال کرتے تھے۔ میر ضمیر سال کی چھ مجلسیں پڑھتے تھے۔ مرزا دبیر ان مجالس کی ابتدا سے مشق سخن میں پیش خوانی بھی کرتے تھے۔

شاگرد: مرزا دبیر کے شاگردوں کی فہرست بڑی ہے، ہم یہاں صرف منتخب شاگردوں کے نام پیش کریں گے:

(۱) محمد جعفر اوج، (۲) محمد ہادی حسین عطارد (۳) محمد نظیر (۴) میر بادشاہ بقا (۵) شاد عظیم آبادی (۶) منیر شکوہ آبادی (۷) مشیر لکھنوی (۸) صغیر لکھنوی (۹) ممتاز الدولہ (۱۰) ملکہ زمانی (۱۱) سلطان عالیہ (۱۲) زیب النساء حاجی (۱۳) قدیر دہلوی (۱۴) محمد تقی اختر (۱۵) شیخ فقیر حسین عظیم (۱۶) صفدر فیض آبادی (۱۷) سید باقر مہدی بلیغ (۱۸) محمد رضا ظہیر (۱۹) وہاب حیدرآبادی (۲۰) امام باندی عفت (۲۱) مطیر (۲۲) سفیر (۲۳) صبا (۲۴) وزیر (۲۵) حقیر وغیرہ۔

پڑھنے کا طریقہ: مرزا دبیر منبر کے چوتھے زینے پر بیٹھتے تھے۔ پہلے منبر پر بیٹھ کر دو چار منٹ چار طرف مجلس کو دیکھتے۔ اکثر لوگوں سے سلامت اور مختصر مزاج پرسی کرتے۔ اسی دوران زیر منبر کوئی مصاحب مرثیے کے کاغذات دیتے۔ مرزا صاحب ان کاغذات سے چند کاغذوں کا انتخاب کر کے زانو پر رکھ لیتے اور پھر ہاتھ اٹھا کر بہ آواز بلند فاتحہ کہتے اور خضوع و خشوع کے ساتھ سورۂ الحمد تمام کر کے بھی کچھ پڑھتے۔ خبیر لکھنوی ''رباعیات دبیر'' میں لکھتے ہیں: ''آج بھی مرزا دبیر کے اہلِ خاندان اور اُن کے خاندان کے تلامذہ پہلے فاتحہ کہہ لیتے ہیں، پھر رباعی سلام اور مرثیہ پڑھتے ہیں۔ میر انیس کے خاندان میں فاتحہ نہیں کہتے اور یہی دونوں خاندانوں کی اب پہچان رہ گئی ہے۔''

مرزا دبیر اہلِ مجلس کو زیادہ تر تجھو یا حضرات کے لفظ سے مخاطب کرتے جاتے۔ مصرع نصف ایک جانب اور نصف دوسری جانب نظر کر کے پڑھتے۔ پڑھتے وقت قریب سے دیکھنے والوں کو ان کی جوش کی حالت پوری محسوس ہوتی تھی۔ نصف مصرع کو ڈپٹ کر اور نصف کو بہت آہستہ ادا کرنا کچھ انھیں پر ختم ہو گیا۔ ہاتھ یا چہرے سے بتانا مطلق نہ تھا۔ حزن یا بین کی جگہ آواز کو نرم بنا کر سامعین پر اثر ڈالنا بھی چنداں نہ تھا۔ اکثر اہل مجلس کو روتے روتے غش آ جاتا تھا۔ پورا مرثیہ، از مطلع تا مقطع، مسلسل پڑھتے میں نے نہیں سنا۔ مشکل سے مرثیے کے ایک سو بند پڑھتے ہوں گے۔ آخر میں پسینے سے شرابور ہو جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ

ڈیڑھ گھنٹے تک پڑھ کر اترآتے تھے۔‘‘
مؤلف ’’حیات دبیر‘‘ ثابت لکھنوی کہتے ہیں: ’’مرزا دبیر جوشِ معرفت میں سینے کے زور سے پڑھتے تھے اور مجلس میں جب کبھی پڑھنے کو جاتے تھے، وضو کر کے جاتے تھے۔ آواز بھاری اور پاٹ دار تھی، فطری طور پر کہیں خود بخود ہاتھ اٹھ جاتا تھا، ورنہ منبر پر بیٹھ کر بتلانے کو وہ عیب جانتے تھے۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے، مرثیہ خوانی سے بتانے کو کیا علاقہ ہے۔ اس مضمون کو اپنی ایک رباعی میں یوں بیان کرتے ہیں:

ناحق نہ چیخنا نہ چلانا ہے
بے کار نہ ہر بند پر بتلانا ہے
ابنِ شہِ مرداں کا ثناخواں ہوں میں
صد شکر کہ پڑھنا مرا مردانہ ہے

حکایت: ۱۸۷۲ء میں داروغہ میر واجد علی تسخیر لکھنوی کے امام باڑے میں دبیر نے یہ مرثیہ پڑھا تھا:
ع: ’’پرچم ہے کس علم کا، شعاعِ آفتاب کی‘‘ تمام مجلس تصویر بنی ہمہ تن گوش تھی، یہاں تک کہ مرزا دبیر اس موقعے پر پہنچے کہ حضرت زینب اپنے بچوں سے پوچھتی ہیں کہ تم نے شمر سے بات کیوں کی؟ اس موقعے پر مرزا دبیر نے ایک مصرع تین طرح سے پڑھا۔ ہر مرتبہ مصرعے کے ایک نئے معنی سامعین کے ذہن میں آئے:

(۱) کیوں۔ تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی؟ (گھڑکی کے لہجے میں)
(۲) کیوں؟ تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی؟ (سوالیہ طور پر)
(۳) کیوں تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی (تاسف کے لہجے میں)

اس مصرعے پر اس قدر رقت ہوئی کہ مرثیہ آگے نہ پڑھ سکے۔ مرزا دبیر کو خاص کر بین کے مقامات پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ کہتے ہیں کہ مرزا دبیر کے پڑھنے کا انداز انھیں کے ساتھ ختم ہوگیا۔ انھوں نے کسی اپنے شاگرد کو اپنے پڑھنے کا طرز نہیں سکھایا۔

طریقہ تصنیف: ثابت لکھنوی کے قول کے مطابق: ’’مرزا صاحب اکثر باوضو جانماز پر بیٹھ کر مرثیہ تصنیف فرماتے تھے۔ کبھی کبھی بعد نماز شب اور کبھی بعد نماز صبح اور کھانا کھانے کے بعد گیارہ بجے دن، کہا کرتے تھے۔ بعض بعض مصرعوں پر ایسا وجد طاری ہوتا تھا کہ جھوما کرتے اور اکثر بین کے مضامین پر مسلسل آنسو جاری ہو جاتے

تھے۔ جب تک طبیعت حاضر نہ ہوتی تھی، نہ کہتے تھے اور جب حضورِ قلب کا عالم ہوتا تھا، کہتے تھے اور جلد جلد کہتے تھے۔''

شاد عظیم آبادی ''پیغمبرانِ سخن'' میں لکھتے ہیں: ''آخر شب سے تہجد پڑھ کر مرثیے کی تصنیف شروع ہوتی تھی۔ صبح تک جتنے بند کہتے تھے، بعد ادائے نماز اس کو لیے ہوئے باہر آتے تھے۔ کاتب موجود رہتے۔ خود بتا بتا کر اپنے سامنے صاف کرواتے تھے۔ یہ بھی مسوّدہ دوم میں داخل ہوتا تھا۔ مسوّدہ اوّل و دوم سب مقفّل کیا جاتا تھا، پھر شب کو مسوّدہ اوّل نکالا جاتا تھا۔ مرثیوں کی تصنیف یوں نہ ہوتی تھی کہ مطلع شروع کر کے چہرہ، صف آرائی، رخصت، لڑائی وغیرہ کے بند ترتیب کے ساتھ کہتے ہیں بلکہ مثلاً تلوار یا گھوڑا یا صف آرائی یا چہرہ یا رخصت میں جتنے مضامین متعلق مرثیہ کہے ہیں، ہر مضمون کے سو سو دو دو سو بند لکھے جاتے تھے، آخر میں اس ذخیرے سے بند لے کر پانچ پانچ چھ چھ مرثیے مرتب کر لیتے تھے۔ کچھ موٹی موٹی جلدیں کاتب سے صاف کروائی ہوئی، انھیں بے ترتیب بندوں کی، الگ رہتی تھیں اور جب یہ بند بصورتِ مرثیہ مرتّب ہو جاتے تھے تو کتاب کے اندر ترتیب وار داخل کیے جاتے تھے۔ اسی طرح سلاموں مخمّسوں، قطعات وغیرہ کی جلدیں صاف کی ہوئی، الگ رہتی تھیں۔ کاتب کو دم لینے کی فرصت نہ تھی، تازہ تصنیف کو تو اپنے سامنے بٹھا کر صاف کرواتے تھے ورنہ حوالے کر دیتے تھے، وہ الگ بیٹھا لکھا کرتا تھا۔

''شاد عظیم آبادی کی گفتگو افضل حسین ثابت لکھنوی کے بیان کردہ میر دستور علی بلگرامی کے ''دفترِ پریشان'' سے ثابت ہوتی ہے۔ جس میں دبیر نے بیس (۲۰) چہرے، بیس (۲۰) رخصتیں، بیس (۲۰) رجز، بیس (۲۰) لڑائیاں، بیس (۲۰) سراپا اور بیس (۲۰) بین و بیانِ شہادت نظم کیے ہیں۔ مشہور ہے کہ دبیر بہت جلد جلد کہتے تھے۔ ذیل کی حکایات ان کی زود گوئی کا ثبوت ہیں۔

حکایت ۱: میر وزیر حسین صاحب ناقل ہیں کہ ''میں جس وقت مرزا دبیر کی خدمت میں پہنچا، دن کے بارہ بج چکے تھے۔ مرزا صاحب کھانا کھا کر پلنگ پر آرام کر رہے تھے۔ دو کاتب پلنگ کے اِدھر اُدھر بیٹھے تھے۔ مرزا دبیر دونوں کاتبوں کو نو تصنیف دو مرثیے لکھوانے لگے، کبھی اس کاتب کو تین مصرعے بتا دیتے کبھی اُس کاتب کو بعض مصرعے یا بیت۔ بعض مصرعوں پر اتنا جوش آ جاتا کہ بیٹھ جاتے۔ تقریباً چار بجے تک یہی سماں رہا۔ جب نمازِ ظہرین کے لیے اٹھے تو معلوم ہوا کہ ہر کاتب نے ساٹھ ساٹھ بند دو مرثیوں کے لکھے ہیں۔ ایک مرثیہ حال حضرت علی اکبرؑ اور دوسرا امام حسینؑ کے حال میں تھا۔

حکایت نمبر۲: میر دستور علی صاحب بلگرامی نے بتایا کہ ایک صاحب مرزا صاحب کے پاس آئے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ اس وقت بارہ تیرہ بند اس حال میں کہہ دیجیے کہ بعد شہادتِ علی اصغرؑ ، ان کی ماں قبرِ علی اصغر پر آئی، کہ میں اُن بندوں پر سوز رکھ کر فلاں رئیس کے پاس پڑھوں گا۔ مرزا صاحب نے کہا کہ اب مجلس میں جا رہا ہوں۔ اُس شخص نے کہا کہ میرے رزق کا معاملہ ہے، پھر مرزا صاحب نے کھڑے کھڑے چودہ پندرہ بند لکھوا دیے اور وہ سوز خوان لے گئے۔ اس طرح ایسے سیکڑوں بندوں کی نقل کچھ ان کے گھر میں نہیں رہی۔

اصلاح کا طریقہ: مرزا دبیرؔ کے شاگردوں کی تعداد زیادہ تھی۔ مرزا صاحب شاگرد سے اُس کا کلام سنتے جاتے اور جس مصرعے یا بند پر اصلاح دینا ہوتا تو مرثیہ لے کر اپنے ہاتھ سے بنا دیتے تھے۔ جو لفظ کاٹتے یا بناتے تھے، اگر وہ شاگرد حاضر ہوتا تو زبانی بتا دیتے ورنہ حاشیے پر بطور اشارہ لکھ دیتے تھے۔

حکایت: میر واجد حسین کہتے ہیں کہ مرزا دبیرؔ نے کسی شاگرد کا ایک اصلاح شدہ مرثیہ انھیں دے کر کہا کہ اسے صاف کر دو! مرثیہ کی ٹیپ تھی: ع:

آپ آئے ہیں عورت نہ کوئی سامنے آئے
اقبال سے کہہ دو کے عناں تھامنے آئے

چنانچہ واجد حسین صاحب نے اس شعر میں تصرّف کر کے اپنی طرف سے لکھا:

ع: ''ہاں فتح سے کہہ دو کہ عناں تھامنے آئے'' کسی طرح سے مرزا دبیرؔ کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ مرزا صاحب نے کہا کہ پہلے سمجھ لو کہ لفظ ''فتح'' میں کیا بُرائی ہے اور ''اقبال'' میں کیا خوبی ہے۔ اقبال اُردو میں مذکر اور فتح مونث ہے، چنانچہ فتح کا جو مونث ہے، سامنے آنا کب مناسب ہوگا، اس کے سوا اقبال کے خود معنی آگے آنے کے ہیں، لفظ فتح میں یہ بات کہاں۔ پھر فرمایا: اکثر بزرگوار میرے مرثیوں میں الفاظ کی خوبی اور اثر کو نہیں سمجھتے، اپنی سمجھ کے موافق بدل دیتے ہیں۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے مصنف نے یونہی کہا ہوگا۔ اُس کو کیا خبر کے دبیرؔ کے اصلاح دینے والے بے انتہا ہیں۔

ایجادات: ''حیاتِ دبیرؔ'' کے مولف ثابت لکھنوی نے مرزا دبیرؔ کی اُن ایجادات کو بیان کیا ہے جو میر انیسؔ کے کلام میں موجود نہیں۔ ہم اجمالی طور پر یہ ایجادات یہاں بیان کرتے ہیں:

۱۔ مرثیے کو حمد و نعت و منقبت سے شروع کیا، بادشاہ اور مجتہدِ عصر کی بھی مدح فرمائی۔ مثال: مطلع مرثیہ:
''طغرا نویس کن فیکوں ذوالجلال ہے''

۲۔ چہاردہ (۱۴) معصومینؑ علیہم السلام کے حال میں علیحدہ علیحدہ مرثیے کہے، چنانچہ ''دفترِ ماتم'' کی چودہ جلدوں میں یہ ترتیب ہے کہ ہر جلد ایک معصوم کے حال کے مرثیے سے شروع ہوتی ہے۔

حکایت: مرزا اوجؔ کہتے ہیں جب نواب نادر مرزا صاحب فیض آبادی نے مرزا صاحب کو بلوایا تو اُن سے خواہش کی کہ چودہ معصومینؑ کے حال میں مختصر مرثیے لکھ دیں تا کہ وہ ہر معصوم کی وفات کے دن مجلس میں پڑھ سکیں، چنانچہ جب مرزا صاحب پالکی میں واپس شہر لکھنؤ آئے تو راستے میں تمام مرثیوں کو کہہ کر اُن لوگوں کے ہاتھ، جو مرزا صاحب کو لکھنؤ لائے، دے دیے کہ نواب صاحب کو دے دیں۔ یہ مرثیے مختصر مرثیے ہیں۔ مرزا دبیرؔ کا خیال تھا کہ ہر معصوم کے حال میں ایک ایک طولانی مرثیہ کہیں گے، چنانچہ امام موسیٰؑ کاظم کے حال میں ان کا ایک طولانی مرثیہ موجود ہے۔

۳۔ حالِ ولادتِ حضرت عباسؑ:۔ ''انجیلِ مسیحِ لبِ شبیرؑ ہیں عباسؑ'' ——اور حالِ ولادتِ حضرت علی اکبرؑ:۔ ''جب رونقِ مرقعِ کون و مکاں ہوئی'' لکھا۔

۴۔ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی شادی کا حال اس مرثیے میں نظم کیا:

ع: ''جب فاطمہؑ سے عقدِ شہِ لافتیٰ ہوا'' یہی نہیں بلکہ عقدِ حضرت علیؑ، جو حمیدہ ام البنین سے ہوا، اس کا ذکر مرثیہ ع: انجیلِ مسیحِ لبِ شبیرؑ ہے'' ''عباسؑ'' میں کیا ہے۔ اسی طرح حضرت عباسؑ کی شادی کا حال:۔ ''جب اخترِ یعقوب پہ کی مہر خدا نے'' میں ذکر کیا ہے۔

۵۔ مرزا دبیرؔ کے زمانے میں ترکوں نے کربلائے معلّیٰ میں قتلِ عام کیا تھا جس میں بائیس (۲۲) ہزار شیعہ قتل ہوئے۔ اس قتل و غارت کو مرزاؔ صاحب نے کئی رباعیات میں نظم کیا اور تفصیل سے اس مرثیے میں نظم کیا جس کا مطلع ہے: ع: ''اے قہرِ خدا! رومیوں کو زیر و زبر کر''

۶۔ حالاتِ تاریخی پر مرثیہ لکھا: ع: ''فہرست یہ شبیرؑ کے لشکر کی رقم ہے''

۷۔ مرثیے میں مناظراتی پہلو۔ مرزاؔ صاحب کے دور میں ایک شخص نے شدّت سے تعزیہ داری کی مخالفت کی تھی تو مرزاؔ صاحب نے اس کا جواب اس مرثیے میں لکھا! ع: ''اے شمعِ قلم انجمن افروز رقم ہو''

۸۔ مرثیوں میں طرزِ بیان کے جدید نکات، جیسے شام کے زندان میں حضرت سکینہؑ کو سُلانے کے لیے حضرت زینبؑ کا کہانی کہنا، جو امام حسینؑ کی کہانی تھی: ع: ''جب کہ زنداں میں نبیؐ زادیوں کو رات ہوئی''

۹۔ مرثیوں میں بہت سی معتبر روایتوں کو نظم کیا جیسے: ع: ''جب ان میں بعد فتحِ عدو ایک شب رہے'' ——

میں نصرانی تاجرہ کا واقعہ وغیرہ ہے۔

۱۰۔ مرثیے میں قاتلانِ حسینؑ سے انتقام، حالِ حضرتِ مختارؒ: ع: ''جب تیغ انتقام برہنہ خدا نے کی''

۱۱۔ مرثیے میں حُر کا سراپا لکھا: ع: ''اب تک کسی نے حر کا سراپا نہیں کہا''

اصحابِ حسینؑ: حبیب ابنِ مظاہر، زہیر ابنِ قین، وہب ابن کلبی کے متعلق مراثی لکھا۔

۱۲۔ پانی اور آگ کا مناظرہ۔ ان دونوں عنصروں کے سبب سے جو ظلم اہلِ بیتؑ پر ہوئے۔ ع:

''آتش سے، سبب دشمنیِ آب کا، کیا ہے؟''

۱۳۔ مرزا دبیرؔ سے پہلے اور ان کے ہم عصروں میں بھی عموماً مرثیے چار بحروں: رمل، ہزج، مضارع اور مجتث میں کہے جاتے تھے لیکن مرزا صاحب نے دوسری بحروں میں بھی مزید اور طویل مراثی کہے، جو مقبول ہوئے۔

۱۴۔ مرزا دبیرؔ نے ایک مرثیے میں کئی مطلع لکھنے کو رواج دیا، یعنی ایک مرثیے میں رخصت، لڑائی، شہادت کے موقعے پر کئی مطلع دیتے تھے۔

۱۵۔ ایک مرثیہ: ع: ''آ ہوئے کعبۂ قربانیِ داور ہے حسینؑ'' —— میں تمام احکامِ ذبیحہ نظم کیے۔ اِسی طرح ع: کیا شان روضۂ خلفِ بوترابؑ ہے۔'' میں زیارتِ ناصیۂ مقدسہ کے اکثر فقروں کا مطلب بیان کیا ہے۔

۱۶۔ سلاموں میں طویل قطعہ بند رکھنا بھی مرزا دبیرؔ ہی کی ایجاد ہے، جیسے سلام میں حُر اور ابن سعد کی گفتگو۔ دبیر کے بعد ان کے شاگردوں نے بھی سلاموں میں قطعہ بند رکھے۔

۱۷۔ دبیرؔ نے مرثیوں میں خطباتِ امام حسینؑ نظم کیے۔

۱۸۔ دبیرؔ نے ایک مرثیے میں تمام علمِ بیان اور علم بدیع کی صنعتوں کو جمع کیا جس کا مطلع ہے: ع:

''لعلِ لبِ شبیرؑ گہر بار ہے ان میں''

۱۹۔ دبیرؔ نے باکردار علماء کی مدح و ستایش کے عنصر کا اضافہ کیا۔

۲۰۔ دبیرؔ نے محافل کے لیے بشکلِ مثنوی ''احسن القصص''، ''معراج نامہ'' اور ''فضائل چہاردہ معصومؑ'' نظم کیے۔

۲۱۔ مرزا دبیر کے مرثیوں کے مطلعوں میں ''جب'' ایک سو سے زیادہ اور ''جو'' پچاس سے زیادہ مقامات پر آیا ہے۔ یہ اسلوب دبیر کے گہرے قرآنی مطالعے کا نتیجہ ہے۔ بعض سورتوں اور آیتوں کا آغاز 'اذا' سے ہوا ہے جس کے معنی ''جب'' کے ہیں۔ مرزا دبیر کے مراثی میں آیات و احادیث کے ٹکڑے نظم کیے گئے ہیں۔

ع: ''جب ختم کیا سورۂ والّیل قمر نے'' ع: ''یارو کریم وہ ہے جو وعدہ وفا کرے''

تصانیفِ مرزا دبیر

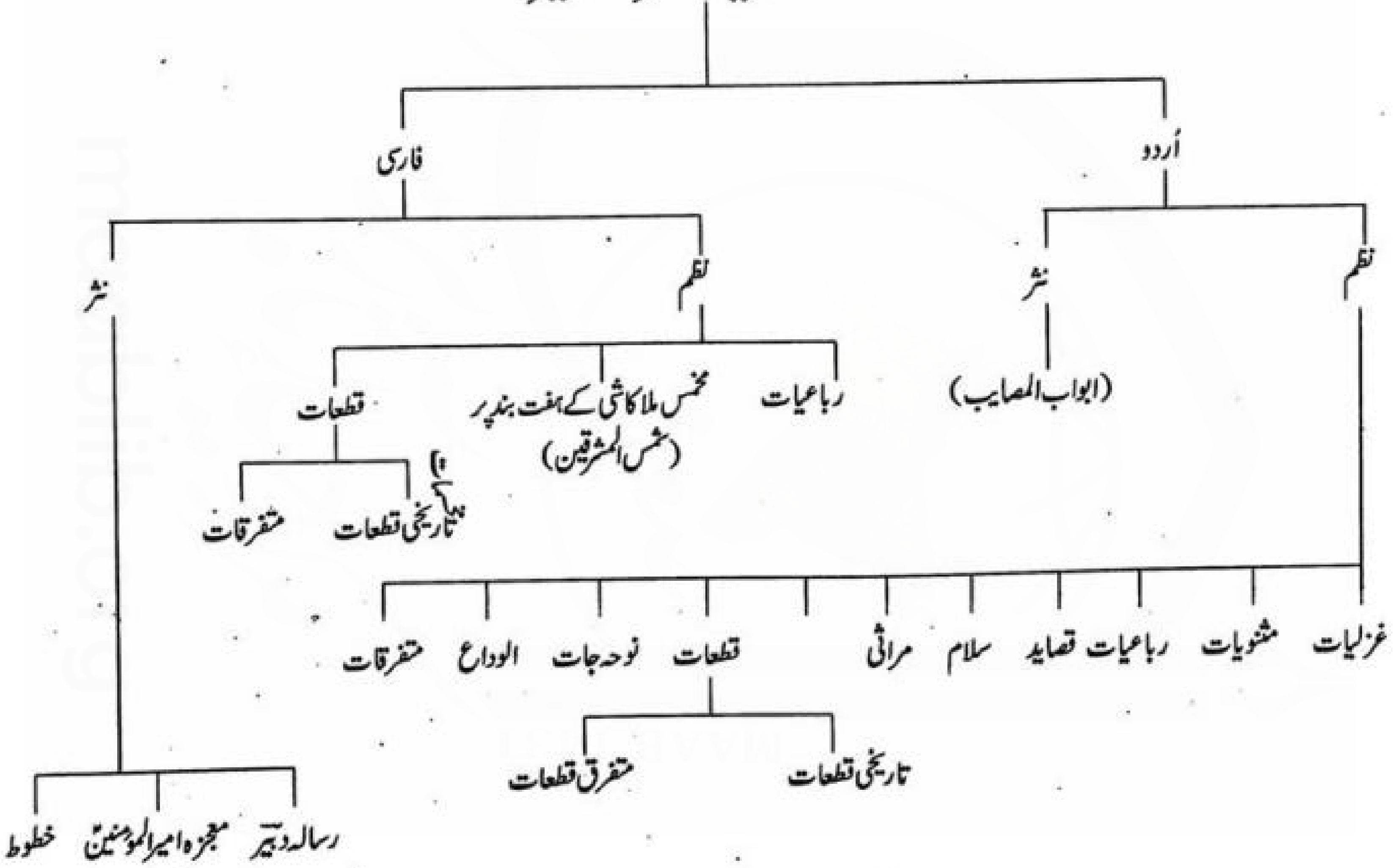

مقامِ دبیرؔ مشاہیرِ سخن وادب کی نظر میں

(۱) مرزا غالب: مرثیہ گوئی مرزا دبیر کا حق ہے، دوسرا اس راہ میں قدم نہیں اٹھا سکتا۔ (صفیرؔ بلگرامی)

یہ حصّہ دبیرؔ کا ہے۔ وہ مرثیہ گوئی میں فوق لے گیا۔ ہم سے آگے نہ چلا گیا۔ ناتمام رہ گیا۔

(امجد علی اشہری)

ہندوستان میں انیسؔ اور دبیرؔ جیسا مرثیہ گو نہ ہوا ہے نہ آیندہ ہوگا۔ (حالیؔ)

(۲) شیخ ناسخؔ: مرزا دبیرؔ کے اس شعر کو سن کر فرمایا: سلامت علی سا طبیعت دار خلّاقِ مضامین نہ ہوا ہے، نہ ہوگا۔

گہوارے میں عیسیٰؑ کو سلاتی ہیں تھپک کے   یاں پنجۂ مریم کہوں پنجے کو پلک کے

(۳) خواجہ آتشؔ: مرزا دبیرؔ کے غیر منقوط مرثیے کو سن کر کہا: کبھی فیضیؔ کی غیر منقوط تفسیر سنی تھی اور اب سلامت علی کا یہ غیر منقوط مرثیہ۔ مرثیہ = ''کوہِ رقیم پر جو علیؑ کا گزر ہوا'' سن کر کہا: ارے میاں! ایسے مضامین کہو گے تو مر جاؤ گے یا خون تھوکو گے۔

(۴) میر انیسؔ: انیسؔ کے دل میں دبیرؔ کی بڑی عزت تھی۔ میر انیسؔ کا بیان ہے کہ والد کے سامنے کوئی شخص صراحۃً یا کنایۃً مرزا دبیرؔ کی تنقیص نہیں کر سکتا تھا، اِسی طرح مرزا دبیرؔ کے یہاں کسی کی مجال نہ تھی کہ میر انیسؔ پر بے جا حملہ کرے۔ دونوں ایک دوسرے کی نسبت فرماتے تھے کہ ایسا صاحبِ کمال شاید پھر پیدا نہ ہو۔ جب کسی سائل نے یہ سمجھ کر کہ میر انیسؔ خوش ہوں گے، مرزا دبیرؔ کی تنقیص کی تو میر انیسؔ نے انھیں دو روپے تھما کر فرمایا: سیّد صاحب! مرزا دبیرؔ نے میرا کیا بگاڑا ہے! وہ آپ کے جدّ کا مرثیہ کہتے ہیں۔ کیا کریں؟ میری خاطر مرثیہ کہنا ترک کر دیں۔ خبردار! اگر دوبارہ مرزا صاحب کی تنقیص میرے سامنے کی۔''

(۵) مجتہد العصر علامہ جائسی: مرزا دبیر کا اعزاز ان کے کمال کے سبب خاندان اجتہاد میں تھا۔ وہ سیّد نقی صاحب قبلہ خلف سیّد العلما کی مجلس میں پڑھا کرتے تھے جس میں تمام مجتہدین اور لکھنؤ کے اہل کمال شریک ہوتے تھے۔ یہ عزّت تمام اعزازوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

(۶) میر ضمیر لکھنوی: ؎ پہلے تو یہ شہرہ تھا ضمیر آیا ہے اب یہ کہتے ہیں استادِ دبیر آیا ہے

(۷) مفتی میر عباس صاحب: میر انیس کا کلام فصیح وشیریں ہے، مرزا صاحب کا کلام دقیق اور نمکین، پس! جب ایک دوسرے کا ذائقہ مختلف ہے تو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

(۸) مرزا رجب علی بیگ سرور مؤلف "فسانۂ عجائب": مرثیہ گو بے نظیر، میاں دلگیر صاف باطن نیک ضمیر خلیق، فصیح، مردِ مسکین، مکروہاتِ زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا۔ اللہ کے کرم سے ناظمِ خوب، دبیرِ مرغوب، بارِ احسان، اہلِ دوَل کا نہ اٹھایا۔

(۹) واجد علی شاہ: ؎ بچپن سے ان کے دامِ سخن میں اسیر ہوں میں کم سنی سے عاشقِ نظمِ دبیر ہوں

(۱۰) میر صفدر حسین مؤلف "شمس الضحیٰ": مرزا دبیر کی شہرت ہندوستان سے نکل کر ایران وعراق تک پہنچ گئی تھی۔

(۱۱) محمد حسین آزاد: دبیر، شوکتِ الفاظ، مضامین کی آمد، اس میں جا بجا غم انگیز اشارے، درد خیز کنائے، المناک اور دل گداز انداز جو مرثیہ کی غرضِ اصلی ہے: ان وصفوں کے بادشاہ تھے۔ دبیر اور انیس: یہ پاک روحیں جن کی بدولت ہماری نظم کو قوت اور زبان کو وسعت حاصل ہوئی، صلہ ان کا سخن آفرین حقیقی عطا کرے، ہمارے شکریے کی کیا بساط۔

(۱۲) شبلی نعمانی: میر انیس و مرزا دبیر کے موازنے میں عموماً میر انیس کی ترجیح ثابت ہوگی لیکن کلیہ میں مستثنیٰ ہوتا ہے۔ بعض موقعوں پر مرزا دبیر صاحب نے حسن بلاغت سے مضمون ادا کیا ہے، میر انیس سے نہیں ہوسکا۔

(۱۳) شاد عظیم آبادی: مجھ سے زیادہ مرزا صاحب کا معترفِ کمال شاید ہی کوئی ہو جس نے اس فن میں ایسا نام پایا ہو اور میر انیس جیسے عجوبۂ روزگار کا جو طرفِ مقابل قرار دے گیا ہو، جس نے لوگوں کو کہہ کہہ کے دفتر دے دیے اور شاعر بنا دیا۔ ان کے کمال کا اعتراف نہ کرنا بڑی جہالت ہے۔ مرزا دبیر کا ایک خاص انداز تھا جس کو وہ خود بڑی آن بان سے نباہ گئے۔ تشبیہ واستعارات، ترکیب ونازک خیالی میں ایک معنی پوشیدہ کا رکھ دینا انھی کا کام تھا۔ وہ نظم کے تمام فنون سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ عروض کی تمام بحریں، ان کے زحافات اس طرح یاد تھے جیسے اہلِ اسلام کو توحید کے مسائل۔

(۱۴) امیر مینائی: میں تمام شعرائے عجم پر دو ایرانی شاعروں کو ترجیح دیتا ہوں: (۱) فردوسی (۲) جامی۔ دبیر اور انیس کو فردوسی و جامی پر بھی ترجیح و تفضیل دیتا ہوں۔

(۱۵) منیر شکوہ آبادی: دبیر سا عالی دماغ، بلند خیال، صاحبِ معلومات، ہر رنگ میں کہنے والا شاعر آج تک نہیں گزرا۔ مرزا دبیر زبان کے بادشاہ اور میر انیس جوہری ہیں۔ دبیر کا تخیل انیس کو نصیب نہیں ہوا اور انیس کی شناخت الفاظ و محل استعمال سے دبیر بے بہرہ تھے، مگر دبیر کے مقابلے میں صرف انیس اور انیس کے مقابلے میں صرف دبیر کو پیش کر سکتے ہیں۔ ہندوستانی کوئی اور شاعر ان دونوں کا پاسنگ بھی نہیں۔

(۱۶) گارساں دتاسی: دبیر کی شہرت ہندوستان سے نکل کر ایران و عراق تک پہنچ گئی تھی۔

(۱۷) نجابت حسین عظیم آبادی: ''الحق کہ شاعر در طلاقتِ بیان و پر گوئی و خوش خوانی نظیرنہ دارد۔''

(۱۸) سید امداد امام اثر: مرزا دبیر نے شاعری کا رتبہ ایسا بلند کر دیا کہ اور زبانوں کی شاعری اُسے دیدۂ حیراں سے نگراں ہے۔ دبیر کی سخاوت اور ایثار شہرۂ آفاق ہے۔ علم و فضل کے ساتھ توفیق عبادت خدا نے عطا فرمائی تھی۔ رفتار و گفتار میں یکتائے وقت تھے۔

(۱۹) مدیر ''اُودھ اخبار'': دبیر فنِ مرثیہ گوئی میں لاجواب تھے۔ تمام ہندوستان میں آفتاب تھے۔ عابد شب زندہ دار تھے۔ افصح الفصحا، ابلغ البلغا، سحبانِ زماں، طوطیِ ہندوستان، شاعرِ بے نظیر جناب مرزا دبیر پر مرثیہ گوئی کا خاتمہ ہو گیا۔

(۲۰) نواب حامد علی بیرسٹرایٹ لاء: میر، غالب، دبیر، انیس جسم شاعری کے عناصر اربع ہیں۔ اگر اُردو میں بلینک ورس کا رواج ہوتا تو سب سے زیادہ دو شاعر کامیاب ہوتے: (۱) غالب (۲) دبیر، اور دبیر غالباً غالب سے زیادہ کامیاب ہوتے۔

(۲۱) انسائیکلو پیڈیا برٹانکا: میر انیس نبیرۂ میر حسن اور ان کے ہم عصر مرزا دبیر مرثیہ گوئی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

(۲۲) امجد علی اشہری: ع: گر انیس کو فردوسیِ سخن پایا دبیر مثلِ نظامی ہوئے مرصّع نگار

(۲۳) مولوی عبدالحی فرنگی محل: دبیر و انیس ایسے کامل شاعر ہندوستان میں تو کیا، عرب و عجم میں بھی نہیں نکل سکتے۔

(۲۴) اسیر لکھنوی: انیس اور دبیر: دونوں استاد ہیں اور میں ایک کو دوسرے پر علانیہ ترجیح نہیں دے سکتا۔

(۲۵) نظیر الحسن چودھری: مرزا صاحب نے مضمون آفرینی اور موشگافیوں کا جو رنگ اختیار کیا، یہ طرز بجائے خود ایسا دقیق اور سنگلاخ تھا کہ اس کو ایسی خوبی کے ساتھ طے کر جانا انھیں کے زورِ قلم کا کام تھا، یہی وجہ ہے کہ وہی اس طرز کے موجد ہوئے، انھیں کے دم سے اس نے نشو و نما پایا اور انھیں کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو گیا: ع:

"خلعتی بود کہ برقامت او دوختہ شد"

(۲۶) پروفیسر سیّد مسعود حسن ادیب: مرزا دبیرؔ اعلی اللہ مقالہ کا پایۂ شاعری معرضِ اختلاف میں رہا کیا ہے مگر ان کے علم وفضل، ذہن وذکا، زہد واتقا، مذہبیت اور مومنیّت کا کسی کو انکار نہیں۔

(۲۷) خبیر لکھنوی: انیسؔ اور دبیرؔ بہرکیف ایسے ہوئے کہ آج دنیا ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتی ہے مگر چل نہیں پاتی:

اک آسمانِ مدح کے دو آفتاب تھے
ان کا جواب وہ تھے، وہ ان کا جواب تھے

(۲۸) رشید احمد صدیقی: "انیسؔ اور دبیرؔ وہ لوگ ہیں جو مرثیہ ہی نہیں کہتے، جو کچھ کہتے، خدائے سخن کہلاتے۔"

(۲۹) مہذب لکھنوی: حقیقت یہ ہے کہ دبیرؔ کا اصل میدان مشکل پسندی ہے۔ صنائع بدائع کی حشر سامانی کے ساتھ ساتھ ان کے خیال کا تلاطم جب انگڑائیاں لیتا ہوا تراکیب اور لفظیات کی پیچیدہ چٹانوں سے ٹکراتا ہے تو قوتِ متخیلہ کی شوریدہ سری تھمنے کا نام نہیں لیتی۔ یہاں ہم یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہیں کہ مرزا صاحب مغفور نے طبیعت کو خود اس طرزِ نظم پر مجبور کر کے آمادہ کیا۔

(۳۰) ثابت لکھنوی: سوزخوانوں کا یہ مقولہ اور عقیدہ ہے کہ جس مجلس کو درہم برہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ رنگ نہ ہوگا، اس میں ہم مرزا دبیرؔ کا مرثیہ پڑھتے ہیں، وہی رنگ دیتا ہے، دوسرے کا مرثیہ رنگ نہیں دیتا۔ مرزا صاحب نے اوّل اوّل مرثیوں میں بین عمدہ کہہ کر نام پیدا کیا اور محاورہ بندی کا خیال رکھ کر سلیس اُردو میں سیدھے سادے مرثیے کہے، پھر جو لکھنؤ میں باریکیاں اور صنعتیں بڑھتی گئیں، وہ بھی ہر رنگ میں مرثیے کہتے گئے، ادھر قدرتی شاعری پر علم کی صیقل ہوتی گئی، یہی وجہ ہے کہ ہر رنگ میں ان کا کلام نظر آتا ہے اور اس کثرت سے ہر رنگ میں کہا ہے کہ دریا بہا دیے ہیں۔

(۳۱) آغا شاعر قزلباش: مرزا دبیرؔ ایک بحرِ ناپیدا کنار ہیں جن کو شیر کی طرح اپنی طاقت کی مطلق خبر نہیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں، بڑھتے چلے جاتے ہیں، اپنی قادر الکلامی سے لفظوں کو مطیع بناتے چلے جاتے ہیں۔

(۳۲) مسٹر ہیرالال شیداؔ: میں اہلِ ادب سے معافی مانگ کر عرض کروں گا: مرزا دبیرؔ کے ساتھ بڑی ناانصافی اور بے اعتنائی سے لوگوں نے کام لینا شروع کیا ہے۔ مرزا غالبؔ کے مختصر دیوان میں سب شعر ایسے نہیں ہیں جن کو عوام سمجھ سکیں، پھر بھی ان کو قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اسی طرح اگر مرزا دبیرؔ کا کچھ کلام دقیق ہے تو ان کو مجرم کیوں قرار دیا جائے، اپنا مبلغِ علم بڑھاؤ۔

(۳۳) ڈاکٹر اعجاز حسین: مرزا صاحب کے مراثی کی گریہ خیزی کا بڑا سبب یہ ہے کہ وہ نفسیات کے بڑے ماہر تھے۔

(۳۴) فراق گورکھ پوری: دبیر کا ذخیرۂ کلام اتنا بڑا ہے کہ عام پڑھنے والے اس بحرِ زخار کی پیراکی نہیں کر سکتے۔

(۳۵) مولوی قاضی عبدالودود: انیس اور دبیر نے اُردو میں سب سے زیادہ شعر کہے ہیں۔

(۳۶) عابد علی عابد: دبیر، انیس سے بہتر بین لکھتا ہے اور اس سلسلے میں بلاغت کا حق ادا کر دیتا ہے۔

(۳۷) مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی: مرزا دبیر کے اشعار میں تمکنت، وقار، وزن اور بھاری بھرکم پن ہے۔ وہ سودا، ناسخ، ذوق کے ہم نوا ہیں۔ انھوں نے مرثیے کو قصیدے کی قبا پہنائی اور عربی نقد و نظر کے مطابق مرثیے کو ممدوح کے شایانِ شان بنانے کی طرف توجہ کی۔ آخر ان کی کوشش سے مرثیہ، قصیدے کے برابر پھر محنت و کاوش سے، بلندی تک پہنچا۔ صاحبانِ نظر جانتے ہیں کہ مرزا دبیر کا یہ کارنامہ تاریخ ادب میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ انھوں نے زبان و اسلوب کے اعتبار سے مرثیے کو زیادہ جامع، زیادہ معنی خیز بنا دیا، زبان کو قوت اور لہجہ دیا، عقیدت کی نگاہ کو فن کی نظر بخشی، فارسی اور عربی کے الفاظ و تعبیرات کا تجربہ کیا، مرثیے کو مجلس میں پڑھنے سننے کے علاوہ، مدرسوں میں مطالعہ و درس اور ایوان ادب میں موضوعِ نقد و نظر بنا دیا۔ اب اگر سودا کا قصیدہ اور غالب کی غزل شرح طلب اور قابلِ مطالعہ ہے تو دبیر کا مرثیہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

(۳۸) نسیم امروہوی: مرزا دبیر کا کلام، معانی و بیان کی مقرر کردہ کسوٹی کے اعتبار سے اس بلند تر مقام پر فائز ہے جسے معراج سخن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، جس سے انکار یا احتراز، مذہبِ شاعرانہ میں کفر کے مترادف ہے۔

(۳۹) ڈاکٹر محمد احسن فاروقی: اگر میں کہوں کہ جدید دور کے شاعروں کے لیے، جو شاعری کو اپنے دور کی سچی ترجمانی بنانا چاہتے ہیں، مرزا دبیر کی شاعری، اور اقسام کی شاعری سے زیادہ مشکل راہ ہو سکتی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اسے جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں، وہ مرزا دبیر کے مطالعے سے حل ہو سکتی ہیں۔ بیسوی صدی مرزا دبیر کو اہم استاد منوانے کی طرف رجوع ہے۔ ہمارا ان کو سب سے بڑا خراجِ عقیدت یہ ہوگا کہ ہم ان کے ادراک کی اہمیت کا اعتراف کر لیں۔ یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کریں کہ اوّل درجے کے شاعر کی طرح ان کا بھی ایک منفرد اور مخصوص ادراک ہے۔ دورِ رواں کو اس کی اشد ضرورت ہے اور شاعروں کی شعوری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اپنا اہم ترین وقت مرزا دبیر کے مطالعے کو دیں اور اس سے ہدایت حاصل کر کے اُردو شاعری، جو پستی میں گر گئی ہے، اسے ایک نئی زندگی بخشیں۔

(۴۰) پروفیسر گوپی چند نارنگ: شاعری کی اہمیت صرف اس بات کی نہیں کہ شاعر، موضوع پر کتنا حاوی ہے بلکہ اس بات کی بھی

ہے کہ خود موضوع، شاعر پر کتنا حاوی ہے۔ یہ نہایت دلچسپ اور نا قابلِ تردید حقیقت سامنے آتی ہے کہ پابند قوافی والے بندوں کے استعمال پر دبیرؔ کو وہ قدرت نہیں یا ان کی طبیعت کو پابند قوافی والے بندوں سے وہ نسبت نہیں، جو انیسؔ کو ہے، نیز تبدیلی اصوات کے مخصوص زیر و بم اور صوتی جھنکار سے جو جمالیاتی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ اسی اعتبار سے دبیر کے یہاں کم ہے۔ دبیرؔ کے یہاں کیفیت اگرچہ موجود ہے لیکن اس ہمہ گیری اور اعلیٰ پیمانے پر نہیں جیسی انیسؔ کے یہاں ہے۔ انیسؔ و دبیر نے مرثیے کو جس اوجِ کمال تک پہنچادیا، اس کی دوسری نظیر دنیاے ادب میں مشکل سے ملے گی۔ ایسا کم ہی ہوا ہے کہ پوری صنف کو دو ہم عصر شعرانے ایسا نمٹا دیا کہ آیندہ آنے والوں کو شدید آزمائش سے دوچار کردیا۔

(۴۱) پروفیسر نیر مسعود: مرزا سلامت علی دبیرؔ اور میر ببر علی انیسؔ اُردو مرثیے کے دوسب سے بڑے نام ہیں۔ ان دونوں باکمالوں کے درمیان زمانی فاصلہ نہ تھا اور وہ ایک وقت میں، ایک ہی شہر میں سخن وری کی داد لے رہے تھے۔ معرکۂ انیسؔ و دبیر کا سب سے دل چسپ پہلو یہ ہے کہ خود انیسؔ و دبیرؔ میں کوئی خاص تصادم نہیں ہوا۔ ان دونوں کا تصادم زیادہ سے زیادہ یہاں تک رہتا تھا کہ ایک دوسرے کے ادا کیے ہوئے مضمون کو بہتر اور موثر تر پیرائے میں ادا کر کے دکھادیں اور اپنے فنی رویّے کا زیادہ شدت سے اظہار کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ذاتی سطح پر دونوں باکمال ایک دوسرے کے مدّاح اور معترف تھے۔

(۴۲) ڈاکٹر فرمان فتح پوری: مرزا صاحب صنف اوّل کے شاعر اور ایک بلند پایہ استادِ فن ہیں۔ ان کا رنگ انیسؔ سے جدا ہے اور ایسی انفرادیت رکھتا ہے جس کی مثال اُردو مرثیے کی تاریخ میں نہیں۔ یہ دونوں دبستان اُردو میں شروع ہی سے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ایک کی نظر صرف زبان کی سادگی اور جذبے کی نرم روی پر رہتی ہے اور دوسرا رنگیں بیانی اور خروش الفاظ پر جان چھڑکتا ہے۔ دونوں کی الگ الگ اہمیت ہے، ایک زمانہ یہ تھا، صنائع سب کچھ تھی اور اب یہ زمانہ ہے، سادگی سب کچھ ہے۔

(۴۳) پروفیسر اکبر حیدری: مرزا دبیرؔ اُردو کے ایک عظیم، مستند اور مسلم الثبوت استاد شاعر ہیں۔ دبیرؔ شوکت الفاظ کے پروں میں اڑتے تھے اور انیسؔ صفائی کے دریا بہاتے تھے۔ معاصرین، دبیرؔ کے رنگ کو پسند کرتے تھے اور دل سے ان کی دادِ سخن دیتے تھے، ان میں مرزا رجب علی بیگ سرورؔ، مرزا غالبؔ، سیّد احمد حسین فرقاؔنی، نجاتؔ عظیم آبادی اور سلطانِ عالم واجد علی شاہ قابلِ ذکر ہیں۔ جب تک اُردو زبان اور اُردو مرثیہ گوئی دنیا میں قائم رہے گی، دبیرؔ کا نام میر انیسؔ کے دوش بدوش لیا جائے گا۔

(۴۴) پروفیسر صفی حیدر: دبیر نے مرثیے کے فکری معیار کو بلند کیا۔ ان کے مرثیے کا اندازہ ان کی جدت پسندی، خلاقی و معنی آفرینی، پُرشکوہ طرزِ سخن، عالمانہ زبان، علم بیان اور بدیع کے ماہرانہ استعمال سے کیا جا سکتا ہے۔ جنھوں نے مل کر ان کے فن کی تشکیل کی ہے۔ اُردو مرثیہ اگر صرف میر کے اسلوب کی نمایندگی کرتا تو اس میں کلاسیکی تکمیل نہ ملتی۔ مرزا دبیر نے سودا اور غالب کے پُر عظمت اسلوب سے اُردو مرثیے میں ہماری شاعری کا صرف ایک رخ سامنے آتا۔ دبیر نے اس کمی کو جو خوش اسلوبی سے پورا کیا، وہ یقیناً ایک ادبی کارنامہ ہے۔

(۴۵) ڈاکٹر اسد اریب: مرزا سلامت علی دبیر تفصیل نگاری اور توضیحی شاعری کے باکمال استاد ہیں۔ انھوں نے اُردو کے شعری سانچے میں پہلی بار یہ ترمیم کی۔ اُردو میں وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے شعر کو تفصیلِ معانی اور توضیحِ خیال کے لیے بالکل نثر کی طرح لکھا۔ شعر کی اس نثری ساخت میں شعر سے تخیل اور تخیل کی رنگینی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

(۴۶) ڈاکٹر محمد زماں آزردہ: بعضوں کا خیال ہے کہ دبیر نے مشکل زبان، پُرشکوہ الفاظ، فارسی اور عربی لغات سے کام لے کر کلام کو ادق بنا دیا ہے۔ ان کے معترض اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ زبان اور ماحول ایک دوسرے سے اتنا قریبی تعلق رکھتے ہیں کہ کسی ایک کو سمجھے بغیر دوسرے کے بارے میں رائے دینا مناسب نہیں ہو سکتا۔ مرزا دبیر عالم متبحر تھے۔ اگر ایک طرف ان کی نظر تاریخ احادیث و روایات پر تھی تو دوسری طرف فارسی شعر و ادب سے کماحقہٗ واقف تھے، اساتذۂ فارسی کے دواوین کا غور سے مطالعہ کیا تھا۔ وہ بھی اس بات کے لیے کوشاں تھے کہ اُردو شاعری خصوصاً اُردو مرثیہ اپنے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کرے، جو فارسی شاعری کا خاصہ ہیں۔

(۴۷) ڈاکٹر گیان چند: دبیر کی نامقبولیت کی اصلی وجہ ان کا کلام نہیں، ایک علامہ کا جانب دارانہ فیصلہ ہے جسے سہل انگاری کے سبب قبول کر لیا گیا ہے۔ اسی دبیر کا، جس کا کلام بقولِ شبلی: فصاحت چھو بھی نہیں گئی، بلاغت نام کو نہیں، میں غیر مسلم ہونے کے باوجود ان بندوں کو نقل کرتا ہوں تو ایک خاموش رقت طاری ہوتی ہے، آخر صاحبِ اولاد ہوں۔ قدر دانانِ دبیر کو چاہیے کہ صحیح انتخاب کے ذریعے دبیر کو ان کا جائز مقام دلائیں۔

(۴۸) عبد القوی دسنوی: اسے اُردو ادب کا بڑا سانحہ کہیے کہ مرزا سلامت علی دبیر بحیثیتِ انسان اور بحیثیتِ مرثیہ نگار جس مرتبے کے مستحق تھے، ہم اُردو والے وہ مرتبہ دلانے میں ناکام رہے ہیں بلکہ انھیں متعارف کرانے سے بھی گریز کرتے رہے ہیں۔ دراصل ہمارا یہ عمل اُردو ادب کو عظیم ادبی سرمایے سے محروم رکھنے کی سعی کے

مترادف ہے۔

(۴۹) جناب کاظم علی خان: میں یہ نہیں کہتا کہ دبیرؔ، انیسؔ سے بہتر شاعر تھے، میرا مقصد تو یہ ہے کہ انیسؔ و دبیرؔ کی نوک جھونک کو اب بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ موجودہ حالات کے پیشِ نظر بند کر دینا چاہیے۔ اس دور میں صحت مند اور سائنٹیفک تنقید کی روشنی میں ان دونوں حضرات کے کلام کو پرکھ کر بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ انیسؔ و دبیرؔ: دونوں ہی فنِ مرثیہ گوئی میں امامِ فن کی حیثیت رکھتے تھے، دونوں ہی مرثیے کے میدان میں صاحبِ کمال شاعر تھے اور دونوں ہی نے اُردو مرثیے کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا۔ ہمارے اس قول کی تائید میں مولانا محمد حسین آزادؔ کی یہ عبارت پیش کی جا سکتی ہے: ''دونوں باکمالوں نے ثابت کر دیا کہ حقیقی اور تحقیقی شاعر ہم ہیں۔ ہر رنگ کے مضمون، ہر قسم کے خیال پر ایک حال کا، اپنے الفاظ کے جوڑ بند سے ایسا طلسم باندھ دیتے ہیں کہ چاہیں رُلا دیں، چاہے ہنسا دیں، چاہیں تو حیرت کی صورت بنا کر بٹھا دیں۔''

(۵۰) ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی: اُردو کو فارسی کا ہم پلّہ ثابت کرنے کا کارنامہ دبیرؔ ہی نے انجام دیا۔ انھوں نے مدح میں خاقانیؔ اور انوریؔ سے ٹکر لی، مبالغے میں ظہیر فاریابی کا پہلو دبایا، شکوہِ الفاظ و طنطنۂ بیان میں فردوسیؔ کے کمال کا مظاہرہ کیا، اخلاق و موعظت میں سعدیؔ و رومیؔ کی سنت کی تجدید کی دقت پسندی و مضمون آفرینی میں صائبؔ، بیدلؔ کا مقابلہ کیا اور ان تمام میدانوں میں اپنی پروازِ فکر کے جوہر دکھائے جو اب تک ایرانی سخن آفرینوں کی جولاں گاہ تصور کیے جاتے تھے۔ مرزا صاحب کی مضمون آفرینیوں، صناعیوں اور ژرف نگاریوں نے ہمیں پہلی مرتبہ وہ سرمایۂ شعر و ادب عطا کیا جسے ہم سخن آفرینانِ فارس کے مقابلے میں فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔

۵۱) ڈاکٹر ہلالؔ نقوی: مرزا دبیر کے رنگِ سخن میں قوتِ متخیّلہ کا شکوہ بھی ہے، خیال آفرینی کا جوہر بھی، استعارات و تشبیہات میں ندرت، تراکیب میں جدّت اور مبالغ میں شدّت بھی، صنائع و بدائع کی کثرت بھی ہے اور مصائب کو تفصیل سے بیان کرنے کا رجحان بھی۔ اپنے متقدمین مرثیہ گو شعرا کے مقابلے میں ان کا یہی طرزِ جدید ہے جس میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ دبیر کے فنِ مرثیہ گوئی کا کلیدی پہلو ان کا جذبۂ ایجاد و اختراع ہے۔ ایجادات و اختراعات کی یہ رَو اُن کے تقریباً ہر مرثیے میں نظر آتی ہے۔ ع: ''مضمون نئے کرتا ہوں ایجاد ہمیشہ''

۵۲) شجاعت علی سندیلوی: یہ امر مسلّمہ ہے کہ مرزا دبیرؔ اپنے فن کے استاد تھے اور انیسؔ سے اُن کا راستہ جدا تھا۔ میر انیسؔ کی طرح ان کے کلام کو مقبولیت اور شہرت نصیب نہیں ہوئی لیکن اس سے اُن کے کمال پر کسی قسم کا حرف نہیں آ

سکتا۔ ایسا پُر گو اور عالی مرتبت شاعر دنیائے اُردو میں کوئی دوسرا نہیں۔ عروسِ سخن کے سنوارنے میں مرزا دبیر نے کچھ کم عرق ریزی نہیں کی ہے۔

(۵۳) پروفیسر جعفر رضا: اُردو مرثیے کا دور عروج میر انیس و مرزا دبیر کی سرکردگی میں تخلیقی و فنی قوتوں کا سرچشمہ بنا۔ میر انیس نے اپنے اخلاقی مضامین سے شعر کی زمین کو آسمان کر دیا۔ نظم کو درِ شہوار کی لڑیاں بنا دیا، اپنے عمیق تجربات و مشاہدات کے ذریعے فکر و احساس کا حسین تاج محل تعمیر کیا۔ دوسری طرف مرزا دبیر نے مضمون آفرینی تکلف نفاست اور خارجی بیانات پر زور دیا۔ ایک ایک منظر یا واقعے کے بیان میں طرح طرح کی تشبیہوں، استعاروں اور صنائع بدائع سے جودت طبع کے جوہر کھول دیے۔ ان کے معتقدین دو الگ الگ گروہوں میں تقسیم تھے جو ایک دوسرے سے کشمکش اور چشمکیں کرتے رہتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے اپنی برتری کا اعلان کرتے رہتے اور بقولِ محمد حسین آزاد: منصفی بیچ میں آ کر کہتی تھی، دونوں اچھے، کبھی کہتی: وہ آفتاب ہیں، یہ ماہ اور کبھی: یہ آفتاب اور وہ ماہ۔

(۵۴) ضمیر اختر نقوی: م : بیر نے اُردو مرثیے کے لیے بہت بڑا کام سرانجام دیا ہے جو اُن حالات اور مقدرت کے ساتھ، جس کے وہ حامل تھے، دوسرا کوئی انجام نہیں دے سکتا تھا۔ مرزا دبیر بہت بڑے شاعر اور نہایت اعلیٰ فن کار ہیں۔ اگر مرزا دبیر نہ ہوتے تو شاید اُردو مرثیہ ان بلندیوں پر نہ پہنچ پاتا جس پر آج وہ پہنچا ہے۔ یہ دونوں شاعروں کے شایانِ شان نہیں کہ ایک دوسرے کا موازنہ اس ارادے سے کیا جائے کہ ایک کی فوقیت جتا کر دوسرے کے کلام میں خامیاں نکالی جائیں۔

(۵۵) عظیم امروہوی: دبیر نام ہے مرثیہ کی دنیا کے مینارۂ نور کا۔ دبیر نام ہے مرثیے کے اس سمندر کا جس میں غواصی کے بعد کوئی بھی خالی ہاتھ نہیں آیا۔ دبیر نام ہے مرثیے کے اس دریا کا جو مرثیہ نگاروں کو ذہنی طور پر ہمیشہ سیراب کرتا رہے گا۔ دبیر نام ہے مرثیے کے اس ابدی چراغ کا جس سے سیکڑوں چراغ روشن ہو چکے ہیں اور آیندہ ہوتے رہیں گے۔

(۵۶) ڈاکٹر سید کاظم حسین کاظمی: مرزا دبیر نے شاعری کی جملہ خوبیوں کو مرثیے کے کینوس میں فٹ کرنے کے لیے اعلیٰ و ارفع اقدام کیے ہیں اور نقادانِ شعر و ادب سے اپنے فکر و فن کی جامعیت، علم کی وسعت اور شاعرانہ مہارت کا اعتراف کرایا ہے۔ دبیر نے جو مرثیہ نگاری میں کمال پیدا کیا، اپنی علمی صلاحیت اور جدتِ طبع کے سبب کیا ہے۔

مرزا دبیؔر یکتائے فن زماں

ف ١: مرزا دبیر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے اُردو شعرا میں سب سے زیادہ شعر کہے۔ دبیؔر کے مطبوعہ اشعار کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار (١،٢٠،٠٠٠) سے زیادہ ہے۔

ف ٢: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے سب سے زیادہ مرثیے لکھے۔ مرزا دبیؔر کے مطبوعہ مرثیوں کی تعداد (٣٩٠) اور غیر قلمی مطبوعہ مرثیوں کی تعداد (٢٨٥)، یعنی کل مرثیوں کی تعداد (٦٧٥) ہے۔

ف ٣: مرزا دبیؔر اُردو کا تنہا شاعر ہے جس نے سب سے زیادہ رباعیاں کہی ہیں۔ مرزا دبیؔر کی رباعیات کی تعداد (١٣٣٣) ہے۔

ف ٤: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے۔ ہم نے نظیؔر اکبر آبادی کی کلیات، جس میں تقریباً ساڑھے آٹھ ہزار اشعار ہیں، کھنگالا تو معلوم ہوا کہ یہ روایتی اور رعایاتی جملہ، کہ نظیر اکبر آبادی نے سب سے زیادہ اُردو کے الفاظ استعمال کیے ہیں، بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔ انیؔس اور دبیر کے مقابل نظیؔر کے الفاظ کی تعداد بہت کم ہے۔ ہم اس موضوع پر گفتگو کو کسی اور مقام پر تفصیل سے بیان کریں گے۔

ف ٥: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے صنعتِ منقوط یا مہملہ میں سب سے زیادہ اشعار کہے۔ انشاؔاللہ خان انشاؔ، جو دبیر کے سگے نانا خسر ہوئے تھے، ان کے غیر منقوط اشعار، دبیؔر سے تعداد میں کم ہیں۔

ف ٦: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس کی آمدنی لاکھوں روپوں تک تجاوز کر گئی تھی اور وہ سب اہلِ حاجت میں تقسیم ہوتی تھی۔

ف ٧: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے علمِ بدیع کی لفظی اور معنوی صنعتوں کو سب سے زیادہ استعمال کیا ہے۔

ف ۸: مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس کے حسب نسب، کسب، مذہب، حیات، فن، شخصیت پر حملے کیے گئے اور بعض حملے دوست، استاد اور شاگردوں کی جانب سے ہوئے۔

ف ۹: مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس کے دوست دبیریے اور مخالف انیسیے شدید تھے۔ اُردو ادب نے ایسی چشمک نہیں دیکھی، اگرچہ خود دبیرؔ اور انیسؔ کے دل ایک دوسرے سے صاف تھے اور ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے۔

ف ۱۰: مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے نثری کتاب "ابواب المصائب" کے علاوہ شاعری کی ہر ہئیت اور صنف، یعنی غزل نظم، قصیدہ، مثنوی، قطعہ، مخمس، مسدس، تاریخ، رباعی، سلام، مرثیہ، شہر آشوب اور تضمین میں شاہ کار چھوڑے ہیں۔

ف ۱۱۔ مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے اپنی وفات کی تاریخ کی دعا مانگی اور وہ مستجاب ہوئی۔ دبیرؔ کا انتقال ۳۰ محرم ۱۲۹۲ ہجری کو ہوا:

جب مصحفِ ہستی مرا برہم کرنا ی پارۂ ایّامِ محرّم کرنا
برباد نہ جائے مری خاک اے گردوں! تیار چراغِ بزمِ ماتم کرنا

صنفِ سلام میں دبیؔر کا کمال

رثائی ادب میں سلام، رباعی اور مثنوی پر بہت کم لکھا گیا ہے، بالخصوص سلام پر تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ جناب علی جواد زیدی نے ''العلم'' جریدے میں ''سلام کے ارتقائی سفر'' پر بہت صحیح لکھا ہے کہ ''مذہبی ادب پر علی العموم اور سلام پر علی الخصوص، تحقیق مفقود ہے۔ میرے لیے صرف ایک راہ رہ جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس خلا کو خود ہی پُر کرنے کی کوشش کروں۔'' صنفی اعتبار سے عربی ادب میں سلام موجود نہیں۔ ایرانی فارسی ادب میں بھی ہمیں، اُردو شاعری میں مروج سلام، نہیں ملتا، اگرچہ شمس العلما سید امداد امام اثرؔ نے ''کاشف الحقائق'' حصۂ دوم، صفحہ ۷۱ پر لکھا: ''عروضی ترکیب کی رو سے غزل، سہرا اور سلام شے واحد ہیں مگر اُن کے مضامین کے تقاضے ایک دوسرے سے علیحدہ انداز رکھتے ہیں۔ فارسی میں سہرا اس واسطے نہیں ہے کہ اُس ملک میں دُلھا یا دُلھن کو سہرا نہیں باندھتے، مگر سلام ہے۔ سلام میں غزل کی طرح اعلیٰ درجے کے مضامین، از قسم وارداتِ قلبیہ و معاملاتِ ذہنیہ، باندھتے ہیں، مگر اُن میں غزلیت کا رنگ پیدا ہونے نہیں دیتے۔'' برصغیر ہند میں قدیم شاعروں نے فارسی میں سلام لکھے ہیں لیکن یہ سلام عموماً عزاداری کی عام فضا سے متاثر ہو کر کہے گئے۔ اُردو شاعری کی تاریخ میں ''سلام'' شروع ہی سے ملتا ہے۔ تاریخِ اُردو ادب کی جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اُردو کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر سلطان محمد قلی قطب شاہ متوفی ۱۰۲۰ھ ہجری کا کلیات آج بھی انڈیا آفس لائبریری لندن میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی سلطان نے سب سے پہلے دکنی زبان میں مرثیہ کہا اور مرثیے کے ساتھ ہی سلام بھی وجود میں آیا، اگرچہ اس دور میں مرثیہ اور سلام کی کوئی خاص ہیئت یا شکل و صورت معیّن نہ تھی۔ مرثیے اور سلام میں زیادہ فرق نہ تھا، البتہ اُس زمانے کے سلاموں میں رثائی موضوعات کے ساتھ ساتھ ضرور، درود و سلام پیش کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ہم یہاں بیجاپوری سلطنت کے مشہور مرثیہ نگار مرزاؔں کے سلام کے چند اشعار پیش کریں گے، جس میں پنجتن پاک کے لیے سلام بھیجا گیا ہے:

اے حسینؑ ابن علیؑ! سلامٌ علیک! شاہِؑ جملہ ولی! سلامٌ علیک!
جدؐ ہے تیرا محمدؐ مرسل سرورؑ انبیا! سلامٌ علیک!
فاطمہؑ ہور علیؑ کے دریا کا توں دُرِّ بے بہا، سلامٌ علیک!
سرورِ دیں حسنؑ کا توں بازو اے دو جگ پیشوا! سلامٌ علیک!
ہے ترے نانوں پر جمِ مرزاںؔ جان و دل سوں فدا، سلامٌ علیک!

سلام اُس زمانے میں قطعہ، مثلث، مربع، مثنوی اور غزل کی ہیئت میں لکھے جاتے رہے اور صرف رثائی موضوعات اور سلام و درود بھیجنا ہی ان کا مقصد تھا۔ یہ سلسلہ رفیع سوداؔ اور تقی میرؔ تک جاری رہا۔ سلام کہنے کی روایت صرف مرثیہ گویوں تک محدود نہیں تھی بلکہ ہر شاعر حصولِ ثواب کی خاطر سلام کہہ لیا کرتے تھے۔ ولیؔ دکنی کہتے ہیں:

اس نورِ مصطفیٰؐ پر بولو سلام، یاراں! محبوبِؑ مرتضیٰ پر بولو سلام! یاراں!
یوں جی، ولیؔ! فدا کر، اس شاہِؑ کربلا پر اس لائقِ ثنا پر بولو سلام! یاراں!

دکنی سلاموں کے بعد میں جو کثیر تعداد میں سلام نظر آتے ہیں وہ زیادہ تر محمد شاہ رنگیلے کے عہد سلطنت کے شاعروں کے ہیں۔ شیخ ہدایتؔ، سیّد عبداللہ مسکینؔ، غمگینؔ، خادمؔ، خانفشاںؔ، علی فضلیؔ، کرم علیؔ، ناجیؔ وغیرہ کے سلام میں نعتیہ، منقبتی اور اعتقادی موضوعات رثائی اور بین کے موضوعات شامل ہونے لگے۔ سوداؔ، میرؔ، ضاحکؔ، افسردہؔ کے ہاتھوں میں پہنچ کر سلام کی ادبی حیثیت سنورتی رہی، لیکن موضوعاتی کیفیت میں زیادہ تبدیلی نہ ہوئی۔

ضاحکؔ، سوداؔ، میرؔ اور محبؔ کے کچھ اشعار ہماری اس گفتگو کا ثبوت ہیں:

ضاحکؔ ۔
امامِ سوم کا سیوم، آج ہے
جہاں سب، اسی غم سے تاراج ہے

سوداؔ ۔
میں بھیجتا ہوں تجھے، فاطمہؑ کے لال! سلام
علیؑ کے باغ کے اے سروِ نونہال! سلام
ادب سے بھیجے ہے تُجھ پر، ترا غلام، سلام
قبول ہو تری خدمت میں، یا امامؑ! سلام

میرؔ۔
ساقیِ کوثر کے پیارے! السّلام!
تشنہ لب سیّد ہمارے! السّلام!
اے بدخشانِ نبیؐ کے لعلِ احمر! السّلام!
وے گلستانِ علیؑ کے لالۂ تر! السّلام!

محبؔ۔
جو دیکھوں روضۂ حضرت رسولؐ، آنکھوں سے
چڑھاؤں اشک کے قطروں کے پھول، آنکھوں سے
ہر اک محبؔ کو، بلا شبہ حج اکبر ہے
کرے زیارتِ سرورؑ حصول، آنکھوں سے

اسی زمانے میں سلام کے مطلعے میں سلام، سلامی، مجرئی، مجرائی، مجرا جیسے الفاظ استعمال کیے جانے لگے اور سلام ایک جدا صنف بن کر ابھرنے لگی لیکن ابھی پوری طریقے پر سلام کی ہیئت کا تعین نہ ہو سکا، آگے چل کر ضمیرؔ، خلیقؔ، دلگیرؔ اور فصیحؔ کے دور میں سلام، غزل کی ہیئت میں کہا جانے لگا۔ اب سلام رثائی ادب ہی نہیں بلکہ اُردو ادب کی ایک مقبول صنف بن چکا تھا۔ دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ اس صنف کی نوک و پلک سنوارنے لگے اور سلام ساخت کے اعتبار سے ''غزل طور'' بننے لگا، یعنی سلام میں غزل کی طرح مطلع اور مقطع ہونے لگا۔ سلام کے تمام اشعار مقفّی ہونے لگے۔ سلام کا ہر شعر ایک نئے مضمون کا نقیب بن گیا اور سلاموں میں قطعہ بند اور غزلِ مسلسل کی طرح مضمون کا تسلسل بھی ملنے لگا۔ یہ وہ دور تھا جب شفیق باپ میر مستحسن خلیقؔ نے اپنے ہونہار بیٹے ببر علی انیسؔ سے کہا: ''اب غزل کو سلام کرو اور اس شغل میں زورِ طبع صرف کرو، جو دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔'' انیسؔ نے فرماں برداری کر کے پہلے تو غزل کو سلام کہا، یعنی غزل سے ہاتھ اٹھا لیا اور پھر سلام کو تغزلانہ رنگ سے سنوار کر حریف اور رشکِ غزل بنا دیا۔ دوسری طرف میر ضمیرؔ نے نعرہ بلند کیا ع: ''جو بھی کہے اس طرز میں، شاگرد ہے میرا''

شاگردِ رشید مرزا دبیرؔ نے استاد ضمیرؔ کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر سلام میں ظاہری اور معنوی تبدیلیاں لائے۔ ظاہری تبدیلی یہ تھی کہ اب ''السّلام'' یا ''سلامٌ علیک'' کی ردیف کی، شعر میں ضرورت نہ رہی بلکہ صرف مطلعے میں سلام، السّلام، سلامی، مجرا، مجرائی، مجرئی جیسے الفاظ لائے گئے، چناں چہ دبیرؔ کے تمام (۱۳۱) سلاموں میں اوپر بیان کیے گئے لفظوں میں سے کوئی نہ کوئی لفظ ضرور استعمال ہوا ہے۔ دوسری معنوی تبدیلی یہ ہوئی کہ رثائی بیانات کے ساتھ ساتھ شہدائے کربلا کے اعلیٰ کردار کی پرچھائیاں، اخلاقی، اصلاحی اور حکیمانہ باتیں بھی سلام کا جزو بن گئیں، میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے دور میں جہاں مرثیہ

نگاری نے موضوعاتی لحاظ سے چہرہ اور سراپا میں قصیدہ، رزم و بزم اور بین نے مثنوی کو مسدّس کی ہیئت میں اپنے اندر سمولیا، تو سلام نے غزل کی جانشینی حاصل کر لی۔ امجد اشہری نے صحیح کہا ہے کہ میر انیسؔ کے بعض سلاموں کے اشعار اگر علیحدہ کر دیے جائیں تو اُن سے غزلیں بن سکتی ہیں۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے سلاموں کے یہ اشعار، کیا غزل کے شعر نہیں معلوم ہوتے؟

میر انیسؔ: ؎

زرد ہے چہرہ، نحیف و زار ہوں — اے مسیحائے زماں! بیمار ہوں
بلبلیں، دم بھر، جدا ہوتی نہیں — کس گُلِ تر کے گلے کا ہار ہوں
عالمِ پیری میں، آئے کون پاس — اے عصا! گرتی ہوئی دیوار ہوں
سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں، اے انیسؔ! — آنکھ میں دشمن کی، اب تک خار ہوں

مرزا دبیرؔ: ؎

مثالِ دانہ، پِستا ہوں شب و روز — فلک کی آسیا ہے اور میں ہوں
لبِ شیریں مخاطب ہے خضر سے — لطیف آبِ بقا ہے اور میں ہوں
میسّر آپ کو وصلِ عزیزاں — فراقِ اقربا ہے اور میں ہوں
دعا بھی، مال و دولت کی نہ مانگوں — ہمیشہ یہ دعا ہے اور میں ہوں
تمنّا دولت و حشمت کی بے جا — دبیرؔ! آخر فنا ہے اور میں ہوں

جہاں تک دبیرؔ کے سلاموں کا تعلّق ہے، حامیوں اور حریفوں نے ستم ظریفی کی ہے۔ دبیرؔ کے سلاموں کی صحیح تعداد اُن کے مرنے کے ۱۲۵ سال بعد تک متعیّن نہ ہو سکی۔ دوستوں نے لاعلمی اور دشمنوں نے قلمی تیغ سے زخم پہنچائے۔ ''موازنہ انیسؔ و دبیرؔ'' کے فاتح ''المیزان'' کے مصنف مرحوم سیّد نظیر الحسن صاحب فوقؔ نے دبیرؔ کے سلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ایسا بیان لکھ دیا جو کسی بھی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں۔ اوّلاً فوقؔ صاحب نے دبیرؔ کی تین جلدوں سے صرف بارہ (۱۲) ضعیف رثائی سلام انتخاب کیے اور کل ۱۱۰ اشعار پیش کیے کل سلاموں کے اشعار کی تعداد ۳۱۲۳ ہے۔ مرحوم لکھتے ہیں: ''بعض شعرا کے کلام میں سلام کے اشعار ایسے رنگین اور دل چسپ ہوتے ہیں کہ غزل کا لطف حاصل ہو جاتا ہے۔ میر مونسؔ صاحب کو اس طرز خاص میں شہرت حاصل ہے، میر انیسؔ صاحب مرحوم کے سلاموں میں بھی ایسے دل چسپ اور رنگین اشعار پائے جاتے ہیں، لیکن مرزا دبیرؔ صاحب کے کلام پر از بس کہ مرثیت کا رنگ ہمیشہ غالب رہتا ہے، اس لیے سلاموں میں اُن کی توجہ فقط الفاظ کی سادگی و صفائی اور مضمون کی درد انگیزی پر رہتی ہے اور مرثیت کے مضامین کے علاوہ عام رنگین مضامین کے اشعار، اُن کے سلاموں میں کم ملتے ہیں۔''

راقم نے دبیرؔ کے سلاموں کا مطالعہ کیا ہے اور اُن میں فصاحت، بلاغت، محاسنِ علمِ بیان تشبیہات، استعارا

کنایات، مجاز مرسل کے علاوہ محاورات، روز مرہ اور علم بدیع کی لفظی اور معنوی صنعتوں کو ڈھونڈا ہے۔ مضامین اگر چہ بیشتر رثائی ہیں، اور وہ ہونا بھی چاہیے، کیوں کہ سلام غزل کا نام نہیں بلکہ شہدائے کربلا کی مصیبتوں کے تذکرے کا نام ہے، لیکن اشعار، حمدیہ، مناجاتی، نعتیہ، منقبتی اور معتقداتی مضامین کے علاوہ فلسفیانہ، صوفیانہ، سماجی، اخلاقی اور ذاتی مضامین سے بھرے ہیں۔ ہمارا مقصد یہاں مرزا دبیر کے سلاموں کا خدائے سخن میر انیس یا مرحوم میر مونس کے اشعار سے موازنہ کرنا نہیں، کیوں کہ ہر میوے کا ایک خاص مزہ اور ہر پھول کا ایک خاص رنگ اور ہر پرندے کی ایک خاص بولی ہوتی ہے، اس لیے گلستان کی فضا میں ہر ایک کی موجودگی علیحدہ علیحدہ اور اس کا اثر اشتراکی طور پر دیکھنا پڑے گا، اور اصل نتیجہ اس کا ثمر یہ ہے جو دنیا و آخرت میں سرافرازی ہے۔

خود دبیر ایک سلام میں کہتے ہیں:

یہ سلامِ شہِ ابرار، کہا خوب، دبیر
دیکھ، انعام میں مولاؑ، تجھے کیا دیتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ مرزا دبیر کے سلاموں سے عوام نہیں بلکہ خواص بھی بے بہرہ ہیں، اسی لیے راقم نے مرزا صاحب کے تمام سلاموں کو ایک صدی بعد شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

''حیاتِ دبیر'' کے مولف جناب افضل حسین ثابت لکھنوی نے مرزا دبیر کی ''دفترِ ماتم'' کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں سے صرف چودہ سلام کے اشعار منتخب کر کے حصۂ دوم میں شائع کیا، لیکن یہ بھی اعتراف کیا: ''مجھے ناظرین معاف فرمائیں۔ میں نے سلام بہت کم انتخاب کیے اور جو شخص مرزا صاحب مرحوم کا کلیات دیکھے گا، اس کو بعض موقع پر یہ بھی خیال یا افسوس ضرور ہوگا کہ ثابت نے اچھے اچھے شعر نہیں انتخاب کیے، مگر اس کی دو وجہیں ہیں: ''(۱) کہ خوفِ طول مانع ہے۔ سمندر میں سے آدمی، کیا کیا انتخاب کرے۔ (۲) میری پسند بھی شاید بعض طبقوں کو ناپسند ہو۔''

مختصر اور ضعیف سلاموں کا انتخاب، دبیریت کے علما کی خاموشی اور دبیر کے حامیوں کی غلط بیانی نے سلاموں کے بارے میں غیر منصفانہ رائے کا سامان مہیا کیا، چناں چہ جناب علی جواد زیدی نے لکھا: ''دبیر خالص رثائی سلام کے نمائندے ہیں اور وہ اسی میں اپنا مقام رکھتے ہیں لیکن طرزِ جدید کے سلاموں کو وہ بھاری پتھر کی طرح چوم کر چھوڑ دیتے ہیں۔ غالباً ان کی روایت پسندی مانع آتی ہے یا پھر یہ نیا رنگ ان کی افتادِ طبع سے میل نہیں کھاتا۔''

مولوی امداد امام اثر سلام کے موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''سلام میں واقعۂ کربلا، شہادتِ امیر المومنینؑ و شہادت امام حسینؑ و مصائب حضرت خاتونِ جنت و رحلتِ حضرت رسالت مآبؐ کے مضامین داخل رہتے ہیں۔ علاوہ ان کے اخلاقی و تمدنی و مذہبی و دیگر امور جلیلہ، جن سے شاعری کی زینت متصور ہے، منظوم کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

سلام کے بعض اشعار ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ اگر غزلوں میں داخل کر دیے جائیں تو بے موقع یا بے محل نہ ہوں گے۔ میر انیس اور میر مونس کے بہت سے ایسے اشعار سلام ہیں کہ اگر غزل میں داخل کر دیے جائیں تو غزلوں کا وقار ترقی کر سکتا ہے۔'' برصغیر میں چوما چاٹی کی شاعری اور گرتی ہوئی غزل کی اخلاقی دیوار پر حالیؔ نے آواز بلند کی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ حالیؔ جس قسم کی اصلاحی غزل کو رواج دینا چاہتے تھے، سلام کی صورت میں اس کے نمونے پہلے سے اُردو میں موجود تھے، خاص طور پر انیسؔ، دبیرؔ، عشقؔ اور تعشقؔ وغیرہ کے سلام کے بعض اشعار اصلاح پسند غزل کا جواب معلوم ہوتے ہیں۔ دبستانِ انیسؔ اور دبستانِ دبیرؔ بے شک سلام کے ارتقا کے اصلی محرک ہیں لیکن ان سکولوں کے علاوہ سلام کے ارتقا میں مرزا محمد انسؔ لکھنوی کے دبستان کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ یہ خاندان شیخ امام بخش ناسخؔ کی ادبی، رفاہی اور تنقیدی روایت سے بہت متاثر تھا، چناں چہ انسؔ اور ان کے دونوں بیٹے عشقؔ اور تعشقؔ نے مرثیوں کے علاوہ خصوصی طور پر سلاموں میں نئی تشکیلات کا اضافہ کیا۔ قدیم روایات کو بدل کر سلام کی ہیئت میں تازگی پیدا کی جدّتِ خیال اور مضمون آفرینی کے شاہ کار نمونے پیش کیے۔ سلام کے مطلعوں میں پابندی سے مجرئی، مجرائی، سلام، سلامی جیسے الفاظ استعمال نہیں کیے، جسے آگے چل کر انسؔ کے پوتے پیارے صاحب رشیدؔ نے بالکل ترک کر دیا۔ مرزا عشقؔ اور تعشقؔ کے سلام کے چند اشعار میں جدّتِ خیال اور معنی آفرینی کے ساتھ تغزل کی جھلک دیکھیے:

مرزا عشقؔ:

تھی رن میں، دمِ صبح، شہِؑ دیں پہ، کڑی دھوپ
پھر گلشنِ ایجاد میں، ایسی نہ پڑی دھوپ

آ جاتی ہیں زلفیں، جو رخِ سرورؑ دیں پر
دو چار گھڑی چھاؤں ہے، دو چار گھڑی دھوپ

مولاؑ نے کہا: اِس لیے اصغرؑ کو کیا دفن
چھوٹا ہے یہ خورشید لقا، اور بڑی دھوپ

ہے عشقؔ کے مدفن میں ضیا، مہرِ علیؑ کی
خورشیدِ امامت کے، مگر ساتھ گڑی دھوپ

مرزا تعشقؔ:

صبحِ عاشور کا، اب تک ہے دلوں کو دھڑکا
کہ فغاں کرتے ہیں مرغانِ سحر، آخرِ شب

گور ہے پیشِ نظر، شامِ جوانی ہے تمام
رات بھر بھر کے، ملا ہے مجھے گھر، آخرِ شب

صبحِ پیدائش صاحب تھی، تعشقؔ! کیا صبح
جس کے ظاہر تھے نشاں مثلِ قمر، آخرِ شب

سید مہدی حسن احسن لکھنوی ''واقعاتِ انیس'' میں لکھتے ہیں: ''میر انیس مرحوم نے کسی مجلس میں ایک سلام پڑھا۔ اس زمین میں میر انیس کے ایک شعر کی عالم گیر شہرت ہوئی:

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ، ضعفِ پیری نے
چنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو

مرزا صاحب مغفور کو یہ زمین پسند آئی، انھوں نے بھی سلام کہا اور کسی مجلس میں پڑھا۔ بے فکروں کو شگوفہ ہاتھ آیا۔ راقم نے ''دفترِ ماتم'' کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں کو دیکھا لیکن یہ سلام نظر نہیں آیا۔ شاد عظیم آبادی نے ''پیغمبرانِ سخن'' میں جو تحریر لکھی ہے، اُس سے پتا چلتا ہے کہ مرزا دبیر نے چند اشعار لکھے تھے لیکن پورے سلام کی گفتگو درکار نہ تھی۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں: ''مرزا صاحب نے خود کسی کو نہیں چھیڑا، البتہ اگر کسی نے کوئی شعر ایسا کہا کہ روئے سخن اُن کی طرف پایا جاتا ہے تو جواب ضرور دیا، چناں چہ خود مرزا صاحب نے ذاکرِ اوّل و دوم و سوم کے نام سے ذیل کا واقعہ مجھ کو لکھ کر بھیجا تھا کہ میر انیس کا ایک قدیم سلام تھا، جس کا ایک شعر یوں تھا:

لگا رہا ہوں، مضامینِ نو کے، پھر انبار خبر کرو، مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

اس زمین میں مرزا اوج کے نام سے سلام پڑھا گیا، جس کے ایک شعر سے ایک طرح کا طنز نکلتا تھا، پھر کیا تھا، جواب اور جواب الجواب۔ مرزا صاحب کی طرف سے یہ شعر کہا گیا:

مقابلے پہ ہوں آمادہ، یہ بجُز، مگر ہوئے جو تنگ، اُلٹتے ہیں آستینوں کو

میر مونس نے جواب دیا:

بھلا تردد بے جا سے، ان میں کیا حاصل اٹھا چکے ہیں زمیں دار جن زمینوں کو
مزہ یہ طرفہ، کہ مضموں تو دستیاب نہیں مقابلے میں چڑھاتے ہیں آستینوں کو

مرزا دبیر کی طرف سے یہ شعر جواب میں کہے گئے:

قبول، شرع میں، دعوائے بے دلیل نہیں دکھائیں گھر کے قبالے میں، ان زمینوں کو
ہمارے ابرِ قلم سے ہے برمحل بارش کہ مینہ سے نفع ہے، بوئی ہوئی زمینوں کو

مشیر لکھنوی تو کاسہ از آتش داغ تر کی طرح تیار رہتے تھے، چناں چہ وہ بھی کود پڑے اور ''احمق الذینوں'' کا ایسا قافیہ لگایا کہ اُردو ادب میں پہلا اور آخری قافیہ مانا گیا:

ے جلی کٹی مرے استاد سے، کرے جو کوئی تو پھونک دوں مع خرمن، میں خوشہ چینوں کو
ہزار بار سراپا کے منہ پہ چڑھتے ہیں مشیر! کیا کہوں میں احمق الذینوں کو

اس جھگڑے کا اختتام اس نتیجے پر ہوا کہ میر انیس، میر مونس پر اور مرزا دبیر، مشیر لکھنوی پر خفا ہوئے۔ میر مونس، مرزا صاحب کے حضور اور شیخ مشیر، انیس کے حضور میں حاضر ہو کر مددخواہ ہوئے۔ آخر میں میر انیس نے کہا:

ے خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم انیس! ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

چاندنی ردیف کا سلام:

میر مونس نے غدر کے موقعے پر ایک سلام لکھا، جس کی ردیف ''چاندنی'' تھی۔ سلام مشہور ہوا۔ بہت پہلے مرزا دبیر اور ان کے شاگرد قدیر نے بھی اسی ردیف میں سلام لکھا۔ قدیر کا سلام سن کر ایک صاحب نے کہا:

ے آپ کے گھر میں تھی کب، اے بندہ پرور! چاندنی میر مونس کی چرا لائی ہو، جا کر چاندنی

قدیر صاحب نے فوراً فی البدیہ کہہ دیا: ع: شیخ ناسخ کہہ گئے ہیں، سب سے بہتر چاندنی

اس پر حاضرین قدیر لکھنوی کے برجستہ جواب پر حیرت میں پڑ گئے کیوں کہ شیخ ناسخ اور مرزا دبیر، غازی الدین حیدر شاہ کے دور میں عمدہ غزل اور سلام اس ردیف میں کہہ چکے تھے۔

دبیر کے سلاموں کی تعداد:

دبیر کے سلاموں کی تعداد کے بارے میں سوانح نگاروں، ادیبوں، محققوں اور مورخوں نے ایک صدی سے زیادہ عرصے تک غلط شماری کی۔ ۱۹۹۴ء سے پہلے کسی مضمون نگار نے بھی دبیر کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلد میں مطبوعہ سلاموں کو گننے کی زحمت گوارا نہ کی۔ راقم نے یہ سوچ کر کہ اب تک کسی نے بھی سلاموں کی شمار بندی نہیں کی ہے، تینوں جلدوں میں مطبوعہ سلاموں (۳۴۳) کی، شاعروں کے نام کے ساتھ تقسیم بندی کی تو معلوم ہوا کہ مرزا دبیر کے کل مطبوعہ سلاموں کی تعداد ۱۳۳ ہے اور ایک سلام ''حیاتِ دبیر'' کی جلد دوم میں شامل ہے، اس طرح مرزا صاحب کے کل مطبوعہ سلام ۱۳۴ ہیں۔ میری اس شمارہ بندی کے بعد جب ''باقیاتِ دبیر'' مولفہ پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری پر نظر پڑی تو مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ محققِ موصوف نے ۱۹۹۴ء میں تینوں جلدوں میں شامل دبیر کے صرف وہ سلام، جن کے مقطعے میں ان کا نام آیا ہے، ان کی گنتی کر کے بتایا ہے کہ ''دفترِ ماتم'' کی ان تینوں جلدوں میں مسلسل ردیف وار سلاموں کی تعداد ۳۴۲ ہے، ان میں مرزا دبیر کے صرف ۱۲۴ سلام ہیں، باقی ۲۱۸ سلام ان کے شاگردوں کے ہیں۔

میں نے ان تینوں جلدوں کے علاوہ "حیاتِ دبیر" حصہ دوم میں شائع شدہ ایک سلام، جس پر دبیر کے برادرِ حقیقی مرزا غلام محمد نظیر نے مخمس تضمین کیا ہے، تعداد میں جمع کیا ہے۔

دبیر کے سنتالیس (۴۷) شاگردوں کے سلام بھی تینوں جلدوں میں شامل ہیں، جن میں سب سے زیادہ سلام تقی (۴۷ سلام) شاعرۂ اہلِ بیت سلطان عالیہ بیگم دخترِ نصیر الدین شاہ کے ہیں۔

جنابِ صادق صاحب "مرزا دبیر اور شمس آباد" میں لکھتے ہیں کہ نواب پیارے صاحب نے چاندنی والی ردیف کے سلام کو، جو مرزا دبیر سے منسوب ہے، جسے انھوں نے غازی الدین حیدر شاہ کے زمانے میں لکھا تھا، قدیر صاحب ہی کا سلام بتاتے ہیں، یعنی ان کے بموجب دبیر نے کوئی سلام "چاندنی" کی ردیف میں نہیں رقم کیا۔

سلاموں کے تعداد کے بارے میں سہل انگاریاں:

۱۔ محمد حسین آزاد "آبِ حیات" میں لکھتے ہیں: "سلاموں، نوحوں اور رباعیوں کا شمار "نہیں"

۲۔ مولوی فدا حسین صاحب "شمس الضحیٰ" میں لکھتے ہیں: "سلام رباعی اور تضمین کا کوئی حساب نہیں۔"

۳۔ جناب افضل حسین ثابت لکھنوی "حیاتِ دبیر" حصہ اوّل، صفحہ ۷۷ پر لکھتے ہیں: "دفترِ ماتم" کی سولھویں (۱۱۰ سلام) سترھویں (۱۲۴ سلام) اٹھارویں (۹۸ سلام) جلد میں الف سے لے کر یا تک ۳۳۲ مسلسل ردیف وار سلام ہیں۔ ان میں بعض مرزا صاحب کے شاگردوں کے بھی سلام ہیں، جن کا حال مقطعِ سلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اس ہیچ مداں کے تین چار سلام ہیں۔"

یہاں کتابت میں غلطی ہوگئی ہوگی، چناں چہ ۱۳۴ کے بجائے ۱۲۴ لکھا گیا اور پھر ہر محقق اور ادیب نے سترھویں جلد پر نگاہ کیے بغیر تعداد ۱۲۴ ہی لکھی۔ دوسرا تسامح ثابت کے اس جملہ سے ہوا جس میں انھوں نے "بعض مرزا کے شاگردوں کے سلام" کا ذکر ہے، اگرچہ صحیح یہ ہے کہ ان تین جلدوں میں بعض سلام مرزا دبیر کے ہیں، یعنی ۳۴۳ سلاموں میں بصرف ۱۳۱ سلام مرزا دبیر کے ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین "رزم نگارانِ کربلا" اور مقدمہ "نادراتِ مرزا دبیر" میں لکھتے ہیں:

"مرزا دبیر کی مدتِ سخن گوئی کم وبیش ۶۰ سال رہی۔ اُس زمانے میں انھوں نے چار سو سے زیادہ مرثیے، تین سو سے زیادہ سلام، ساٹھ سے زائد خمسے اور بے شمار رباعیات، قطعات، مناجات اور نوحہ جات تصنیف کیے۔ سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدیں سلاموں سے متعلق ہیں، لیکن ان میں بعض سلام مرزا صاحب کے

شاگردوں کے شامل ہو گئے ہیں۔

۵۔ شادؔ عظیم آبادی ''پیغمبرانِ سخن'' میں لکھتے ہیں: ''مرزا صاحب نے اقسامِ نظم میں دو لاکھ شعروں سے بھی کہیں زیادہ کہے ہیں۔ میں نے مرزا صاحب کے چھوٹے بڑے پانچ سو مرثیوں سے کم نہیں دیکھے ہیں، غالباً تین سو سلام ہیں''۔

۶۔ ڈاکٹر محمد زمان آزردہؔ نے بھی اپنی شاہ کار تصنیف ''مرزا سلامت علی دبیرؔ'' میں ثابتؔ لکھنوی کی ''حیاتِ دبیرؔ'' کے حوالے سے لکھا: ''دفترِ ماتم کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں میں بالترتیب ایک سو دس، ایک سو چوبیس اور اٹھانوے، یعنی کل ملا کر ۳۳۲ مسلسل ردیف وار سلام ہیں۔ ان میں مرزا دبیرؔ کے بعض شاگردوں کے سلام بھی ہیں، جیسا کہ مقطعوں سے ظاہر ہے، البتہ چند سلام ایسے بھی ہیں جن میں مقطع نہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ کس کے تصنیف کیے ہوئے ہیں۔''

۷۔ ڈاکٹر مظفر حسن ملک ''اُردو مرثیے میں مرزا دبیر کا مقام'' میں لکھتے ہیں: ''دفترِ ماتم'' کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں میں الف سے لے کر یا تک ردیف وار سلام ہیں، جن کی مجموعی تعداد ۳۳۲ ہے۔ بعض سلام غلطی سے ان کے شاگردوں کے بھی شامل ہو گئے ہیں، جیسا کہ ان کے مقطعوں سے ظاہر ہے۔''

۸۔ پروفیسر اکبر حیدری نے ۱۹۹۴ء میں ''باقیاتِ دبیرؔ'' میں سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں کا ذکر کرتے ہوئے دبیر کے سلاموں کی تعداد ۱۲۴ بتائی۔ اِس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ موصوف کو ''شاعرِ اعظم مرزا سلامت علی دبیرؔ'' جیسی شاہ کار تصنیف کرتے وقت یہ جلدیں نایاب ہونے کی وجہ سے نہ مل سکیں، چناں چہ اِسی لیے راقم نے ان جلدوں سے مرزا دبیرؔ کے سلاموں کو علحدہ کر کے ''دبیرؔ کے سلام'' کی شکل دی ہے۔ بہرحال، ہم پروفیسر صاحب کی تہِ دل سے قدر دانی کرتے ہیں کہ ان کی بدولت یہ طلسم ٹوٹ سکا۔ اس مقام پر ہم تینوں جلدوں کی تفصیلات پیش کرتے ہیں:

الف۔ دفترِ ماتم۔ جلد ۱۶ (مجموعۂ سلام، حصّۂ اوّل) ۱۳۱۴ ہجری۔ مطبع دبدبۂ احمدی، مشک گنج، لکھنؤ۔ سیّد عبدالحسین
صفحات ۲۰۴۔ کل سلام = ۱۱۰ دبیرؔ کے سلام = ۴۶۔

ب۔ دفترِ ماتم۔ جلد ۱۷ (مجموعۂ سلام، حصّۂ دوم) ۱۸۹۷ عیسوی۔ مطبع دبدبۂ احمدی، مشک گنج، لکھنؤ۔ سیّد عبدالحسین
صفحات ۲۵۴۔ کل سلام = ۱۳۴۔ دبیرؔ کے سلام = ۶۳۔

ج۔ دفترِ ماتم۔ جلد ۱۸ (مجموعۂ سلام، حصّہ سوم) ۱۸۹۷ عیسوی۔ مطبع دبدبۂ احمدی، مشک گنج، لکھنؤ۔ سیّد عبد الحسین صفحات ۱۸۴ کل سلام = ۹۸۔ دبیر کے سلام = ۲۴۔

د۔ حیاتِ دبیر (حصّہ دوم) ۱۹۱۵ عیسوی۔ ایک سلام جس پر نظیر لکھنوی نے مخمس تعمیر کیا۔

دبیر کے جملہ مطبوعہ سلام ۴۶ + ۶۴ + ۲۴ = ۱۳۴

اور سلاموں کے اشعار کی جملہ تعداد ۳۱۷۷

ذیل کے جدول میں ''دفترِ ماتم'' سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں کی جلدوں میں موجود سلاموں کی تعداد، شاعروں کے نام کے ساتھ پیش کی جاتی ہے:

نمبر	نامِ شاعر	تعداد سلام	نمبر	نامِ شاعر	تعداد سلام
۱	مرزا سلامت علی دبیر	۱۳۱	۱۴	نصیر	۱۱
۲	مرزا غلام محمد نظیر۔ برادرِ حقیقی	۲۷	۱۵	لطیف	۱
۳	مرزا محمد جعفر اوج۔ فرزندِ اکبر	۳	۱۶	نواب	۹
۴	مرزا محمد ہادی حسین عطارد۔ فرزندِ کوچک	۲	۱۷	عزیز	۳
۵	میر بادشاہ لقا۔ داماد	۱	۱۸	افضل حسین ثابت لکھنوی۔ مصنف ''حیاتِ دبیر''	۵
۶	مرزا رفیع۔ پوتے	۲	۱۹	ضیا	۱
۷	سلطان عالیہ بیگم، دخترِ نصیر الدین شاہ۔ شاگرد	۴۷	۲۰	قدیر و الا قدر	۲
۸	نواب حاجی بیگم، دخترِ محمد علی شاہ۔ شاگرد	۸	۲۱	عظیم	۲
۹	نواب امام باندی عفت۔ شاگرد	۴	۲۲	منیر شکوہ آبادی۔ شاگرد	۱
۱۰	میر صفدر علی خان۔ شاگرد	۱۷	۲۳	درخشاں	۲
۱۱	حسین	۲	۲۴	شرف	۱
۱۲	عابد علی بشیر۔ شاگرد	۱	۲۵	مرزا محمد عباس صغیر۔ فرزندِ نظیر	۳
۱۳	ظہیر۔ شاگرد	۱۰	۲۶	تحر	۱

۲۷	یاور	۲	۳۹	کاظم حسین بدر۔ تعلقہ دار حیدرآباد	۳
۲۸	ہادی	۱	۴۰	مصطفیٰ حسن ہلال۔ رئیسِ حیدرآباد دکن	۲
۲۹	سجاد	۱	۴۱	میر واجد علی تسخیر۔ رئیس لکھنؤ، داروغہ	۱
۳۰	مریخ	۳	۴۲	سیّد باقر مہدی مہدی۔ رئیسِ جرول	۱
۳۱	مطیر	۲	۴۳	بلیغ	۱
۳۲	ممتاز الدولہ ممتاز	۱	۴۴	شیخ گوہر علی مشیر لکھنوی	۱
۳۳	سعید	۱	۴۵	مرزا فدا حسین فدا	۱
۳۴	شفیع	۱	۴۶	سلیم	۱
۳۵	ضریر	۱	۴۷	جان صاحب میرن۔ رئیسِ لکھنؤ	۱
۳۶	سیّد محمد صاحب شمیم۔ رئیسِ کچھوہ	۱	۴۸	سیّد حسن صاحب حسن۔ رئیسِ لکھنؤ	۱
۳۷	مرزا محمد ہادی مرزا۔ پروفیسر مشن کالج لکھنؤ	۱	۴۹	دوست محمد صاحب فہیم۔ رئیسِ سارن	۱
۳۸	داروغہ سیّد عبدالوہاب وہاب۔ حیدرآباد	۳			

چوں کہ مرزا دبیر کے بیشتر سلاموں سے عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی ناواقف ہیں، اس لیے ہم نے اس مجموعے میں مرزا صاحب کے تمام سلام یک جا کر دیے ہیں۔ ''حیاتِ دبیر'' کے مولف نے سلاموں کے عمدہ انتخاب اور اس عظیم ذخیرے میں مخفی کمالات کو ظاہر کرنے کی، کوشش نہ کی اگرچہ اِس کا اعتراف انھوں نے خود معذرت کے طور پر یوں کیا ہے: ''مجھے ناظرین معاف فرمائیں گے کہ میں نے سلام بہت کم انتخاب کیے اور جو شخص مرزا صاحب مرحوم کا کلیات دیکھے گا، اس کو بعض موقع پر یہ بھی خیال یا افسوس ضرور ہوگا کہ ثابت نے اچھے اچھے شعر نہیں انتخاب کیے مگر اس کی دو وجہیں ہیں: (۱) کہ خوفِ طول مانع ہے کہ ابھی مرثیوں وغیرہ کا انتخاب شروع ہی نہیں ہوا۔ سمندر میں آدمی کیا کیا انتخاب کرے۔ (۲) میری پسند بھی شاید بعض طبقوں کو ناپسند ہو۔''

کتاب ''المیزان'' جو مرحوم چودھری سیّد نظیر الحسن صاحب فوق نے ''موازنہ انیس و دبیر'' کے جواب میں لکھی اور جو ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے، اس میں بھی سلاموں پر چنداں روشنی نہ ڈالی گئی۔ دبیر کے ۱۳۴ سلاموں میں سے صرف بارہ (۱۲) سلاموں کے چند اشعار منتخب کر کے پیش کیے گئے، جو دبیر کے سلاموں کے ساتھ ناانصافی ہے۔ قابل مولف نے سلام

کے متعلق ایک آدھ صفحہ تحریر کرتے ہوئے ان جملوں میں دبیرؔ کے سلاموں کا ریویو کیا ہے: ''بعض شعرا کے کلام میں سلام کے اشعار ایسے رنگین اور دل چسپ ہوتے ہیں کہ غزل کا لطف حاصل ہو جاتا ہے۔ میر مونسؔ صاحب کو اس طرزِ خاص میں شہرت حاصل ہے۔ میر انیسؔ صاحب مرحوم کے سلاموں میں بھی ایسے دل چسپ اور رنگین اشعار پائے جاتے ہیں لیکن مرزا صاحب کے کلام پر از بس کہ مرثیت کا رنگ ہمیشہ غالب رہتا ہے، اس لیے سلاموں میں ان کی توجہ فقط الفاظ کی سادگی و صفائی اور مضمون کی دردانگیزی پر رہتی ہے۔''

بہرحال، جب اپنوں کا یہ حال ہے تو غیروں سے کیا توقع؟ جب دوست اپنی نادانی سے کسرِ شان کر رہے ہوں تو دشمنوں اور رقیبوں سے کیا گلہ؟

ہم ان چند صفحات میں مشتے نمونہ از خروارے صرف چند عمدہ اشعار، علمِ بیان اور علمِ بدیع کی صنعتیں بطورِ مثال پیش کر کے قارئین کی عدالت سے دبیرؔ کا حق طلب کرتے ہیں۔

(۷۲)

بہتّر نوادر

سلاموں سے منتخب نادر اشعار

maablib.org

۱ متفق حُبِّ علیؑ پر ہوں، جو سب اہلِ جہاں
ایک بھی، پھر نہ قیامت میں، گناہ گار ملے

۲ رن میں بازارِ شہادت، جو قضا نے کھولا
سربکف، جنسِ شہادت کے خریدار ملے

۳ زینبؑ نے کہا حُر کی ضیافت میں کروں کیا
فاقے کے سوا، کچھ بھی مرے گھر میں نہیں ہے

۴ سلامی! خاک ہوئے، خاک سے غبار ہوئے
ابوترابؑ کے مرقد پہ یوں نثار ہوئے

۵ سلامی! ذرّہ نہ دوں آفتاب کے بدلے
نہ لوں میں عرش، درِ بوترابؑ کے بدلے

۶ مہماں ہے غمِ شاہؑ، دبیرؔ! اہلِ عزا میں
گو کرب و بلا، ہند کے کشور میں نہیں ہے

۷ زہے سخاوتِ عابدؑ، برہنہ پائی میں
تمام آبلۂ پا، لباسِ خار ہوئے

۸ بڑھایا نقطۂ اشکِ عزا نے رتبۂ چشم
کہ عین پر جو دیا نقطہ تو ہزار ہوئے

۹ ہر ایک دانۂ تسبیحِ کربلا ہے گواہ
کہ بوترابؑ کے سب لال، خاک سار ہوئے

۱۰ صغریٰؑ نسیمِ صبح سے بولی کہ ٹھہر جا!
کیا خوب تجھ سے آتی ہے، بُوئے پدر مجھے

۱۱ کتاب، وصفِ علیؑ میں، اگر لکھوں میں دبیرؔ
بناؤں تارِ شعاعی سے تار مسطر کے

۱۲ سینے میں نیزہ، حلق پہ خنجر، زبان پہ شکر
یہ حلم، جز حسینؑ، بھلا کس بشر میں ہے

۱۳ طوفاں اٹھا ہے آبِ دمِ ذوالفقار سے
ہستیِ اہلِ ظلم کی کشتی بھنور میں ہے

۱۴ جب دَوا پیتی تھی صغریٰؑ، تو دعا کرتی تھی
باپ کا شربتِ دیدار میسّر ہوئے

۱۵ یہ بولی، دیکھ کے نرگس کو باغ میں، صغریٰؑ
کہ تو بھی کیا، گُلِ زہراؑ کے انتظار میں ہے

۱۶ تا،کمالِ چاردہ معصومؑ، روشن سب پہ ہو
چودھویں شب کو رہا کرتی ہے شب بھر چاندنی

۱۷ جب سفیدی، روضۂ شبیرؑ میں ہونے لگی
گرد روضے کے پھری چونے میں مل کر چاندنی

۱۸ مجرئی! فرشِ نجف سے، کب ہو ہمسر، چاندنی
چاندنی جھاڑو تو جھڑتی ہے، زمیں پر، چاندنی

۱۹ ہر مہینے دشمنانِ دیں سے ہے سرگرمِ جنگ
چرخ پر، رکھتی ہے ماہِ نو کا خنجر، چاندنی

۲۰ مال و زر کا کیا بھروسا، چاہیے فکرِ مآل
فی المثل ہے چار دن کی، اے تونگر، چاندنی

۲۱ تھی یاد، سکینہؑ کی جو پیاس، ان کو، تو شہؑ نے
منہ پھیر لیا، جب گئے کوثر کے برابر

٢٢ سینۂ شبیرؑ پر، بیٹھا رہا جب تک شقی
گنبدِ قبرِ رسولؐ اللہ، تھرّایا کیا

٢٣ غُل کر کے قیامت ابھی برپا کرے زنجیر
پر ہے یہ اَدب، بیچ میں عابدؑ کا قدم ہے

٢٤ تسبیحِ حق میں صرف کیا رشتۂ حیات
دیکھو خدا کے واسطے طاعت امامؑ کی

٢٥ مثلِ دو طفل، شمس و قمر آئیں دَرس کو
زیرِ بغل کتاب لیے صبح و شام کی

٢٦ قالب میں شہؑ کے تیر تھے، بعد از وداعِ روح
سورج غروب ہو گیا، باقی کرن رہی

٢٧ تیغ ہے برقِ غضب، شعلہ فشاں، آتشِ قہر
مرگ رہ جاتی ہے جس جا، یہ رَواں ہوتی ہے

٢٨ دبیر! ہو گا خدا مشتریِ گوہرِ اشک
بھلا یہ رتبہ کہاں ہے، دُرِ عدن کے لیے

٢٩ اکبرؑ کا دیکھ چاہِ ذقن، بول اُٹھے عدو
آبِ حیاتِ شہؑ، اِسی چاہِ ذقن میں ہے

٣٠ عابدؑ، غمِ پدر میں، یہاں تک ہوئے ضعیف
مثلِ حباب کچھ نہیں، ان کے بدن میں ہے

٣١ کہا زہراؑ نے، شہؑ کی لاش سے، حُر کا نہ غم کھانا!
ردا زہراؑ نے، بیٹا! اُس کے لاشے پر اُڑھائی ہے

٣٢ جز رنج سے ہیں پانچ نمازیں، ہوئیں ہم پر
واجب، بخدا پنجتنؑ پاک کا غم ہے

٣٣ شاہؑ کہتے تھے، شہادت کی گواہی کے لیے
دامنِ افلاک پر، کافی ہے اصغرؑ کا لہو

٣٤ دیکھتا تھا انگلیوں پر شمر، واں خنجر کا دم
یاں اُچھلتا تھا گلوے ابنِ حیدرؑ کا لہو

٣٥ کیا غضب ہے! کاٹ کر شہؑ کا گلا، جلّاد نے
جا کے پونچھا چادرِ زینبؑ سے، خنجر کا لہو

٣٦ ذکر شبیرؑ کا، یوں کرتی تھی صغریٰؑ بیمار
جیسے تپ میں کوئی آیاتِ شفا یاد کرے

٣٧ کبریٰؑ پہ خاتمہ ہے حیا کا، کہ رات بھر
مانندِ شمع روتی تھی لیکن صدا نہ تھی

٣٨ ماں سے صغریٰؑ کہتی تھی، مجھ کو چھپا کر لے چلو!
میں منا لوں گی، اگر بابا خفا ہو جائیں گے

٣٩ جلائے لشکرِ ناری نے وہ خیامِ حسینؑ
تھے جن میں رشتۂ ایماں، طناب کے بدلے

٤٠ لقب، رسولؐ کا، اُمّی تھا، پر بہ فضلِ خدا
پڑھا تھا علمِ لدن، ہر کتاب کے بدلے

٤١ مثال، قبلہ نما کو، جو دل سے شاہؑ کے دوں
قرار قطب کو ہو، اضطراب کے بدلے

٤٢ دودھ کی خاطر نہیں ہوتے ہیں گریاں، شیر خوار
بے زباں اطفال، گویا بہرِ اصغرؑ روتے ہیں

٤٣ زمیں پہ ذرّے نہ کیوں تڑپیں صورتِ اختر
کہ زیرِ خاک، ید اللہ کے ستارے ہیں

۴۴ اے مُجرئی! سکینہؑ بھی کیا کام کر گئی ۔۔۔ بابا کے سر پہ سر کو رکھا اور مر گئی
۴۵ فلک کا بخل تو دیکھو کہ بہتے دریا پر ۔۔۔ حسینؑ امامؑ کو دی پیاس، آب کے بدلے
۴۶ شہید و بے کس و مظلوم و بے دیار غریب ۔۔۔ ہر ایک لفظ یہ، شبیرؑ کے خطاب میں ہے
۴۷ شیرِ خاتونؑ قیامت کی جسے دھار ملے ۔۔۔ مُجرئی! قہر ہے! اُس حلق سے تلوار ملے
۴۸ نبیؐ مدینۂ علم اور اس مدینہ میں ۔۔۔ کنندۂ درِ خیبر ہے باب کے بدلے
۴۹ صفا رُخ میں وہ ہے، جو سُن لے کسی سے ۔۔۔ نہ آئینہ دیکھے سکندر، دوبارہ

ذیل کے اشعار دبیرؔ شناسی، شاعرانہ تعلّی اور صنعتِ حسنِ تخلّص کی عمدہ مثالیں ہیں:

۵۰ فرصت نہیں لکھنے کی دبیرؔ، آج، وگرنہ ۔۔۔ مضمون تو کتنے ہی سلاموں کا بہم ہے
۵۱ یہ سلامِ شہِؑ مظلوم کہا خوب، دبیرؔ! ۔۔۔ دیکھوں انعام میں، مولاؑ تجھے کیا دیتے ہیں
۵۲ جب تک نہ ہوئے علم سے کچھ بہرہ، اے دبیرؔ! ۔۔۔ کوئی نہ ڈالے، مرثیہ گوئی کے فن میں ہاتھ
۵۳ دبیرؔ! سبطِ رسولؐ خدا کے صدقے سے ۔۔۔ ترا سلام یہ، نایابِ روزگار ہوا
۵۴ دبیرؔ! اہلِ انصاف شاہد ہیں اس کے ۔۔۔ سخن میں نیا ہے قرینہ ہمارا
۵۵ نیا مرثیہ نظم ہوتا ہے، ہر ماہ ۔۔۔ دبیرؔ! اس کو سمجھو مہینا ہمارا
۵۶ تا چند کروں، شرح دبیرؔ جگر افگار ۔۔۔ اس غم کا ہر اک نکتہ، ہے دفتر کے برابر
۵۷ خوف کیا دشمنِ بے دیں کا، دبیرِؔ غمگیں ۔۔۔ آبرو تیری ہے ہر دم، شہِؑ ابرار کے ساتھ
۵۸ خاقانِ سخن ہوں، میں دبیرؔ جگر افگار ۔۔۔ سکّہ ہے، تخلّص مرا، اور نظم دِرم ہے
۵۹ بہرِ ثواب، نظم میں کرتا ہوں، اے دبیرؔ! ۔۔۔ افسوس! اب جہاں میں نہ قدرِ سخن رہی
۶۰ جس پہ ہوتی ہے عنایات، شہِؑ دیں کی دبیرؔ! ۔۔۔ اس کا مقبول، دوعالم میں سخن، ہوتا ہے
۶۱ گر دعوائے زباں ہے تو جوں شمع، اے دبیرؔ! ۔۔۔ درکار خاموشی تجھے، ہر انجمن میں ہے
۶۲ صاحب فیض ہوں میں فیضِ شہِؑ دیں سے، دبیرؔ! ۔۔۔ دُرِ شہوار بھی کم، میرے سخن سے، نکلے
۶۳ مقبول کی، یہ نظم، شہِؑ دیں نے، اے دبیرؔ! ۔۔۔ شہرت ہوئی اِسی سے، ہمارے کلام کی
۶۵ در شہؑ، خواب اجل کے لیے، پاؤں جو دبیرؔ! ۔۔۔ آنکھ کھل جائے کہ اب طالع بیدار ملے

٦٦ طالبِ دادِ مضامیں، عقلا سے ہے دبیرؔ
بے خرد سے، نہیں دعوائے ہنر کرتا ہے

٦٧ بے سوادوں کو نہیں تمیزِ حُسن و قبحِ نظم
جانتا ہے کور، سائے کے برابر چاندنی

٦٨ لیتے ہیں شہؔ سے حُلّۂ فردوس، اے دبیرؔ!
کرتا ہے چاک، پنجۂ غم سے، کفن ہمیں

٦٩ دبیرِ خستہ کی، ہے عرض شہؔ سے
سخن سر سبز ہو، باغِ جناں میں

٧٠ غمِ حسینؑ سے روشن، عمل ہمارے ہیں
فلک ہے سینہ تو داغِ عزا ستارے ہیں

٧١ ہے عزّ و وقار اپنا، دبیرؔ! اہلِ عزا میں
تقدیر میں مدّاحیِ شاہِ شہدا تھی

٧٢ طوفِ کعبہ کا تجھے شوق ہے، از بس کہ دبیرؔ!
مضطرب دل، صفتِ قبلہ نما رہتا ہے

عکسِ دبیر آئینۂ سلام میں

اعترافِ دبیر

فرصت نہیں لکھنے کی دبیر آج، وگرنہ
مضمون تو کتنے ہی سلاموں کا بہم ہے

اُمیدِ دبیر

یہ سلامِ شۂ مظلوم کہا خوب! دبیرؔ!
دیکھوں، انعام میں، مولاؑ تجھے کیا دیتے ہیں

انعامِ دبیر

دبیرؔ! سبطِ رسولؐ خدا کے صدقے سے
ترا سلام یہ، نایاب روزگار ہوا
مقبول کی، یہ نظم، شۂ دیں نے، اے دبیرؔ!
شہرت ہوئی اِسی سے، ہمارے کلام کی

تعلّیِ دبیر

خاقانِ سخن ہوں میں دبیرؔ جگر افگار
سکّہ ہے، تخلّص مرا، اور نظم دِرم ہے

دعائے دبیر

دبیرِ خستہ کی، ہے عرض شہ سے
سخن سرسبز ہو، باغِ جناں میں

نمونۂ
صنائع وبدائع

maablib.org

دبیرؔ کا ایک شاہکار سلام، جو سترہ اشعار پر مشتمل ہے، ایک خاص صنعت اور صنعتِ جمع سے مالا مال ہے، اس سلام کے ہر شعر کے مصرعِ اولیٰ میں چار چیزوں کا ذکر ہے اور دوسرے مصرعے میں اس مضمون کو دل چسپ اور نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ہم بطورِ مثال چند شعر یہاں پیش کرتے ہیں:

ب کوفے میں، کربلا میں، بقیعہ میں، طوس میں
مدفوں ہوئے بتولؑ کے دلبر، کہاں کہاں

گُل میں، شفق میں، لعل میں، خورشیدِ صبح میں
ہے رنگِ خونِ کشتۂ خنجر، کہاں کہاں

صفّین میں، جمل میں، اُحد میں، تبوک میں
تنہا لڑے ہیں فاتحِ خیبر، کہاں کہاں

دنیا میں، آخرت میں، سقر میں، بہشت میں
ہے اختیارِ حیدرِؑ صفدر، کہاں کہاں

خورشید میں، فجر میں، ستاروں میں، برق میں
ہے نورِ آفتابِ پیمبرؐ، کہاں کہاں

غربت میں، گھر میں، قبر میں، محشر میں، اے دبیرؔ!
آئے مدد کو ساقیِ کوثر، کہاں کہاں

ذیل کے سلام کی بحر اور اسی ردیف اور قوافی میں حسرتؔ موہانی مرحوم کی غزل ملتی ہے، جس کے مطلع کا مصرع یہ ہے:

ع: سرکتی جائے ہے رُخ سے نقاب، آہستہ آہستہ

مرزا صاحب کے کچھ اشعار یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

ب سلامی! کرتے تھے اکبرؑ خطاب، آہستہ آہستہ
نکالا ہے زخمِ دل کو، چل عقاب آہستہ آہستہ

کہا زینبؑ نے، دیکھوں اور، بھائی کو، کوئی ساعت
الٰہی ہو طلوعِ آفتاب، آہستہ آہستہ

کہا صغریٰؑ نے رو کر آتشِ فرقت نے اے بابا!
کیا ہے طائرِ دل کو کباب، آہستہ آہستہ

ذیل کے چند اشعار میں حضرت علی اکبرؑ کا سراپا پیش کیا ہے، جو قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ نادر الکلامی کی بھی عمدہ مثال ہے:

رُخ ہے وہ گلشنِ قدرت کہ بوقت گُل گشت
دل عنادل کا، نہ اِک گل کی صفا یاد کرے

گر نگہ خضر کی ہو، چاہِ ذقن سے سیراب
پھر نہ وہ ذائقۂ آبِ بقا یاد کرے

زلف وہ زلف کہ شیرازۂ اجزاے ثواب
ہے خطا یاں، جو کوئی مشکِ خطا یاد کرے

چشم وہ چشم کہ نظارہ کرے اس کا اگر
نرگسِ باغِ جناں کو، نہ صبا یاد کرے

قدِ پُرنور ہے وہ شمع، کہ دیکھے جو کلیم شجرِ طور، کی ہرگز نہ ضیا، یاد کرے

چاندنی کی ردیف میں چند شعر دیکھیے:

ے بارہا لکھا ہے شب کو، حُسنِ رخسارِ حسینؑ روشنائی میں مرتّب کی ہے اکثر چاندنی

ے احمدِؐ مختار ہیں نورِ خدا کے آسماں حیدرؑ و زہراؑ قمر، شبیرؑ و شبرؑ چاندنی

مرزا دبیرؔ کا ایک عمدہ سلام، جو چھتیس اشعار پر مشتمل ہے، جس کی ردیف ''دوبارہ'' ہے، اس سلام کے چند اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

ے جلا خیمۂ شہؑ تو بولے ملائک نبیؐ کا، جلایا گیا گھر دوبارہ

بکھری لُوٹ، بعد از وفاتِ سکینہؑ پہننے نہ پائی وہ گوہر دوبارہ

چھنا تھا مدائن میں، پھر کربلا میں لٹا شہر بانو کا زیور دوبارہ

کہا والدہ نے یہ مرنے کی جلدی نہ ہچکی بھی لی تم نے اکبرؑ دوبارہ

اجاڑا تھا، اے چرخ! کس طرح تُو نے بسا جو نہ سادات کا گھر دوبارہ

مرزا دبیرؔ کا ایک طویل، ساٹھ (۶۰) اشعار کا سلام ہے، جس میں عمدہ مکالمہ نگاری ہے اور مکالمہ کی صورت کو مرزا دبیر نے اپنی طبیعت کی جولانی سے پیدا کر کے مصائب کو پیش کیا ہے۔ قطعہ بند اور طویل مکالمہ نگاری دبیر کی اہم شناخت ہے۔ ہم اس موقعے پر صرف چند اشعار پیش کر کے اپنے مدّعا کو ثابت کریں گے کہ سلاموں میں یہ مکالمہ نگاری دبیرؔ ہی کا حق اور فن تھا، جو اس ہی کے ساتھ ختم بھی ہوگیا:

یثرب میں، آئی خواب میں زینبؑ کے، یوں بتولؑ ماتھا بھرا تھا خون سے، سر پر ردا نہ تھی

ے زینبؑ نے پوچھا کس کے لہو سے جبیں ہے لال؟ تم پر تو آفتِ سفرِ کربلا نہ تھی

رو کر کہا بتولؑ نے، تم یاد تو کرو! کس وقت، کس جگہ، میں شریکِ عزا نہ تھی

روئی تمھارے ساتھ، بہترؑ کی لاش پر زینبؑ! میں کس شہید کی صاحبِ عزا نہ تھی

جھاڑا تھا کس نے بالوں سے، صحرائے کربلا! ہے ہے! میں کربلا میں شبِ قتل، کیا نہ تھی

تھامی تھی تم نے جس گھڑی، مظلوم کی رکاب کیا ساتھ ساتھ گھوڑے کے میں ننگے پا نہ تھی

جب تم گری تھیں، بھائی کے مردے پر، اونٹ سے کیا بال کھولے لاش پہ خیر النسآ نہ تھی

یثرب سے تا بہ ماریہ، اور واں سے تا بہ شام — زینبؑ کہیں حسینؑ سے زہراؑ جدا نہ تھی
زینبؑ نے عرض کی کہ بجا کہتی ہیں جناب! — اے والدہ مجھے خبرِ دست و پا نہ تھی

صنعتِ جمع: گھوڑے کے صفات۔ نادر مضمون

صنعتِ مبالغہ: عنقا ہے یہ مرکب کہ عقابِ علی اکبرؑ — قدرت کا کرشمہ، رگ و ریشہ میں بہم ہے
چھل بل ہے، چھلاوہ ہے، توہم ہے! تصور — اژدر نفس و برق تگ و صاعقہ دم ہے
دریا اثر و شعلہ خواص و شرر آگیں — آہو رم و طاؤس دم و شیرِ شیم ہے
اس رخش کا سایہ ہے ہما، جست ہے بجلی — سیماب پسینہ ہے ہوا گردِ قدم ہے

صنعتِ جمع: رعشہ، ورم، بخار، غشی، ضعف، دردِ سر — عابدؑ کو اتنے عارضے تھے اور دَوا نہ تھی
صنعتِ حسنِ تعلیل: تشنگیِ شہِ دیں، جب میں رقم کرتا ہوں — خشک، ہر حرف پہ، خامے کی زباں ہوتی ہے
صنعتِ حسنِ تعلیل: ہم کو انجم سے یہ ہے ثابت کہ غمِ مولا میں — آہِ سُکّانِ فلک، شعلہ فشاں ہوتی ہے
صنعتِ حسنِ تعلیل: پیکاں نہیں لگی، اِسی حیرت سے مومنو! — اُنگلی ہر ایک زخم نے، رکھی دہن میں ہے
صنعتِ حسنِ تعلیل: پیرو، شہِ بے سر کا، ازل سے جو قلم ہے — اس واسطے، مُجرائی! سرِ خامہ قلم ہے
صنعتِ حسنِ تعلیل: مدحِ شہِ دیں لکھنے سے، کب سیر قلم ہے — خالی، بصفتِ گرسنہ، خامے کا شکم ہے
صنعتِ حسنِ تعلیل: کیا پاسِ بزرگیِ درِ شاہِ اُمم ہے — مجرائی! فلک دُور سے، تسلیم کو خم ہے
صنعتِ حسنِ تعلیل: کر کر یہ آہِ بارِ شرر بار، اے دبیر! — تابندہ برق ہوتی ہے اکثر، سحاب میں
صنعتِ حسنِ تعلیل: گورِ زہراؑ کے پسر کو نہ ملی، تا چہلم — اس لیے دشت، ہر اک خاک بہ سر کرتا ہے
صنعتِ حسنِ تعلیل: پا پیادہ جو گُلِ فاطمہؑ ہے، اِس غم سے — آبلہ زیرِ قدم، چشم کو تر کرتا ہے
صنعتِ حسنِ تعلیل: مہدیِ دیں ہیں نہاں، فیضِ ہدایت ہے عیاں — چاند جیسے ابر میں، اور جلوہ گستر چاندنی

maablib.org

صنعتِ سوال و جواب کے یہ دو شعر عمدہ مثال ہیں:

ے مگر اس شب کو ہے وہ شکلِ پُر خوں — فرشتے کہتے ہیں یا رب! یہ کیا ہے؟

ندا آتی ہے عرشِ کبریا سے　　فرشتو! وقتِ فریاد و بُکا ہے

سہلِ ممتنع:　کہا والدہ نے یہ مرنے کی جلدی؟　　نہ ہچکی بھی لی تم نے، اکبرؔ، دوبارہ

ان اشعار میں صنعتِ جمع، صنعتِ جمع وتفریق وتقسیم اور صنعتِ لف ونشر کی آرائش ہے:

تم کو، مرے آقا کے شرف، کیا نہیں معلوم
کعبے کی قسم! قبلۂ ارباب ہمم ہے

خورشیدِ زمیں، بدرِ فلک، شمعِ مدینہ
سردارِ عرب ہے، وہی سلطانِ عجم ہے
کیا حاکمِ شامی کو ہے شبیرؑ سے نسبت
وہ کفر، یہ اسلام، وہ دَیر، حرم ہے
وہ ظلم ہے، یہ عدل، وہ عصیاں، یہ عبادت
وہ رنج، یہ راحت، وہ ستم ہے، یہ کرم ہے

صنعتِ سیاق الاعداد:　علیؑ کی تیغ دو سر سے عدو جو چار ہوئے　　یہ ایک وصف تھا اس میں کہ دو کے چار ہوئے

ع　گردشِ میں آسماں ہے کیا شش وپنج، اے دبیرؔ!　　ہے دو عالم میں وسیلہ ہم کو ہشت و چار کا

ع　ہزار و نو صد و پنجاہ ویک جراحت تھے　　خدا کی راہ میں شبیرؑ، جب نثار ہوئے

ع　لاریب، شش جہت میں وہی سر بلند ہے　　جو سر پہ مارتا ہے، غمِ پنجتنؑ میں، ہاتھ

صنعتِ مذہب الکلامی:　تعمیر اس لیے کیا کعبہ، خلیلؑ نے　　قابل کوئی ولادتِ حیدرؑ کے، جا نہ تھی

صنعتِ سیاق الاعداد:　صنعتِ تکرار، صنعتِ جمع اس شعر میں دیکھیے:

ع　ایک حُر، ایک پسر، ایک غلام، اک بھائی
عاشقِ پنجتنؑ اُس فوج سے، یہ چار آئے

صنعتِ ذوالِلسانین (فارسی + اُردو)

زہے حسینؑ کہ سازند سبحہ از خاکش　　ہے خاک ذکر میں گویا، جناب کے بدلے

صنعتِ طباق تدبیج:　سیاہ پوش حرم اور سرخ پوش حسینؑ　　فلک نے رنگ کیے، انقلاب کے بدلے

قطعہ بند: جناں گھر، ملک پاسباں، عرش کرسی — فلک منبر ہفت زینہ ہمارا
ہمیں فقر و فاقہ، تجھے زر مبارک — یہ دولت تری، وہ خزینہ ہمارا

قطعہ بند: نسیم غنچۂ تسلیم، زیبِ باغِ نعیم — بہارِ گلشنِ صبر و رضا حسینؑ حسینؑ
صنعتِ ذوالسانین: مرادِ کن فیکوں، شرحِ آیۂ لولاک — چراغِ طاقِ علومِ خدا حسینؑ حسینؑ
حواسِ خمسۂ زہراؑ قرارِ شیرِ خدا — امامِ خامسِ آلِ عباؑ حسینؑ حسینؑ
پُلِ صراط سے بے شک، اُتر ہی جائیں گے — زباں سے کہہ کے یہ، اہلِ عزا حسینؑ حسینؑ

قطعہ بند: آفاق دنگ، ابلقِ ایام لنگ تھا — آواز سُن کے دُلدلِ محشر خرام کی
صنعتِ ترصیع: مرحب بڑھا اُدھر سے، اِدھر سے خدا کا شیرؑ — آتے ہی اُس نے ضرب لگائی حسام کی
صنعتِ تضاد: کھینچی اُدھر سے، دستِ خدا نے، جو ذوالفقار — فتنے نے اپنی تیغ، میانِ سنام کی
صنعتِ مراعات النظیر: اک دم میں قصرِ چار عناصر بہا دیا — اللہ رے آب تیغ جنابِ امامؑ کی
صنعتِ جمع: انصاف و حلم و علم و دلیری و جُود و زُہد — تجھ پر، خدا نے ساری فضیلت، تمام کی

قطعہ بند: مدّاحِ سراپا، لبِ انصاف سے سب ہیں — غل ہے، یہ جواں، جانِ عرب، جسمِ عجم ہے
سراپا حضرت علی اکبرؑ: بابا مدنی، ماں عجمی، جد، اسدؑ اللہ — خود شکل میں، محبوبِ خدا، میرِ اُمم ہے
صنعتِ مراعات النظیر: وصفِ دہنِ تنگ میں، عیسیٰؑ کی زبان لال — گویا یہ دلیلِ رہِ باریکِ عدم ہے
صنعتِ تنسیق الصفات: قامت ہے وہ قامت کہ حضورؐ اس کے شرف سے — انگشت سے کم، سروِ گلستانِ ارم ہے
صنعتِ لف و نشر مرتب: دیکھو! سر و پیشانی و ابرو کا قرینہ — یہ عرش ہے، یہ لوح، یہ قدرت کا قلم ہے
حق اس کا ہے نقاشِ خلیلؑ اس کا ہے معمار — اَبرو کے مقابل، کہاں محرابِ حرم ہے
کیا رتبۂ یاقوت و شکر پیشِ لبِ سرخ — یہ لعل ہے، وہ سنگ ہے، یہ شہد، وہ سم ہے
حسرت ہے کہ یہ شیرِ قوی، ہاتھ سے کھینچے — ہر وقت کمانِ فلک، اس واسطے خم ہے

ایک اور مقام پر حضرت علی اکبرؑ کا سراپا یوں پیش کیا ہے:

رخ وہ رخ کہ ابھی عکس جو اس کا پڑ جائے — ٹکڑے پوشاکِ قمر، مثلِ کتان ہوتی ہے
لب ہے وہ لعل، کہ بیعانہ بدخشاں جس کا — لال، اس لعل کی مدحت میں، نہاں ہوتی ہے

قطعہ بند کربلا کے دُلہا نوشاہ تو حسنؑ کی طرح سے، ہے کم سخن — مظلومیت حسینؑ کی بالکل، دُلھن میں ہے

دُلھن: پروانہ ساں ہے ایک تو، اک شمع ساں خموش — صحبت عجیب طرح کی دُلہا دُلھن میں ہے

صنعتِ ذوالِلسانین: الا یا عین جودی واسعدنیا — یہی، کلثومؑ کی، اس شب صدا ہے

الافا بکی امیر المومنینا — کہ اس رونے کی، عقبیٰ میں جزا ہے

تلمیع ذوالِلسانین: زعفر جن، مع افواج بہ میدانِ ستم — آیا جس دم مددِ سبطِ پیمبرؐ کے لیے

صنعتِ تضمین: نعرہ کیا حُر نے کہ توکلت علی اللّٰہ — دنیا میں ترا جاہ ہے، محشر میں نہیں ہے

صنعتِ اعداد: اے خوشا طالع! کہ ہے نامِ حسنؑ سے ہم عدد — کیوں نہ ہو روشن دلوں میں، نام آور چاندنی

صنعتِ جمع وتقسیم: شہید و بے کس و مظلوم و بے دیار و غریب — ہر ایک لفظ یہ، شبیرؑ کے خطاب میں ہے

سہلِ ممتنع: اے مجرئی! سکینہؑ بھی کیا کام کر گئی — بابا کے سر پہ سر کو رکھا، اور مر گئی

صنعتِ لف ونشر غیر مرتب:

خلد و طوبیٰ و نہرِ کوثر ہے — کاغذ و خامہ و مدادِ علیؑ

صنعتِ تکرار: حال صغریٰ نے جو پوچھا، تو یہ زینبؑ نے کہا — دکھ پہ دکھ، غم پہ غم، آزار پہ آزار ملے

صفت تلمیع: نبیؐ مدینۂ علم اور اس مدینہ میں — کنندۂ درۂ خیبر ہے باب کے بدلے

(کنندۂ درِ خیبر سے مراد حضرت علیؑ ہیں) (باب یعنی دروازہ سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ اس میں مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے)۔

فہرستِ سلام

maablib.org

"دفترِ ماتم"، جلد نمبر۱۶:

نمبر	مطلع		تعداد شعر
۱	مسطور اگر کمال ہو، سَروِ امام کا	مصرع ہمارا سرو ہو دارالسّلام کا	۱۵
۲	مُجری! گوشہؑ کو وقتِ ذبح غش آیا کیا	نعرۂ اللہ اکبر پر وہ فرمایا کیا	۱۶
۳	غم شہؑ سے ہے داغ، سینہ ہمارا	سلامی! قمر ہے نگینہ ہمارا	۲۴
۴	ولائے علیؑ ہے خزینہ ہمارا	دفینہ ہے، مجرائی! سینہ ہمارا	۱۴
۵	مجرائی گرم نالہ، جو وقتِ بُکا ہوا	آنسو پسند داغِ عزا ہوا	۱۵
۶	مجرا اُسے، مدام جو راہِ رضا میں تھا	خنجر تھا جب گلے پہ، وہ شکرِ خدا میں تھا	۱۷
۷	مُجرئی! موسم عزا آیا	ماتمِ شاہؑ کربلا آیا	۳۳
۸	نیساں کی چشم، گر غمِ سرورؑ میں تر نہ ہو	مجرائی! قطرہ لاکھ برس تک گہر نہ ہو	۱۵
۹	اے سلامی! دلِ شبیرؑ میں ہے گھر میرا	خُلد مسکن ہے مرا، حصّہ ہے کوثر میرا	۳۶
۱۰	نانا نے جس کے، مُجری! شق القمر کیا	مثلِ قمر اُسے، شفقِ خوں میں تر کیا	۲۱
۱۱	اے مُجرئی! تو حُر کے مقدّر کو دیکھنا	سر اُس کا اور زانوے سرورؑ کو دیکھنا	۱۸
۱۲	سلامی! خاک ہوا، خاک سے غبار ہوا	ابوترابؑ کی تربت پہ یوں نثار ہوا	۱۹
۱۳	ہوئے جو، مُجرئی! سلطانِ بحر و بر پیدا	کہا فلک نے، زمیں کا، ہوا قمر پیدا	۲۵
۱۴	دل پہ میرے زخم ہے، مجرائی! اُس تلوار کا	جس سے سر زخمی ہوا ہے حیدرِ کرّار کا	۱۸
۱۵	مُجرئی! کیا حوصلہ تھا اصغرؑ بے شیر کا	ہنس دیا، جب حلق پر ناوک لگا بے پیر کا	۳۴
۱۶	جو کہ قربانِ مزارِ علیؑ اکبر ہو گا	مُجرئی! اُس کو ثوابِ حجِ اکبر ہو گا	۲۳
۱۷	شہؑ سے، مجرائی! ہوا جب کہ علم دارؑ جدا	وہ جدا رونے لگا، سیّدِ ابرارؑ جدا	۱۹
۱۸	مجرائی! جب کہ خاتمۂ پنجتنؑ ہوا	تڑپی بتولؑ ایسی کہ ٹکڑے کفن ہوا	۳۰
۱۹	مجرائی! زیرِ خاک، نہ رنج و محن ہوا	شمعِ رہِ بہشت، غمِ پنجتنؑ ہوا	۲۸

۲۰	گو کہ، اے مجرئی! وہ تشنہ دہن کٹتے ہیں	پرخوش، انصارِ شہنشاہِ زمن، کٹتے ہیں	۲۶
۲۱	جو دل میں ولائے شہِ مرداں نہیں رکھتا	مجرائی! وہ گنجینۂ ایماں نہیں رکھتا	۲۳
۲۲	صغرٰی نے بھی، اے مجرئی! غم کھائے ہیں کیا کیا	شبیرؑ وطن میں اُسے، یاد آئے ہیں کیا کیا	۲۲
۲۳	جو سلامی شہِ والا کا ثنا خواں ہو گا	اُس کا ہر ایک سخن گوہرِ غلطاں ہو گا	۱۷
۲۴	مجرئی! جب ہوا پامال چمن زہراؑ کا	ہو گیا چاک گریبانِ کفن زہراؑ کا	۱۷
۲۵	مدح شبیرؑ میں مصرع جو رقم ہوئے گا	مُجرئی! وہ شجرِ باغِ ارم ہوئے گا	۱۶
۲۶	فصلِ خزاں جو گلشنِ شاہِؑ زمن میں ہے	مجرائی! گُل دریدہ گریباں، چمن میں ہے	۲۸
۲۷	وقفہ عباسؑ کو، مُجرائی! قضا نے نہ دیا	پانی اولادِ پیمبرؐ کو پلانے نہ دیا	۱۶
۲۸	شبِ عاشور، بھائی کو بَلا میں دیکھ کر زینبؑ	تصدّق کے لیے اے مُجرائی! لائی پسر زینبؑ	۱۶
۲۹	مُجرئی! یوں کوئی باندھے نہ، گنہ گار کے ہاتھ	شمر نے باندھے تھے جس زور سے، بیمار کے ہاتھ	۲۳
۳۰	ئی اُس سکینہؑ کے باندھے رسن میں ہاتھ	رہتے تھے جس کے، گردنِ شاہِؑ زمن میں، ہاتھ	۱۷
۳۱	مجرئی! بعدِ فنا بھی، نہ اُٹھے واں سے شہید	اُنس رکھتے تھے عجب، گنجِ شہیداں سے شہید	۲۱
۳۲	مجرائی کہا شہؑ نے کہ یارا نہیں اصغرؑ!	چھوڑیں تمھیں جنگل میں، گوارا نہیں اصغرؑ!	۲۰
۳۳	کیوں نہ پھر آہ! کہ گزریں فلکِ پیر سے تیر	پار، اے مُجرئی! جب ہوں تنِ شبیرؑ سے تیر	۲۰
۳۴	سلام اُس پہ، جو پہنے ہے ناتواں، زنجیر	قدم ہیں جتنے نحیف، اتنی ناتواں زنجیر	۲۹
۳۵	مُجرئی! جب کہ چڑھا، شاہؑ کا سر نیزے پہ	آفتاب آیا قیامت کا نظر، نیزے پہ	۲۴
۳۶	ہو خاک، سلامی! درِ سرورؑ کے برابر	جس در کا ہر اک ذرّہ، ہے اختر کے برابر	۳۳
۳۷	اے مُجرئی! اس بحر میں وہ شعر سُنا گرم	جو مطلعِ خورشید سے مطلع، ہو ہوا گرم	۲۶
۳۸	مُجرئی! انصار کم تھے شاہِؑ والا کی طرف	اور لاکھوں اشقیا تھے جمع اعدا کی طرف	۱۴
۳۹	مُجرئی! دامن میں لی، جب کربلا کے بَن کی خاک	گر گئی نظروں سے اپنے، وادیِ ایمن کی خاک	۳۲
۴۰	سوزِ غمِ شبیرؑ میں ہے یہ اثر اب تک	پتھر سے نکلتے ہیں، سلامی! شرر اب تک	۲۰
۴۱	نام پر شاہؑ کے، پانی جو پلا دیتے ہیں	میرِ کوثرؑ انھیں، مُجرائی! دعا دیتے ہیں	۲۶

۴۲	مُجرئی! پاؤں جہاں شاہِ ہدیٰ رکھتے ہیں	ملک اُس خاک کو، آنکھوں پہ اٹھا رکھتے ہیں	۱۴
۴۳	غمِ شبیرؑ میں جو اشک بہانے کا نہیں	مُجرائی! وہ چمن خلد میں جانے کا نہیں	۱۳
۴۴	کہے نہ، مُجرئی! کیوں دائما حسینؑ حسینؑ	بتولؑ روتی ہیں کہہ کر سدا حسینؑ حسینؑ	۲۵
۴۵	غمِ آلِ عباؑ ہے، اور میں ہوں	سلامی! یہ عزا ہے اور میں ہوں	۶۶

''دفترِ ماتم'' جلد نمبر ۱۷:

۴۶	جلوہ ہے جو غبارِ درِ بوترابؑ میں	اے مُجرئی! وہ نور کہاں آفتاب میں	۲۴
۴۷	جُز اشک، نخلِ غم میں، سلامی! ثمر نہیں	جس طرح نخلِ شمع، کبھی بار ور نہیں	۱۲
۴۸	مُجرئی! اکبرؑ کے ماتم میں پیمبرؐ روتے ہیں	قبرِ سقائے حرم پر میر کوثرؑ روتے ہیں	۲۹
۴۹	ہے عکسِ گیسو و رخِ اکبرؑ، کہاں کہاں	سنبل کہاں کہاں ہے، گُلِ تر کہاں کہاں	۱۷
۵۰	مُجرائی! نہ کیوں کر رہے ماتم، رمضاں میں	عالم سے اٹھا شاہِ دو عالم، رمضاں میں	۱۴
۵۱	عصیاں سے، مُجرئی! نہیں رنج و محن ہمیں	ہے مُہرِ عفو، داغِ غمِ پنجتنؑ ہمیں	۳۴
۵۲	رہے جو، مُجرئی! شہؑ کے فغاں میں	وہ ہو گا حشر کو باغِ جناں میں	۱۲
۵۳	السّلام اے قبرِ زیبائے حسینؑ	نورِ حق، خاکِ شفا، جائے حسینؑ	۲۴
۵۴	کیوں نہ غم سے خشک ہو، سِبطِ پیمبرؐ کا لہو	جب شلوکے پر بہے، مُجرائی! اصغرؑ کا لہو	۲۸
۵۵	مُجرائی! شہؑ نے کہا اے مری خواہر! دیکھو!	تیر کو دیکھو! گلوئے علی اصغرؑ دیکھو	۳۰
۵۶	سلامی! کہتے تھے ظالم رلاؤ زینبؑ کو!	کہ ذبح شہؑ کو کرو اور دکھاؤ زینبؑ کو	۲۹
۵۷	غیظ میں جب آ کے، کھینچا شاہؑ نے تلوار کو	مُجرئی! چھپنے کی جا ملتی نہ تھی، کفّار کو	۱۸
۵۸	مُجرئی! یہ تشنگی تھی سیّدِ ابرار کو	جو پیا خوش ہو کے، آبِ خنجرِ خوں خوار کو	۲۴
۵۹	بیت جنّت میں ملے، نظمِ سلام ایسا ہو	روئیں سب، مُجرئی! پر درد کلام ایسا ہو	۱۸
۶۰	سلامی! سجدۂ حق میں کیا مجروح، حیدرؑ کو	جنابِ فاطمہؑ پیٹیں ہوا صدمہ پیمبرؐ کو	۲۴
۶۱	سلامی! کرتے تھے اکبرؑ خطاب آہستہ آہستہ	تکاں ہے زخمِ دل کو، چل عقاب آہستہ آہستہ	۱۹
۶۲	گئے سوئے میداں جو اکبرؑ، دوبارہ	سلامی! ہوا گھر میں محشر دوبارہ	۳۶

۶۳	مُجرائی! شہؑ کو نہ کیوں، خلقِ خدا یاد کرے	جو خدا کو تہِ شمشیرِ جفا، یاد کرے	۲۶
۶۴	اے مُجرائی! شبیرؑ کو کیا یادِ خدا تھی	سر پر تھی قضا اور نماز ان کی ادا تھی	۲۷
۶۵	جس کے مدفن کی، درِ شہؑ پہ بنا ہوتی ہے	خاک اُس مُجرائی! کی، خاکِ شفا ہوتی ہے	۱۵
۶۶	مُجرائی! آیا محرم، خوں بہایا چاہیے	مرثیہ پڑھ کر محبوں کو رُلایا چاہیے	۲۹
۶۷	مُجرائی! قحطِ آب بھی تھا اور غذا نہ تھی	پر بے حواس فاقے میں، فوجِ خدا نہ تھی	۶۰
۶۸	گنہ کے مرض کی دوا چاہیے	سلامی کو خاکِ شفا چاہیے	۳۳
۶۹	پنجتنؑ گر وارِدِ بزمِ عزا ہو جائیں گے	دیدۂ تر مُجرائی! بحرالبکا ہو جائیں گے	۳۲
۷۰	جو کہ مصروفِ سلامِ شہداؑ رہتا ہے	گو وہ رہتا نہیں، پر نام سدا رہتا ہے	۲۵
۷۱	مُجرائی! کہتی تھی صغریٰ یہ، دوا لائے کوئی	خاکِ پا میرے مسیحا کی اُٹھا لائے کوئی	۱۴
۷۲	مُجرائی! شہؑ کی لاش کو یادِ خدا رہی	قبلے کی سمت صورتِ قبلہ نما رہی	۲۵
۷۳	سلامی! ہر طرف شورِ بکا ہے	وداعِ حضرتِ مشکل کشاؑ ہے	۴۹
۷۴	کربلا میں جو، سلامی! شہِ والا آئے	واسطے لڑنے کے، ہر سمت سے اعدا آئے	۱۵
۷۵	ہر ایک ذرہ کب، اے مُجرائی! حساب میں ہے	کہ سوزِ ماتمِ شبیرؑ، آفتاب میں ہے	۲۹
۷۶	سلامی! ذرہ نہ دوں، آفتاب کے بدلے	نہ لوں میں عرش، درِ بوترابؑ کے بدلے	۴۴
۷۷	بزمِ ماتم میں جو، باچشمِ پُرآب آتا ہے	پیشوا لینے کو، مُجرائی! ثواب آتا ہے	۱۴
۷۸	نبیؐ کو، مُجرائی! غم بے حساب ہوتا ہے	کہ کنبہ فاطمہؑ کا، بے نقاب ہوتا ہے	۲۰
۷۹	جس گھڑی گرمیِ بازارِ قیامت ہو گی	خُلد، اے مُجرائی! ہر اشک کی قیمت ہو گی	۴۸
۸۰	حشر میں جوہریِ اشک، عزادار ملے	مُجرائی! مول میں قصرِ دُرِ شہوار ملے	۴۴
۸۱	مُجرائی! کہتے تھے شہؑ، خالقِ اکبر کے لیے	ظالمو! پانی دو مجھ کو علی اصغرؑ کے لیے!	۱۸
۸۲	اے مُجرائی! فغانِ حرم عرش پر گئی	پیاسی تڑپ تڑپ کے سکینہؑ جو مر گئی	۳۱
۸۳	کینۂ دل، مُجرائی! سرورؑ میں نہیں ہے	آئینہ، اقلیمِ سکندر میں نہیں ہے	۵۱
۸۴	سلامی! شاہؑ کے غم میں جو اشک بار ہوئے	گہر سے بھی گہرِ اشک آبدار ہوئے	

۸۵	سلامی! ابرِ فلک کیوں نہ اشک بار رہے	غمِ حسینؑ میں جب برق بے قرار رہے	۲۴
۸۶	مُجرائی! لہو کیوں نہ بہے، دیدۂ تر سے	پانی کو، پسرِ ساقیِ کوثرؑ کا، جو ترسے	۱۹
۸۷	مُجرئی! جہاں شہؑ کی تصویر نظر آئی	سر سجدے میں اور سر پر شمشیر نظر آئی	۲۰
۸۸	ہو مُجرئی! نہ خواہشِ اکسیر و زر مجھے	لے جائے بخت، گر درِ شبیرؑ پر مجھے	۱۸
۸۹	غضب، اے مُجرئی! مختار تھے جو کوثر کے	انھیں فلک نے، اُتارا ہے گھاٹ خنجر کے	۱۷
۹۰	اے مُجرئی! بتولؑ عزائے پسر میں ہے	رونے کا شور مرقدِ خیر البشرؐ میں ہے	۱۹
۹۱	ہے شاہؑ کے صدقے میں یہ توقیر ہماری	فردوس ہے، اے مُجرئی! جاگیر ہماری	۱۷
۹۲	سلامی! جب کہ مجھ کو قتلِ سرورؑ یاد آتا ہے	وہ سوکھا حلق و بے آب خنجر یاد آتا ہے	۱۶
۹۳	اُس کو مجرا کہ جو بے کس بھی ہے، دلگیر بھی ہے	قیدیِ ظلم بھی ہے بستۂ زنجیر بھی ہے	۱۷
۹۴	اے مُجرئی! جو اشک مری چشمِ تر میں ہے	ایسا گُہر کہاں کسی سلکِ گُہر میں ہے	۳۹
۹۵	برگشتہ، سلامی کا مقدر تو نہیں ہے	پر، بے درِ شہؑ دیکھے، یہ باور تو نہیں ہے	۲۰
۹۶	جگرِ چرخ سے جوں تیر گزر کرتا ہے	نالہ، اے مُجرئی! پتھر میں اثر کرتا ہے	۲۲
۹۷	گر رقم، جلوۂ نورِ رخِ سرورؑ ہوئے	ورق، اے مُجرئی! خورشیدِ منوّر ہوئے	۲۳
۹۸	ان میں ہائے مُجرئی! زینبؑ کے جو دلدار آئے	غُل ہوا: جنسِ شہادت کے خریدار آئے	۱۸
۹۹	پاؤں سجادؑ کا، اے مُجرئی! زنجیر میں ہے	دم گلے میں ہے، گلا طوقِ گلوگیر میں ہے	۲۳
۱۰۰	سلامی! سیر عجب دشتِ کارزار میں ہے	کہ باغِ فاطمہؑ، سب قتل کی بہار میں ہے	۲۵
۱۰۱	مُجرئی! ہوئیں نہ کیوں شہؑ کے جگر کے ٹکڑے	رُوبرو ہوئیں جو، اکبرؑ سے، پسر کے ٹکڑے	۱۱
۱۰۲	مُجرئی! شہؑ نے کہا یوں حیدرِ کرّار سے:	ہم ہوئے سیراب، آبِ خنجرِ خوں خوار سے	۲۸
۱۰۳	مُجرئی! کہتے تھے سرورؑ، زینبؑ دلگیر سے:	کیا کروں، کچھ بس نہیں چلتا مرا، تقدیر سے	۱۹
۱۰۴	مُجرئی! ہے سوگ وارِ ماہِ حیدرؑ، چاندنی	اشک ہیں شبنم، بہا کرتی ہے شب بھر چاندنی	۴۰

’’دفترِ ماتم‘‘ جلد نمبر ۱۸:

۱۰۵	مجرائی! بچے ساقیِ کوثر کے لال کے	کہتے تھے: پانی پانی! زبانیں نکال کے	۲۰

۱۰۶	رمضان، کیوں نہ سلامی کو، محرّم ہو جائے	جب کہ در پیش یدُ اللہ کا ماتم ہو جائے	۱۴
۱۰۷	تعریف کی ہے نظمِ رواقِ امامؑ کی	بیت الحرم ہے بیت، ہمارے سلام کی	۲۳
۱۰۸	پیرو، شہِؑ بے سر کا، اَزَل سے جو قلم ہے	اس واسطے، مُجرائی! سرِ خامہ قلم ہے	۵۳
۱۰۹	مُجرائی! غلامی میں شہنشاہِ اممؑ کی	حُر دیکھتا ہے سیرِ گلستانِ اِرم کی	۱۴
۱۱۰	مدحِ علیؑ میں ہے یہ بلندی کلام کی	عرشِ بریں زمین ہے، ہمارے سلام کی	۵۶
۱۱۱	سلامی! یہ امت کا کیسا ستم ہے	کہ نیزے پہ شبیرؑ کا سر الم ہے	۱۴
۱۱۲	سرِدار و علم دار کا، مُجرائی کو غم ہے	دل تعزیہ خانہ ہے تو ہر آہ علم ہے	۲۹
۱۱۳	صدمے، مُجرائی! عجب، شاہِ اممؑ دیکھیں گے	باغِ احمدؐ کو جو آنکھوں سے قلم دیکھیں گے	۷
۱۱۴	گر مرقع میں شبیہِ شہِؑ ذی شاں نکلے	اے سلامی! لبِ تصویر سے افغاں نکلے	۲۳
۱۱۵	دل میں بہارِ داغِ، امامِ زمنؑ رہے	مجرائیوں کو قبر میں سیرِ چمن رہے	۲۲
۱۱۶	مُجرائی! شہؑ کی مصیبت جو بیاں ہوتی ہے	فاطمہؑ سُنتی ہے اور اَشک فشاں ہوتی ہے	۲۴
۱۱۷	پڑھوں سلام، محبانِ، پنجتنؑ کے لیے	کہ ایک تحفہ یہ کافی ہے پنجتنؑ کے لیے	۳۶
۱۱۸	السّلام! اے قبلۂ ایماں مرے	بادشاہِ کربلا، سلطاں مرے	۲۷
۱۱۹	وصفِ گلِ زہراؑ میں ہیں رنگیں، سخن ایسے	جنت میں بھی ہوں گے نہ سلامی! چمن ایسے	۲۲
۱۲۰	ٹکڑے، اے مُجرائی! زہراؑ کا چمن ہوتا ہے	مثلِ گُل چاک، پیمبرؐ کا کفن ہوتا ہے	۳۵
۱۲۱	اُس کو مُجرا، نہ جسے خوف تھا شمشیروں سے	تیرِ مژگاں کو بھی جنبش نہ ہوئی تیروں سے	۱۴
۱۲۲	قتلِ شبیرؑ کے تھے، مُجرائی! ساماں کتنے	ایک حلقوم تھا اور خنجرِ بُرّاں کتنے	۱۵
۱۲۳	مُجرائی! گلچینِ قضا شبیرؑ کے گلشن میں ہے	ہر گُلِ باغِ امامت، موت کے دامن میں ہے	۳۳
۱۲۴	مُجرائی! سبطِ نبیؐ جب کہ وطن سے نکلے	جان کیوں فاطمہؑ صغریٰ کی، نہ تن سے نکلے	۲۴
۱۲۵	مُجرائی! مالکِ کوثر کو جو پانی نہ ملے	چشمِ سجّاد کو کیوں اشک فشانی نہ ملے	۱۸
۱۲۶	سلامی دو پہر تک، شہؑ کے لشکر کی صفائی ہے	بہتّر تن کے اُوپر، لاکھ ظالم کی چڑھائی ہے	۲۲
۱۲۷	قتلِ شبیرؑ کی، اے مُجرائی! تیاری ہے	دیدۂ فاطمہؑ زہرا سے لہو جاری ہے	۱۳

۱۲۸	سلامی! شاہ پر شدت تھی یہ، تشنہ دہانی کی	ہوئی تھی گوہرِ نایاب اُن کو، بوند پانی کی	۱۵
۱۲۹	سلامی! اَوجِ فلک پر نہیں یہ تارے ہیں	ہماری آہِ شرر بار کے شرارے ہیں	۲۳
۱۳۰	مُجرئی! یادِ حق ہے یادِ علیؑ	لوحِ دل پر رقم ہے نادِ علیؑ	۲۶
۱۳۱	مُجرئی! ہستی رہے شہؑ اور غم دیکھا کیے	زخم تن میں سیرِ گلزار ارم دیکھا کیے	۱۳
۱۳۲	انیسویں شب آئی ہے ماہِ صیام کی	ہے شمع تربتِ خیرالانامؐ کی	۲۵
۱۳۳	زینبؑ و حالِ تباہش نگرید	گریۂ شام و پگاہش نگرید	۱۲
۱۳۴	درِ شبیرؑ و بجاہش نگرید	سرِ تسلیم گواہش نگرید	۱۵

maablib.org

سلام

۱ سے ۱۳۴ تک ترتیب کے ساتھ

maablib.org

۱

سلام

مسطور اگر کمال ہو، سرِ امامؑ کا
مصرع ہمارا سرو ہو، دارالسّلام کا

حاصل سرِ عمر کو مرصّع کُلاہ، واہ
دردا! سرِ علم، سرِ اطہرؑ امامؑ کا

اَسرارِ طالعِ عمر و حُر کا، وا ہوا
داور کا وہ عدد و ہراوّل امامؑ کا

وہ محرمِ حرم کہ ہو آرامِ دردِ کُل
درد و علَم ہو اُس کو دوا و طعام کا

مسطور، حالِ موسمِ سرما ہو کس طرح
سرگرمِ آہ سرد رہا، دل امامؑ کا

صلح و ورع، عطا و کرم، حلم و داد و عدل
واللہ! ہر عمل ہوا اطہر امامؑ کا

اس طرح محوِ حمد رہا، سرورِ اُمم
اعدا کو حوصلہ ہوا، مدحِ امامؑ کا

دردا! لہو امامؑ اُمم کا حلال ہو
سہل اس طرح ہو مسئلہ، امرِ حرام کا

ہر سو وہ آمد آمدِ سردارِؑ دو سرا
اور ہمہمہ وہ اَدہم صَرصَر لگام کا

کہرام مُلک مُلک ہوا، دھوم کوہ کوہ
سوکھا لہو دلِ اسد و گرگ و دام کا

ڈر کر اُدھر کو گم ہوا عمرِ عدو کا ماہ
طالع ہوا ہلال، اِدھر کو، حسام کا

محرومِ گور احمدِؐ مرسل کا لاڈلا
سردارِ دہر، آہ! ولد ہو حرام کا

آرامِ گور کا ہو اگر دل کو مدّعا
ہر سال و ماہ، سوگ رکھا کر امامؑ کا

دردا! دلِ عمر کو ہو آرام اور سُرود
روحِ حرم کو درد ہو، مرگِ امامؑ کا

ہر دم ملا حرم کو، وہ درد و الم کہ آہ
روحِ رسولؐ کو ہوا صدمہ، مدام کا

سروڑ کا مدح گو ہوا، ہر مصرعۂ رسا
''سحرِ حلال'' اسم رکھا، اس کلام کا

لامع ہو گر کمال عطارد سرِ سما
مدّاح ہو گا کلکِ عطارد کلام کا

مسطور = (ع) لکھا جائے
مرصّع = (ع) موتی جواہر جڑا ہوا
اطہر = (ع) بہت پاک
داور = (ف) خدا
الم = (ع) غم
ورع = (ع) پرہیزگاری
سرورِ امم = (ع) امتوں کا سردار
ہمہمہ = (ع) گھوڑے کی آواز
اسد = (ع) شیر
ماہ = (ف) مہینا
گور = (ف) قبر
سوگ = (ف) ماتم، غم
مصرعِ رسا = (ف) بلند مصرع
عطارد = دبیرِ فلک، ستارہ

سَرو = (ف) خوبصورت مخروطی درخت جس کو قد سے تشبیہ دیتے ہیں
کُلاہ = (ف) ٹوپی
طالع = (ع) قسمت
ہراول = (ت) آگے کی فوج کا سردار
طعام = (ع) غذا
حلم = (ع) نرم دلی
امرِ حرام = (ع) حرام کا کام
ادہم = (ع) کالا گھوڑا
گرگ = (ف) بھیڑیا
طالع = (ع) طلوع ہونا
دَہر = (ف) دنیا
روحِ حرم = (ع) اہلِ بیت
سحرِ حلال = (ع۔ف) فصیح اشعار: دبیر کے جدِ اعلیٰ شیرازی کی مشہور مثنوی کا نام
سرِسما = (ف۔ع) آسمان پر

دارالسّلام = (ع) بہشت
دردا = (ف) افسوس
وا = (ف) کھلنا
محرمِ حرم = (ع) حرم کا رازدار
آہِ سرد = ٹھنڈی ہوا کے ساتھ
داد = (ف) انصاف
دو سرا = (ف) دونوں عالم
صرصر = (ع) آندھی
دام = (ف) پرندے
حسام = (ع) تلوار
حرام کا = حرام زادہ
مُدام = (ع) ہمیشہ
لامع = (ع) چمکنے والا
کلک = (ف) قلم

۲

سلام

مجرئیؔ! گو شہؑ کو وقتِ ذبح غش آیا کیا
نعرۂ اللہ اکبر پر وہ فرمایا کیا

کاٹ کر شہؑ کا گلا دکھلا کے خنجر خوں بھرا
زینبؑ بےکس کو شمر نجس، پٹوایا کیا

جس پہ زہراؑ، بوندیاں پڑنے نہ دیتی تھی کبھی
اس پر مینہ تیروں کا ابر ظلم، برسایا کیا

لی نہ تو نے بھی خبر، اے ابر رحمت! وا دریغ!
فاطمہؑ کا باغ، بے آبی سے مرجھایا کیا

چشمۂ کوثر لٹائے گا قیامت میں جو، آہ!
لشکرِ ظالم، اسے پانی سے ترسایا، کیا

ہائے! وہ سائل ہوا پانی کا، فوجِ شام سے
جس کے آگے سب زمانہ، ہاتھ پھیلایا کیا

جب تلک پایا سکینہؑ کے نہ مردے نے کفن
لاشۂ عباسؑ بھی دریا پہ تھرایا کیا

صبر کہتے ہیں اسے سجادؑ سب کے سامنے
سر جھکائے، ہاتھوں کو رسّی سے بندھوایا کیا

آلِ احمد کو جو، شیریں نے اڑھائیں چادریں
عابدِ بیمار، کیا غیرت سے شرمایا کیا

کشتگانِ کربلا کی جاں نثاری، جب سنی
جس کو تھی الفت پیغمبرؐ سے، وہ پچھتایا کیا

فاتحہ اس کا، نہ دنیا میں ہوا، چالیس دن
میوہ جس کے واسطے، روح الامیں، لایا کیا

قید میں زینبؑ جو تھی، اس کی تسلی کو مدام
خواب میں ہر شب، علیؑ کا لاڈلا آیا کیا

سینۂ شبیرؑ پر، بیٹھا رہا، جب تک شقی
گنبدِ قبرِ رسولؐ اللہ، تھرّایا کیا

بے کسی مسلم کی ہے، رونے کی قابل مومنو
طائروں نے بھی نہ جس کی، لاش پر سایا کیا

جب فرنگی شاہؑ پر صدقے ہوا، تو دیر تک
شیرِؑ حق اپنے گلے سے، اس کو لپٹایا کیا

پاک کر دے گا وہ تجھ کو، معصیت سے، اے دبیرؔ!
جس پر نازل، حق نے ہے، تطہیر کا آیا کیا

۳

سلام

غم شہ سے ہے داغ، سینہ ہمارا
سلامی! قمر ہے نگینہ ہمارا

پے داغِ، مولاً ہے سینہ ہمارا
یہ خاتم ہے اور وہ نگینہ ہمارا

تجلی ہے داغ غم پنجتنؑ کی
نہ کیوں طورِ سینا ہو، سینہ ہمارا

چلے شہ تو روحِ پیغمبرؐ پکاری
ہوا بے چراغ اب، مدینہ ہمارا

کہا شاہؑ نے: اتنا تڑپو نہ اکبرؑ!
وہ بولے کہ زخمی ہے سینہ ہمارا

قطعہ

علیؑ کو خبر دی نبی نے کہ مدفن
نجف ہے تمھارا، مدینہ ہمارا

مگر کربلا وہ زمیں ہے کہ سارا
وہیں دفن ہوگا، خزینہ ہمارا

ہوا موج زن، جوشِ غم کے جو کوثر
علیؑ بولے: ڈوبا سفینہ ہمارا

کہا شہؑ نے، ہاتھوں کی پڑھ کر لکیریں:
تو ماتم کرے گی، سکینہؑ! ہمارا

دمِ کوچ سن کر فغاں، بولے سرورؑ:
یہ روتا ہے ہم پر، مدینہ ہمارا

ہوا غش، جو گنجِ شہیداں میں قاصد
کہا شہؑ نے: دیکھا خزینہ ہمارا

قطعہ

یہ نازاں ہوئے، دوشِ احمدؐ پہ سرورؑ
شرف دیکھو! اہلِ مدینہ! ہمارا

گواہی دی مہرِ نبوّت نے حقا
یہ نام خدا، ہے نگینہ ہمارا

کہا شاہؐ نے: پاؤں رکھیو سمجھ کر!
پیمبرؐ کا سینہ، ہے سینہ ہمارا

عمر سے یہ فرمایا شہؑ نے، کہ بتلا!
نہیں جد ہے، شاہِ مدینہ، ہمارا؟

جناں گھر، ملک پاسباں، عرش کرسی
فلک، منبرِ ہفت زینہ ہمارا

تو باطل کا خواہاں ہے، ہم حق کے طالب
وہ شیوہ ترا، یہ قرینہ ہمارا

ہمیں فقر و فاقہ، تجھے زر مبارک
یہ دولت تری، وہ خزینہ ہمارا

کیا دو پہر میں، گھر احمدؐ کا خالی
بھرا تھا ترے دل میں، کینہ ہمارا

یقین ہے کہ آلِ نبیؐ، بے ردا ہوں
کہ دشمن ہے، تجھ سا کمینہ، ہمارا

ہوئے خلق حیدرؑ تو کعبہ پکارا
کہ بالکل تہی ہے، خزینہ ہمارا

قطعہ

کہا ہندنے: تم میں یثرب کی بُو ہے
اسیرو! دھڑکتا ہے سینہ ہمارا

پکارے حرم: اب تو پھرتے ہیں در در
وطن تھا کبھی، ہاں! مدینہ، ہمارا

صدا روزِ عاشور کہتی تھیں ہوئیں
لٹا تھا اس دن خزینہ ہمارا

دبیرؔ! اہلِ انصاف، شاہد ہیں اس کے
سخن میں نیا ہے، قرینہ ہمارا

۴

سلام

ولائے علیؑ ہے خزینہ ہمارا
دفینہ ہے، مجرائی! سینہ ہمارا

دم کوچ، اِک اک سے کہتے تھے حضرت
چھٹا ہم سے بس اب، مدینہ ہمارا

صدا آتی ہے رستے میں، سر سے شہؑ کے
بہت غم نہ کھاؤ! سکینہؑ! ہمارا

قطعہ

عجب یاس سے بولے اکبر کہ امّاں!
نہیں قابلِ بخیہ سینہ ہمارا

جو فرصت ہو فدوی کے ماتم سے تم کو
کفن ہاتھ سے اپنے سینہ ہمارا

صدا دی دل شہؑ نے، اے شمر اتر تو
پیمبرؐ کا سینہ، ہے سینہ ہمارا

کہا حلق نے: شیرِ زہراؑ پیا ہے
سمجھ کر، لہو، تیغ پینا ہمارا

کہا ماں نے زنداں میں: سو جاؤ! واری!
ہے آغوش حاضر، سکینہؑ! ہمارا

صدائے حسینؑ آئی نیند آئے کیوں کر
کہہ آنکھوں میں پھرتا ہے سینہ ہمارا

کہا بانو نے ڈھونڈیے لاشِ اکبرؑ
شہاؑ! غم سے گھائل ہے، سینہ ہمارا

وہ بولے: دکھائی نہیں دیتا رستہ
ہے اللہ، دانا و بینا ہمارا

کہا شہؑ نے عباسؑ دم توڑتے ہو
اب اک دم بھی مشکل ہے، جینا ہمارا

ندا قبرِ زہراؑ سے آئی: دہائی!
یہ، دو داغ رکھتا ہے، سینا ہمارا

کیا باغیوں نے قلم، اک چمن کو
اور اِک باغ یثرب میں، چھینا ہمارا

وصیت ہے شہؑ کی، کہ جی بھر کے رونا
محرّم ہے، شیعو! مہینا ہمارا

نیا مرثیہ نظم ہوتا ہے ہر ماہ
دبیرؔ! اس کو سمجھ تُو، مہینا ہمارا

۵

سلام

مجرائی! گرم نالہ، جو وقتِ بکا ہوا
آنسو پسند مجمرِ داغِ عزا ہوا

مجرائی! حر جو شاہِ اُمم پر فدا ہوا
ممنون پنجتنؑ ہوئے، راضی خدا ہوا

لوٹا یہ باغیوں نے، طلوعِ سحر سے، آہ!
برباد ظہر تک، چمنِ مرتضیٰؑ ہوا

ہیہات! دونوں ہاتھ بندھے ریسمان سے
یوں دستگیر، نائبِ مشکل کشا ہوا

قاسمؑ کی والدہ نے کہا جائے شکر ہے
فضلِ خدا سے لال مرا، کتخدا ہوا

اکبرؑ جو آئے رَن میں تو، سب کی زباں پر
جاری ادب سے، کلمۂ صلِّ علیٰ ہوا

قطعہ

اللہ رے دبدبہ! کہ نہ کھنچتی تھی تیغِ فتح
بسمل، ہرِ اِک دلیرِ عرب تھا پڑا ہوا

سب نے کہا کہ مانگو پنہ اس کے قرب سے
نازل انھی کے جدّ کے لیے لا فتیٰ ہوا

گر مشرقِ نیام سے نکلے گی صبحِ تیغ
پھر دیکھنا کہ شام کا لشکر فنا ہوا

پُرسے کی جا، یزید نے، عابدؑ سے یہ کہا
شکرِ خدا! پدر کا ترے سر جدا ہوا

بانو یہ بین کرتی تھی، اصغرؑ کی یاد میں
گم کس طرف تُو، اے مرے یوسف لقا! ہوا

اکبرؑ کی لاش خیمے میں لائے جو شاہِؑ دیں
گھر میں شفیعِ حشر کے، محشر بپا ہوا

کاٹوں گا بے دریغ، گلوے امامؑ کو
کہتا تھا شمر، سینۂ شہؑ پر چڑھا ہوا

سر ہو گیا جدا، تو کہا شہؑ کی لاش نے
شکرِ خدا! کہ وعدے سے بندہ ادا ہوا

مر کر سوے بہشت نہ دیکھوں گا اے دبیرؔ!
لطفِ خدا سے گر، سفرِ کربلا ہوا

maablib.org

۶

سلام

مُجرا اسے مدام، جو راہِ رضا میں تھا
خنجر تھا جب گلے پہ، وہ شکرِ خدا میں تھا

عابدؑ نے دفن کر کے شہیدوں کو، یہ کہا
حصہ نہ اس مریض کا، خاکِ شفا میں تھا

پیاروں کی موت، گھر کی تباہی، عطش کی دھوم
کیا شاہؑ پر وفورِ بلا، کربلا میں تھا

شربت بھی بھیجا، مُشکیں بھی قاتل کی کھول دیں
یہ فیضِ خاص، حصہ مشکل کشاؑ میں تھا

عباسؑ نے بھی خوب نبھائی، حسینؑ سے
جو عشق اِبتدا میں، وہی اِنتہا میں تھا

دربار میں، یزید نے جس دِن طلب کیا
کیا، دل نبیؐ کے آل کا، خوف و رجا میں تھا

کوفہ کو جب حسینؑ چلے، پڑھ کے فاتحہ
رونے کا شور، مرقدِ خیرالورا میں تھا

قطعہ

مِل کر گلے سکینہؑ کے، صغراؑ نے یہ کہا
یہ تو میں سمجھی، تم پہ ستم، کربلا میں تھا

یہ کیا، مرے گلے سے، نہ پانی اترتا تھا
مجھ پر عجیب سانحہ، ماہِ عزا میں تھا

رو کر وہ بولی ہائے! محرّم ہی میں بہن
ہفتم سے، قحط پانی کا، آلِ عبا میں تھا

ناداری بتولؑ پہ، ہوتا ہے ٹکڑے دل
پیوند، آہ! یک رطب کا رِدا میں تھا

عابدؑ کو غم یہی تھا کہ بابا ہیں بے کفن
دل حسرتِ شفا میں، نہ جگرِ دوا میں تھا

سینے پہ شہؑ کے شمر چڑھا، ہائے! کس گھڑی
جب سر، کنارِ حضرتِ خیرالنسا میں تھا

اے چرخ! کیوں حسینؑ کا خیمہ اُٹھا دیا
دریا تو مہرِ حضرتِ خیرالنسا میں تھا

پانی دیا کسی نے نہ، اصغرؑ کو، بوند بھر
کیا رحم دل، نہ ایک بھی، اہلِ وغا میں تھا

کافر نہ اس طرف تھا، بجز ساربان، کوئی
مومن، سوائے حُر، نہ کوئی، اشقیا میں تھا

افسوس! اے دبیرؔ! نہ طالع رسا ہوئے
دل اِس برس بھی، آرزوے کربلا میں تھا

سلام

مُجرئیؔ! موسمِ عزا آیا
ماتمِ شاہؑ کربلا آیا

شور تھا، وقتِ آمدِ اکبرؑ
دیکھو! ہم شکلِ مصطفیٰؐ آیا

بولے شامی ہے زلف، سورہ قدر
رُخ ہے قرآن، نور کا آیا

نزع میں شہؑ، سے کہتے تھے نوشاہ
زور، اَعدا کو، میں دِکھا آیا

ہوکے رخصت جو شاہؑ سے عباسؑ
صفِ روبہ پہ، شیر سا آیا

ناریوں کو لبِ فرات تلک
سرد کرتا ہوا، چلا آیا

کیا قیامت ہے، رُو بہ روئے یزید
کنبہ زہراؑ کا بے رِدا آیا

جاکے بولا عمر سے ابن نمیر
شکل احمدؐ کی، میں مٹا آیا

قطعہ

لاش اکبرؑ پہ کہتی تھی زینبؑ
کھا کے برچھی، تو دلربا آیا

غسلِ میت کی اب نہیں حاجت
خون میں اپنے، تو نہا آیا

بولے نانا سے خُلد میں شبیرؑ
کلمہ گویوں کو بخشوا آیا

لاش شہؑ کہتی تھی شترباں سے
رحم تجھ کو نہ، بے حیا! آیا

ہاتھ کاٹے، جو بعد ذبح، مرے
اے شقی! ہاتھ تیرے کیا آیا

جب دکھایا علیؑ نے زور اپنا
یاد، ہر بندے کو، خدا آیا

سب سے، زنداں میں، کہتے تھے سجادؑ
قبر بابا کی، میں بنا آیا

بے کفن، خاک پر پڑا تھا بدن
تن سے، سر شاہ کا، ملا آیا

لپٹی زینبؑ جو لاشِ سرورؑ سے
لرزے میں، عرشِ کبریا آیا

بارگاہِ خدا میں سرورؑ کا
تن جدا آیا، سر جدا آیا

یہ خبر دی کسی نے، صغراؑ کو
لشکرِ شاہِؑ کربلا آیا

بولی نانی سے: لو مبارک ہو
بی بی! فرزندِ مرتضیٰؑ آیا

بولی اصغرؑ سے خُلد میں، زہراؑ
کیا گیا تُو، جہاں میں کیا آیا

قافلہ لے کے درمیانِ وطن
جبکہ بیمارِ کربلا آیا

پوچھا صغراؑ نے کیا سبب اس کا
نہ پدر آئے نے چچا آیا

ننھا بھائی مرا تو خیر سے ہے
کیوں نہ گھر میں وہ مہ لقا آیا

بولے سجادؑ لٹ گئے سجادؑ
یک بیک لشکرِ قضا آیا

نہ ستارے رہے، نہ شمس و قمر
سب کو میں خاک میں ملا آیا

راہِ حق میں جناب حیدرؑ نے
وہ عطا کی کہ ہلاتا آیا

امِ سلمٰیؓ کے خواب میں اک شب
یوں شہنشاہِ انبیا آیا

ہاتھ دونوں بھرے تھے خاک سے، آہ!
دھیان ان کو حسینؑ کا آیا

روکے پوچھا تو مصطفیٰؐ نے کہا
قبر پیارے کی میں بنا آیا

شام سے دشتِ کربلا کے قرین
جبکہ ناموسِ مصطفیٰؐ آیا

آئی عابد کو بوئے خونِ حسینؑ
لب پہ نوحہ یہ برملا، آیا

اُونٹ سے اترو، اے پھوپھی زینبؑ!
مقتلِ شاہِ کربلا آیا

غُل ہو، گر کربلا میں جائے دبیرؔ:
شاعرِ آلِ مصطفیٰؐ آیا

۸

سلام

نیساں کی چشم، گر غمِ سرورؑ میں تر نہ ہو
مُجرائی! قطرہ لاکھ برس تک گُہر نہ ہو

قاتل سے شاہؑ کہتے تھے: کر ذبح جلد جلد!
ظالم! میری بہن کو کہیں یہ خبر نہ ہو

کہتی تھی رو کے ہند کی بیٹی، سکینہؑ سے:
بھینا! تمھارے سِن میں کوئی بے پدر نہ ہو

اکبرؑ سے بولے شاہؑ: نکالوں میں کس طرح
نیزے کی نوک میں کہیں، تیرا جگر نہ ہو

کٹ کر گلوے شاہؑ نے یہ شمر سے کہا:
اَب بھی پلا دے پانی، گناہ کچھ اگر نہ ہو

لکھا قضا نے، شاہؑ کی قسمت میں آبِ تیغ
یعنی گلوے خشک، کسی طرح تر نہ ہو

نیساں: وہ بارش جس کے قطرات سے موتی بنتے ہیں/قضا: تقدیر

کہتی تھی بانو: تیر گلے سے نکال لوں
اصغرؑ! تمھاری روح کو صدمہ اگر نہ ہو

کوفے گئی، دمشق گئی، شام میں گئی
زینبؑ کی طرح سے تو کوئی دَر بدَر نہ ہو

کہتے تھے شہؑ کفن نہ ملے، مجھ کو ہے قبول
یارب! بہن حسینؑ کی، پر ننگے سر نہ ہو

کانٹا اُٹھا کے پاؤں میں عابدؑ نے رکھ لیا
تا، اَور راہ گیروں کو اُس سے ضرر نہ ہو

تھی شہؑ کی یہ دعا: نہ چلے تیغ حلق پر
جب تک مرا، بتولؑ کی گودی میں سر نہ ہو

کہتے تھے اپنے حالِ پریشاں پہ اہلِ بیتؑ:
پردیس میں حقیر، کوئی اِس قدر نہ ہو

سر پیٹنے کی جا ہے کہ کہتے تھے اہلِ ظلم:
لاشے پہ شاہِؑ دیں کے، کوئی نوحہ گر نہ ہو

آنکھوں سے اب تُو چل! درِ سرورؑ پہ اے دبیرؔ!
ابتر جوارِ ہند میں، مثلِ نظر نہ ہو

راہ گیر: مسافر/ضرر: نقصان/ابتر: خراب، بدحال

۹

سلام

اے سلامی! دلِ شبیرؑ میں ہے گھر میرا
خلد مسکن ہے مرا، حصّہ ہے کوثر میرا

شہؑ کو اک رات کی مہلت جو ملی، بولا شمر:
تم پہ احساں ہے یہ، اے سبطِ پیمبرؐ! میرا

جاؤ! اس شب کو عزیزوں کے گلے سے مل لو!
کل گلا آپ کا ہے اور یہ خنجر میرا

شاہؑ کہتے تھے کہ کیا تیر عدو نے مارا
کہ نہ اک بار بھی تڑپا علی اصغرؑ میرا

شمر سے بولی سکینہؑ کہ طمانچے نہ لگا
پھوپھی زینبؑ سے اُتروا لے تُو گوہر میرا

ہاتھ بندھوا کے رسن میں، یہ کہا کبراؑ نے:
کیوں فلک؟ تھا یہی کیا بیاہ کا زیور میرا

لبِ دریا پہ لرز جاتی تھی عباسؑ کی لاش
رو کے شہؑ کہتے تھے جب: ہائے! برادر میرا!

شمر کہتا تھا کہ یہ خشک تھا حلقومِ حسینؑ
ذبح کے وقت جو رُک رُک گیا خنجر میرا

قطعہ

دخترِ ہند سے کہتی تھی سکینہؑ رو کر:
اے بہن! ڈھانک نہ چادر سے ابھی سر میرا

کفن اصغرؑ کو میں پہنا کے رِدا اُوڑھوں گی
بے کفن ہے ابھی، شش ماہہ برادر میرا

شمر سینے پہ چڑھا شاہؑ کے یہ کہتا ہوا:
کب سے اس حلق کا مشتاق تھا خنجر میرا

شہؑ نے لاشوں کو دِکھا کر یہ کہا قاصد سے:
میں حسینؑ ابنِ علی ہوں یہ ہے لشکر میرا

بانوؑ کہتی تھی کہ ساتھ ان کے مجھے دفن کرو
لوگو! تربت میں ڈرے گا علی اصغرؑ میرا

شاہؑ کہتے تھے: نہیں بخت میں آبِ دریا
آج کا روزہ کھلے گا لبِ کوثر میرا

کہتی تھی فاطمہؑ: یہ ظلم نیا ہے یا ربّ!
ذبح ہوتا ہے مری گود میں دلبر میرا

شاہؑ کہتے تھے کہ بخشش ہو گنہ گاروں کی
خوں بہا ہے یہی، یا ربّ! دمِ محشر میرا

گوہر: موتی۔ رجنت: قسمت۔ خوں بہا: قصاص

۱۰

سلام

نانا نے جس کے مجرئی شق القمر کیا
مثلِ قمر اُسے شفقِ خوں میں تر کیا

ہمراہ شہؑ کے مجرئی جس نے سفر کیا
گھر تو چھٹا پہ فاطمہؑ کے دل میں گھر کیا

قتلِ حسینؑ کی جو خبر نامہ بر نے دی
صغرا کو اس خبر نے بہت بے خبر کیا

کس دل میں الفت پسرِ مرتضیٰ نہیں
گھر کو لٹا کے شہؑ نے ہر اک دل میں گھر کیا

کہتا تھا شمر میرے کلیجے کو دیکھنا
میں نے بزیرِ تیغ نبیؐ کا جگر کیا

یہ ظلم کیا ہے ظلم تو یہ ہے کہ خیمے میں
مشکل کشا کی بیٹیوں کو ننگے سر کیا

مارا طمانچہ کان کو چیرا گہر لیا
بے رحم نے سکینہؑ پہ ظلم اس قدر کیا

برسے جو ابر لاکھ برس اب حصول کیا
اس نے لبِ حسینؑ تو رن میں نہ تر کیا

وقتِ زوال آتے ہی بس آ گیا زوال
تاراج باغِ فاطمہؑ کا دوپہر کیا

پنجاہ و پنج سال سکینہؑ تری حیات
پر زندگی کو باپ کے غم بسر کیا

گر پوچھتا تھا کوئی کہ کیا سن تھا آپ کا
برباد جب لعینوں نے زہراؑ کا گھر کیا

کہتی تھی رو کے وہ کہ مجھے خوب یاد ہے
جو تھا برس تھا جبکہ مجھے بے پدر کیا

پردیس میں فلک نے پیمبرؐ کی آلؑ کو
قیدی کیا اسیر کیا در بدر کیا

بیمار کے قدم پہ ورم تھا فلک بتا
زین العبا نے شام کا کیونکر سفر کیا

سیّد تھا بے گناہ تھا مظلوم تھا حسینؑ
امت نے اس کے خوں سے نہ مطلق حذر کیا

باچھوں میں دودھ گلے میں، جھنڈاے بال
اصغرؑ نے یوں بہشت بریں کا سفر کیا

باندھا رسن سے بازوئے زینبؑ کو شمر نے
کچھ آہ فاطمہؑ کا نہ ظالم نے ڈر کیا

اکبرؑ کے بعد کہتے تھے کفّار سے حسینؑ
دیکھو تو تم نے مجھ پہ ستم کس قدر کیا

فرزند کس کا مارا تھا میں نے جو تم نے آہ
اٹھارہ سال کا مرا ٹکڑے پسر کیا

مدت سے آرزو ہے پر افسوس اے دبیر
اب تک نہ ہم نے شاہؑ کے در پر گزر کیا

زندان شام میں حرم شہؑ نے اے دبیر
نوحہ غم حسینؑ سے شام و سحر کیا

۱۱

سلام

اے مُجرئی! تُو حر کے مقدّر کو دیکھنا
سر اس کا، اور زانوے سرورؑ کو دیکھنا

مُجرائی! بوسہ گاہِ پیمبرؐ کو دیکھنا
اور شمرِ بد خصال کے خنجر کو دیکھنا

مُجرائی! ظلمِ چرخِ ستم گر کو دیکھنا
بلوئے کو اور آلِ پیمبرؐ کو دیکھنا

کہتا تھا شمر روتا ہوں، آتا ہے جبکہ یاد
وہ بے کسی سے، شاہؑ کا خنجر کو دیکھنا

شہؑ بولے: شوقِ مرگ ہے، سنِ شباب میں
اِس آرزو کو، اور علی اکبرؑ کو دیکھنا

دو کام تھے مدینے میں، صغراؑ کی چشم میں
یا رونا شہؑ کی یاد میں، مادر کو دیکھنا

قطعہ

کہتی تھی بانو شہؑ سے، جب اکبرؑ تھے شیر خوار:
کیا پیاری شکل ہے، مرے دلبر کو دیکھنا

فرماتے تھے حسینؑ کہ ہو گے بہارِ عمر
اٹھارویں برس علی اکبرؑ کو دیکھنا

عباسؑ نامور کو علَم دے کے بولے شاہؑ
اے دوستو! حسینؑ کے جعفر کو دیکھنا

گہ شام و کوفہ میں، تو گہے ملکِ شام میں
آوارگیِ آلِ پیمبرؐ کو دیکھنا

صغراؑ سے بولے شہؑ کہ ہمیں صبر کیجیو
جنبش میں جب ضریحِ پیغمبر کو دیکھنا

کہتی تھی بانو: گنجِ شہیداں میں سوتے ہیں
اے لوگو! ہمتِ علی اصغرؑ کو دیکھنا

زینبؑ پکاری: شیرِؑ خدا کی میں جائی ہوں
اے شمر! چشمِ بد سے نہ چادر کو دیکھنا

لاشیں دکھا کے کہتے تھے زہراؑ سے جبرئیلؑ:
کیسا لُٹا ہے، گلشنِ حیدر کو دیکھنا

برچھی ہے اِس کے سینے میں، اُس کے گلے میں تیر
اکبرؑ کو دیکھنا، علی اصغرؑ کو دیکھنا

سیراب اہلِ کوفہ، نبی زادہ تشنہ لب
برگشتگیِ چشمِ ستم گر کو دیکھنا

فرماتے تھے حسینؑ کہ کیا کیا جوان ہیں
زینبؑ! قلیل سے مرے لشکر کو دیکھنا

سیرِ بہشت جانیو تُو اُس کو، اے دبیرؔ!
گر شاہؑ کی ضریحِ منوّر کو دیکھنا

۱۲

سلام

سلامی خاک ہوا، خاک سے غبار ہوا
ابوترابؑ کی تُربت پہ یوں نثار ہوا

ہجومِ غم میں، سلامی! جو اشک بار ہوا
ہر ایک تارِ مژہ، موتیوں کا ہار ہوا

سلام اُس پہ، رہِ حق میں جو نثار ہوا
جدا بدن سے ہوا سر، تو وصلِ یار ہوا

قطعہ

پدر کو خواب میں، صغراؑ نے اس طرح دیکھا
کمر خمیدہ بدن ہے نحیف و زار ہوا

پکاری کب سے جھکی ہے کمر، تو رو کے کہا
شہید جب سے کہ عباسِؑ نامدار، ہوا

گلے میں باپ کے، باہیں تھیں لاشِ اصغرؑ کی
خزاں ہوا جو وہ گل، تو گلے کا ہار ہوا

حسینؑ جب ہوئے پیدا تو یہ ندا آئی
کہ تھا جو پردۂ قدرت میں، آشکار ہوا

بلند کیوں نہ ہوا آفتابِ محشر، آہ!
علیؑ کے لال کا، نیزے پہ سر سوار ہوا

کھلے ہیں دیدۂ صغریٰؑ ہنوز، بہر حسینؑ
مزار میں بھی نہ موقوف انتظار ہوا

سرِ حسینؑ نے کٹ کر کہا یہ قاتل سے
میں رستگار ہوا، تو گنہ گار ہوا

گئی جو کوفے میں سر ننگے، دخترِ زہراؑ
نجف میں، مرقدِ حیدر کو اضطرار ہوا

بتولؑ، سینہ و سر اپنا پیٹتی نکلی
لعیں جو سینہ شبیرؑ پر سوار ہوا

گلا بندھا جو رسن میں، تو خوش ہوئے عابدؑ
کہ حق کے شیر کا میں آج ورثہ دار ہوا

یہ بھوک پیاس کی مرغوب سیّدالشہداؑ
کہ چھے مہینے کا سن تھا، جو روزہ دار ہوا

ہوئی نہ شمع میسر، جو شہؑ کی تُربت کو
تو داغِ دل، چراغِ سرِ مزار ہوا

کٹا کے ہاتھ لب نہر، کہتے تھے عباسؑ
الٰہی! شکر! میں دریائے غم سے پار ہوا

قطعہ

یہ پوچھا حضرت ام البنینؑ نے قاصد سے
مرے پسر کا بتا، کیا مآل کار ہوا

وہ بولا سجدۂ شکرِ خدا کر! اے بی بی
سرِ حسینؑ پہ، بیٹا ترا نثار ہوا

دبیرؔ! سبطِ رسولؐ خدا کے صدقے سے
ترا سلام یہ، نایابِ روزگار ہوا

۱۳

سلام

ہوئے جو مُجرئی! سلطانِ بحر و بر پیدا
کہا فلک نے زمیں کا ہوا قمر پیدا

سلامی! اشک میں، ہے تابشِ گہر پیدا
یہ رفتہ رفتہ، کیا چشم نے اثر پیدا

چھپا زمین میں، ہے ہے! مہِ بنی ہاشم
فلک پہ کس لیے ہوتا ہے اَب، قمر پیدا

دعاے فاطمہؑ تھی یہ، شبِ شہادت کو
الٰہی! حشر تلک، ہو نہ اب سحر پیدا

حسینؑ کہتے تھے سب راہِ حق میں کٹوا دوں
برنگِ شمع جو کٹ کے ہوئیں سر پیدا

لگا جو سینۂ اکبرؑ میں نیزہ، شہؑ بولے
ہوا تھا واسطے برچھی کے، یہ جگر، پیدا

ہوا جو شہؑ کے قریں، قہرِ حق سے دور ہوا
تمام ہو گئے فطرس اس کے بال و پر پیدا

بنا بنائے لحد شہؑ کی پیٹتی تھی بتولؑ
صدائے نوحہ رہی رن میں، رات بھر پیدا

قطعہ

کہا یہ شہؑ نے لعینوں سے ہے خدا قادر
کیا ہے حضرتِ عیسیٰؑ کو، بے پدر پیدا

اسی کی دی ہوئی قدرت پہ ہے کہوں تو ہو
زمینِ خشک سے کوثر و چشمِ تر پیدا

شہید ہو پسرِ نوجوان جب، شہؑ کا
خمیدگی نہ کرے کس طرح، کمر پیدا

دکھا کے نیزے کے پھل، شہؑ نے یہ نبیؐ سے کہا
ہوئے ہیں نخلِ جوانی میں، کیا ثمر پیدا

چمن کو آب، جو اشکِ غمِ حسینؑ سے دو
سوائے لختِ جگر، ہوں نہ پھر ثمر پیدا

حسینؑ امام سا بے کس، ازل سے آج تلک
ہوا ہے کوئی، نہ ہو گا کوئی بشر پیدا

ہوا جو خاتمۂ پنجتنؑ مَلک بولے
الٰہی! آج ہی دنیا میں کر حشر پیدا

رکھی جو گردن عابدؑ پہ تیغ ظالم نے
تو سامنے سے ہوئے سیّدالبشر پیدا

کہا: نہ کاٹ گلا! جانشینِ احمدؐ کا
مقام اپنا جہنم میں تو نہ کر پیدا

پدر کی لاش پہ سجادؑ یاں تلک پیٹے
ہوا، بخار میں بے کس کو، دردِ سر پیدا

شبِ شہادتِ، شبیرؑ کا نہ منہ دیکھا
ہوئے فلک پہ ستارے، نہ رات بھر پیدا

سرِ بتولؑ ہے اب تک کھلا، غم شہؑ سے
نہ کیوں فلک پہ ہو، خورشید ننگے سر پیدا

سرِ حسینؑ سے سجادؑ نے کہا، رو رو:
کیا ہے راہ کی ایذا نے دردِ سر پیدا

کبھی رسن میں، کبھی طوق میں، کبھی تپ میں
ہوا ہے بندہ اسی واسطے مگر پیدا

جو دیکھتا قدِ اکبرؑ، وہ یہ بیاں کرتا
نشانِ صنعِ الٰہی ہیں سر بسر پیدا

شکستہ، گوہرِ دندانِ مصطفیٰؐ، جو ہوا
تو سوزِ غم سے ہوئے سنگ میں شرر پیدا

سکینہؑ کہتی تھی: بابا کا خوں بہا مانگوں
اگر جہاں میں ہو کوئی دادگر پیدا

عجب نہیں ہے، اگر شہؑ کے سوزِ غم سے، دبیرؔ
مرے مزار سے، جوں سبزہ، ہوں شرر پیدا

۱۴

سلام

دل پہ میرے زخم ہے، مجرائی! اُس تلوار کا
جس سے سر زخمی ہوا ہے حیدرِؑ کرّار کا

اے سلامی! دیکھ رتبہ حیدرِؑ کرار کا
ہاتھ ہے غفار کا ، سر احمدِؐ مختار کا

نحس ۔ ماہِ مبارک میں، کیا خون علیؑ
مٹ گیا نام و نشاں، سادات کی سرکار کا

عید سے نو روز پہلے، شیعوں کو محزوں کیا
ظلم تازہ دیکھو، ابنِ ملجم خوں خوار کا

بے ادب نے عین سجدے میں، حضورِ ذوالجلال
خون مسجد میں بہایا، قبلۂ ابرار کا

مومنوں کے سر سے اُٹھتے ہیں، امیرِ مومناں
سر کھلا ہے سوگ میں ہر شیعۂ دیں دار کا

دستِ ماتم سے نہ کیوں شیعوں کے ہوں، سینے فگار
ہو گیا بازو شکستہ، احمدِؐ مختار کا

ہائے حیدرؑ کہہ کے، سینے پیٹتے ہیں حیدری
نعرہ یہ گھر گھر ہے، احمدؐ کے علم بردار کا

بدلے آبِ تیغ کے، جلاّد کو شربت دیا
وقت جب دیکھا سخی نے، روزے کے افطار کا

وا علیاؑ! وا علیاؑ! وا علیاؑ! وا علیؑ!
آج کل یہ ورد ہے، زہرہؑ جگر افگار کا

خون سر سے، ریش اس کی، روسیہ نے سرخ کی
جس کا نقشِ پا تھا، طرّہ عرش کی دستار کا

قطعہ

ہے روایت جب کہ مسجد سے علیؑ کو لے چلے
تھا درِ دولت پہ مجمع عترتِ اطہار کا

آ کے رستے میں، کہا حیدرؑ سے یہ جبریلؑ نے
ہل رہا ہے عرشِ اعظم، حضرتِ غفار کا

ننگے سر روتی ہیں در پر دخترانِ فاطمہؑ
سنتے ہیں رہ گیر، نالہ، زینبؑ ناچار کا

سن کے یہ بولے علیؑ: ہاں! جلد جاؤ! اے حسنؑ!
واسطہ دو سب کو، روحِ احمدِؐ مختار کا

ایک دن تھا یہ ادب، اور ایک دن تھا یہ غضب!
پھرتا تھا بلوے میں کنبہ، حیدرِ کرار کا

اُونٹ پر سر ننگے زینبؑ، اَور سناں پر شہؑ کا سر
طوق آہن میں گلا تھا، عابدِؑ بیمار کا

گردشِ مہ آسماں سے، کیا شش و پنج، اے دبیرؔ!
ہے دو عالم میں وسیلہ، ہم کو ہشت و چار کا

۱۵

سلام

مُجرئی! کیا حوصلہ تھا اصغرؑ بے شِیر کا
ہنس دیا، جب حلق پر ناوک لگا بے پِیر کا

دیکھ کر لب خشک، ہر دَم غنچۂ تصویر کا
یاد آتا ہے سلامی کو، گلا شبیرؑ کا

گر لکھوں حال، اے سلامی! طاعتِ شبیرؑ کا
ہو صریرِ خامہ سے نعرہ عیاں، تکبیر کا

ہائے! اصغرؑ کا گلا اور تیرِ ظالم، اے فلک!
پاے زین العابدینؑ اور سلسلہ زنجیر کا

شاہؑ کہتے تھے نہیں پانی کے ملنے کا اَلَم
اب تلک منہ میں مزہ ہے، فاطمہؑ کے شِیر کا

کہتے تھے عابدؑ جو سِکھلاؤں اسے اندازِ صبر
نالہ، حلقے سے نہ باہر ہو کبھی، زنجیر کا

عرشِ حق ہلنے لگا جس دم، تو بولے جبرئیلؑ
یہ اثر ہے فاطمہؑ کی آہِ پُر تاثیر کا

پھول اُس جا پر کہاں ہے، جُز گلِ زخمِ بدن
قبر پر اصغرؑ کے، شہؑ نے رکھ دیا، پھل تیر کا

گہ نظر تھی سوئے خیمہ، گہ سوئے محرابِ تیغ
ہر طرح سوئے حرم ہی، منھ رہا شبیرؑ کا

قطعہ

شہؑ نے قاصد سے کہا کہہ دیجیو صغراؑ سے تُو
کٹ گیا پیاسا گلا، میدان میں شبیرؑ کا

رکھیو میرے نام پر! اے بیٹی! پانی کی سبیل
نام پر اصغرؑ کے، پلوانا تُو، کوزہ شِیر کا

شِمر نے پوچھا کہ کیوں، لب آپ کے جنبش میں ہیں
شہؑ نے فرمایا: مزا لیتا ہوں میں، شمشیر کا

ہونٹ اصغرؑ کے ہلے، کھا تیر، تو شہؑ نے کہا
کیا تم، اے پیارے! مزہ لیتے ہو آبِ تیر کا

سر جھکا کر زیرِ خنجر، بولے شہؑ، پڑھتے نماز
ہے کھڑا بالیں پہ قاتل، وقت ہے تکبیر کا

ہو گیا جب، کربلا میں پنجتنؑ کا خاتمہ
سر کھلا بلوے کے اندر، صاحبِ تطہیرؑ کا

کودکانِ مومنیں رونے لگے، فردوس میں
دیکھ کر حلقوم میں اصغرؑ کے، روزن تیر کا

اپنا رتبہ آپ کرتے ہیں بیاں، سبطِ نبیؐ
مصحفِ ناطق نہیں محتاج ہے، تفسیر کا

ذبح جب شبیرؑ ہوتے تھے، تو کہتے تھے علیؑ
حلق یوں پیاسا نہیں کٹتا، کسی نخچیر کا

کیا شجاعت ہے، کٹا جب دستِ عباسِؑ علی
ہاتھ میں غازی کے تب بھی، حلقہ تھا شمشیر کا

ہو گئے، میدان میں مذبوح، شاہؑ دو جہاں
بعد ان کے ہے یہ رتبہ، عابدؑ دل گیر کا

ہتھکڑی کو یہ تمنا ہے، کہ بیعت کیجیے
ہوجیے پابوس، یہ ارمان ہے زنجیر کا

پڑھ کے خط صغراؑ کا، قاصد سے یہ سرورؑ نے کہا:
کہیو اس سے تھا یہی لکھا ہوا، تقدیر کا

کیا تعجب ہے، غمِ شبیرؑ میں، بہرِ فغاں
لب اگر ہو جائے گویا، بُلبلِ تصویر کا

یاد آتے تھے شہیدوں کو، جب اپنے نونہال
دم بہ دم منہ چومتے تھے، اصغرؑ بے شِیر کا

کہتے تھے زندان میں عابدؑ یہ کیا بے داد ہے
شور سنتا ہے سرانے کوئی، غُلِ زنجیر کا

دخترِ زہراؑ کی چادر، شمر نے جب چھین لی
کانپ اُٹھا رَن میں لاشہ، حضرتِ شبیرؑ کا

دیکھ کر سجادؑ کے بازو بندھے، بولا یزید
اے امیرو! ہے یہ پوتا، شاہِ خیبرؑ گیر کا

لاشِ شہؑ کہتی تھی پانی تو پلانا وقتِ ذبح
ہے مری گردن پہ احساں، خنجرِ بے پیر کا

سینۂ اکبرؑ پہ جب نیزہ لگا، بولے حسینؑ:
سچ ہے یہ، مٹتا نہیں لکھا ہوا تقدیر کا

قبر میں روئے بہت، مشکل کشا، سر پیٹ کر
جب بندھا رسی سے بازو، زینبؑ دل گیر کا

حرفِ اشک آلودہ خط پڑھ پڑھ کے سرورؑ نے کہا:
کہیو اس سے: تھا یہی لکھا ہوا، تقدیر کا

حُر سے پوچھا شاہؑ نے: کس بات کا طالب ہے تُو؟
عرض کی اُس نے کہ شاہا! خُلد کی جاگیر کا

کم تھا کیا بارِ یتیمی، جو مِلا عابدؑ کو، آہ!
طوق کا گردن کو بوجھ اور پاؤں کو زنجیر کا

آرزو ہے، خاکِ قبرِ شاہؑ آنکھوں سے مَلوں
اے دبیرِؔ خستہ! میں طالب نہیں اکسیر کا

۱٦

سلام

جو کہ قربانِ مزارِ علی اکبرؑ ہو گا
مُجرئی! اُس کو. ثوابِ حجِ اکبر ہو گا

جب عیاں سیّدِ مظلوم کا لشکر ہو گا
مجرئی غرق نہ خوں، دامنِ محشر ہو گا

نوجواں قتل جو، اے مجرئی! اکبرؑ ہو گا
خُلد میں چاک گریبانِ پیمبرؐ ہو گا

بانوؑ، اکبرؑ کے لڑکپن میں بلائیں لے کر
کہتی تھی: نامِ خدا! خوب یہ دلبر ہو گا

شاہؑ کہتے تھے: نہ دل اس سے لگاؤ! بانو!
قتل اٹھارویں سال، آپ کا دلبر ہو گا

بولی صغرئؑ کہ میرے دیکھنے کی حسرت میں
دم تو اٹکا مرے بابا کا، مکرّر، ہو گا

شہؑ نے اَعدا سے کہا، لاشۂ اصغرؑ کو دکھا:
کہو! دو گز کفن، اس کو میسر ہو گا

بانو کہتی تھی لحد میں، مرے ہونٹوں پہ
علی اکبرؑ، علی اکبرؑ، علی اکبرؑ ہو گا

قبرِ عباسؑ پہ کہتی ہے سدا، روحِ حسینؑ
ایسا کوئی نہ، وفادار برادر ہو گا

بالے پن میں جو ہوئی رانڈ دُلھن قاسم کی
بانو کہتی تھی کہ جینا ترا کیوں کر ہو گا

شہ نے زینبؑ سے کہا تم نہ کہیں جی کھونا
سر مرا، آپ کے اشتر کے برابر ہو گا

فاقے دو دن کیے، چوبیس پہر پیاسے رہے
بے کسی میں، نہ کوئی شہؑ کے برابر ہو گا

شہؑ نے فرمایا نہ رکھ تو میرے سینے پہ قدم
دیکھ! بدنام، تُو اے شمرِ ستم گر ہو گا

خلق میں ہو گا عیاں، ظلم ترا، صبر مرا
نہ تو ہم ہوں گے، نہ تُو ہو گا، نہ خنجر ہو گا

شاہؑ کہتے تھے کہ وہ بے سروسامان ہوں میں
دفن لاشہ بھی مرا، خاک میں، بے سر ہو گا

عشرۂ ماہِ محرّم کو، یہ آتی تھی صدا
آج ویران، پیمبرؐ کا بھرا گھر، ہو گا

موت کہتی تھی نظر کر کے رخ اکبرؑ پر
صاد اس رخ پہ، شہادت کا، مقرر ہو گا

شہ نے اعدا سے کہا قتل نہ اکبرؑ کو! کرو
پھر نہ ایسا کوئی، ہم شکلِ پیمبرؐ ہو گا

شہؑ نے زینبؑ سے کہا فاتحہ دینا میرا
کہا زینبؑ نے کہ پانی جو میسر ہو گا

اس لیے گورِ غریباں پہ نہ روئی بانوؑ
کہ خفا، سُن کے صدا رونے کی، اکبرؑ ہو گا

شاہؑ کہتے تھے نہ کر ذبح تُو، مجھ پیاسے کو
ارے ظالم! ترا خنجر بھی، نہیں تر ہو گا

شہدا کہتے تھے زنداں میں ہے سجّادِ حزیں
اب کفن، دیکھیے کب ہم کو میسّر ہو گا

خوف کر تشنگیِ حشر کا، ہرگز نہ، دبیرؔ!
کہ سخی ابنِ سخی، مالکِ کوثر ہو گا

۱۷

سلام

شہؑ سے، مجرائی! ہوا جب کہ علمدارؑ جدا
وہ جدا رونے لگا، سیّدِ اَبرار جدا

یاد کر درد کو صغراؑ کے، یہ عابدؑ نے کہا:
حیف ہے! ہو گیا، بیمار سے بیمار، جدا

لاش اس طرح سے قاسمؑ کی، پڑی تھی رن میں
تن جدا سر سے تھا اور سرسے تنِ زار جدا

کٹ گئے دستِ حنابستہ، جو اس دولھا کے
ہاتھ سے تو بھی، نہ اس کے ہوئی، تلوار جدا

قتل جب قاسمؑ و عباسؑ ہوئے میداں میں
مجتبیٰؑ روئے جدا، جعفرؑ طیار جدا

شاہؑ فرماتے تھے، رو رو کے، غم اکبرؑ میں
چشمِ خوں بار جدا ہے، جگر افگار جدا

لے چلے شہؑ، علی اصغرؑ کو تو بانوؑ نے کہا
اس کو تم کیجیو، سینے سے نہ زنہار، جدا

شکر کرتے تھے، لبِ زخم سے، ہر دم سرورؑ
زخم سے ہوتی تھی جس وقت کہ، تلوار جدا

توام اس طرح سے، غم شادی قاسمؑ میں رہا
گل سے، جس طرح سے ہوتا ہے نہیں، خار جدا

ہو کے شمشیر بکف، عونؑ و محمدؑ نے کہا
مل کے ہم دونوں، کریں گے سرِ کفار جدا

مرکبِ شاہؑ جو گھرتا تھا صفِ اعدا میں
جست جب کرتا تھا، ہو جاتا تھا ہر بار جدا

رنگ فق ہو گیا، شبیرؑ کے چہرے کا وہیں
جس گھڑی ہونے لگا، اکبرؑ دلدار جدا

شہؑ نے فرمایا: قیامت میں ملیں گے تُم سے
اب جو ہم ہوتے ہیں، اے فاطمہؑ بیمار! جدا

کہا زینبؑ نے یہ: کیا کینہ وری ہے، اے چرخ!
کردیا مجھ کو عزیزوں سے، جو اک بار، جدا

لاش پر شیر علمدارؑ کے، روتے تھے کھڑے
مصطفیٰؐ غم سے جدا حیدرِؑ کرار جدا

قطعہ

جب نہ آیا کوئی لینے تو، صغراؑ نے کہا
کیسی ساعت سے، ہوئے تھے مرے غم خوار، جدا

ہجر میں ان کے، میری زندگی ہووے کیوں کر
ہوں میں بیمار جدا، طالبِ دیدار جدا

شہؑ نے فرمایا کہ وہ، آنکھوں کے آگے ہوئے قتل
ایک دَم، مجھ سے نہ ہوتے تھے، جو غم خوار جدا

شہؑ کا ہاتھ آئے اگر تیرے درِ پاک دبیرؔ!
اس سے، تا زیست، نہ تُو ہو یو، زنہار جدا

maablib.org

۱۸

سلام

مُجرائی! جبکہ خاتمۂ پنجتنؑ ہُوا
تڑپی بتولؑ ایسی کہ ٹکڑے کفن ہُوا

محشر میں مُجرئی کو، نہ رنج و محن ہُوا
بہرِ نجات، داغِ غمِ پنجتنؑ ہُوا

روزِ ازل، ثوابِ شہادت تھا جس قدر
تقسیم درمیانِ حسینؑ و حسنؑ ہُوا

گردن پہ تیغ، سینے پہ قاتل، زباں پہ شکر
کس شان سے شہید، امامِ زمنؑ ہُوا

گرمی کی فصل، اور پسر چھوٹے چھوٹے ساتھ
کس وقت میں حسینؑ، غریب الوطن ہُوا

چہلم کو، آ کے رَن میں، یہ کہتی تھی فاطمہؑ
اب تک حسینؑ کو، نہ میسّر کفن ہُوا

پانی کا قحط، پیاس کی شدّت، بدن پہ زخم
کیا کیا، حسینؑ امام پہ، رنج و محن ہُوا

دم ایک سے رُکا تو گلا ایک سے چھلا
سجادؑ پر یہ صدمۂ طوق و رَسَن ہُوا

ہر عشرے کو، یہ کہتے تھے عابدؑ، دمِ زوال
یہ وقت تھا، جو خاتمۂ پنجتنؑ ہُوا

سیّد غریب، بے کس و مظلوم، بے دیار
کیا کیا خطاب، سبطِ رسولِؐ زمن ہُوا

قربان اُن شہیدوں کی غربت پہ جن کو، آہ!
کافور خاک دامنِ صحرا کفن ہُوا

وہ بولا مہر بخشو! یہ بولی بجل کیا!
قاسمؑ میں اور دُلھن میں، فقط یہ سخن ہُوا

رہتے تھے پاؤں مُہرِ نبوت پہ، جس کے، آہ!
گھوڑوں سے پائمال، اسی کا بدن ہوا

اٹھارہ سال کا پسر نوجواں اُٹھا
برگشتہ، کیا، حسینؑ سے چرخِ کہن ہُوا

بجز فاطمہؑ، نہ تھا کوئی، لاشِ حسینؑ پر
بے کس ہوا، نہ ایسا کوئی بے وطن ہُوا

کنگنا بندھا تھا ہاتھ میں کبرٰیؑ کے، جس جگہ
شادی کی صبح کو وہ مقامِ رَسن ہوا

کس ظلم سے کیا تھا قلم، باغیوں نے، آہ!
سر سبز، پھر نہ، شیرِؑ خدا کا چمن ہُوا

جس کا لباس حلّہٗ جنت تھا، بارہا
قدرت خدا کی دفن وہی بے کفن ہُوا

جنبش جو کربلا کو ہوئی، بولے اہلِ بیتؑ
کہ اے زمیں! خاتمہٗ پنجتنؑ ہُوا

اُس روز سے حرام ہے، شمشاد پہ خرام
جب سے فتادہ، سروِ رسول زمن، ہُوا

اہلِ وطن سے کہتے تھے عابدؑ، ہزار حیف!
تم سے میرے پدر کا، نہ غسل و کفن ہُوا

خالِ رُخِ حسینؑ سے، نسبت کہاں اسے
خوشبو ہزار، نافہٗ مشکِ ختن، ہُوا

کیا قہر ہے کہ شمر یہ کہتا تھا فخریہ
خنجر سے میرے، خاتمہٗ پنجتنؑ ہُوا

اکبرؑ تھا، وقتِ مرگ، یہ پیاسا کہ باپ سے
پانی ہی مانگا، بند نہ جب تک، دَہن ہُوا

نازک گلا، رسن میں، سکینہؑ کا، جب بندھا
آکر گلے پہ شیرِؑ خدا، بوسہ زن ہُوا

پانی پلا کے پیاسوں کو، کہتے تھے اہلِ بیتؑ
ہے اس کی نذر، قتل جو، تشنہ دَہن ہُوا

گھبرا کے، قید خانے میں، کہتے تھے اہلِ بیتؑ
افسوس! آج زندہ نہ، خیبر شکن ہُوا

بھائی کے قتل ہوتے ہی، زینبؑ ہوئی اسیر
سوئم ہوا، نہ چہلمِ شاہِ زمنؑ ہُوا

سجادؑ بولے: کاش! نکل جائے رُک کے دم
ایسا نہ تنگ، حلقۂ طوق و رسن ہُوا

اب، اے دبیرؔ! ایک سلام اور نظم کر
تیرا سخن قبولِ امامِ زمنؑ ہوا

۱۹

سلام

مُجرائی! زیرِ خاک نہ رنج و محن ہُوا
شمعِ رہِ بہشت، غمِ پنجتنؑ ہُوا

تسبیحِ خاکِ پاک جو ہو سرخ، کیا عجب
آلودہ اس میں خونِ امامِ زمنؑ ہُوا

سر رِ نخلِ بخششِ اُمّت ہوا تب ایک
جب خشک سب رسولؐ خدا کا چمن ہُوا

اکبرؑ کی لاش لائے تو اصغرؑ کو لے چلے
حضرت پہ دُکھ پہ دکھ تو محن پر محن ہُوا

کیوں شش جہت، نہ ہوگئی نابود، اُس گھڑی
جب دوپہر کو خاتمۂ پنجتنؑ ہُوا

دنیا میں، کیوں نہ لعل و زمرد کی قدر ہو
ہے سبز و سرخ، رنگِ حسینؑ و حسنؑ ہُوا

آلودہ زہر میں تھی، وہ شمشیر، مومنو!
جس سے شگافتہ، سرِ خیبر شکن، ہُوا

قطعہ

وارث پدر کے، ارث کے دونوں پسر، ہوئے
بے جان جب وصیِ رسولِؐ زمن ہُوا

حصّے میں دی وہ تیغ، ازل نے، حسینؑ کو
باقی رہا جو زہر، نصیبِ حسنؑ ہُوا

ظاہر میں زیرِ تیغ کٹا، اِک سرِ حسینؑ
گویا ادا، حسینؑ سے قرضِ حسن، ہُوا

مارا غزالِ چمنِ امامت کو بے خطا
پر خوں، اس سے نافۂ مشکِ ختن، ہُوا

قاسمؑ نثار ہو کے یہ کہتا تھا یا حسینؑ!
گویا اُدا غلام سے، قرضِ حسن ہُوا

اکبرؑ کو پھل نہ، باغِ جوانی کا، کچھ ملا
اِس غم سے میوہ دار، نہ سَرو و چمن ہُوا

آ کر دُلھن نے سوگ بڑھایا، مزار پر
مدفون، زیرِ خاک جب ابنِ حسنؑ، ہُوا

اصغرؑ کے بھی گلے میں، شلوکا تھا، وقتِ دفن
نایاب، اے فلک! یہ جہاں سے، کفن ہوا

آب و طعام بند رہا، گو کہ تین دن
پُر بند، شکرِ حق سے، نہ شہؑ کا دہن ہوا

طِفلی میں ناگوار تھا، ہیکل کا جس کو بوجھ
زیور اُسی کا حلقۂ طوق و رسن ہوا

نفریں نہ کی بتولؑ نے اُمّت کو، گو کہ قتل
محسنؑ ہوا، حسینؑ ہوا، اور حسنؑ ہوا

لپٹے جو حُر سے شاہؑ، دمِ مرگ، بولا حُر
مجھ کو یہ پیار، مرہمِ زخمِ بدن، ہوا

کہتے تھے شاہؑ خشک ہو! اے نہرِ علقمہ!
پانی سے تیرے تَر، نہ ہمارا دہن ہوا

پانی پہ شہؑ کا فاتحہ، ہوتا ہے آج تک
ایسا نہیں جہان میں، تِشنہ دہن ہوا

شیرانِ دشت کہتے تھے مارا گیا حسینؑ
جس دم نجف میں شیرِ خدا، نعرہ زن ہوا

آلِ یزید پردے میں، بلوے میں اہلِ بیتؑ
کیا تجھ کو انقلاب یہ، چرخِ کہن ہُوا

جہاں بنایا تھا، مادر نے رات کو
واں روزِ عقد ماتمِ ابنِ حسنؑ ہُوا

چالیس سال، باپ کا، عابدؑ نے، غم کیا
گہ نوحہ گر ہوا، تو کبھی سینہ زن ہُوا

اب بادشاہِ عصر نے، چہلم کی کی بِنا
آقا کا وہ چلن تھا، یہ اِس کا چلن ہُوا

کیوں کر نہ ہو جہاں میں، رواجِ غمِ حسینؑ
شاہِ جہاں، محبتِ حسینؑ و حسنؑ ہُوا

ہم عمرِ خضرؑ ہووے علیؑ حیدر، اے دبیرؔ!
مقبولِ بارگاہِ خدا، یہ سخن ہُوا

۲۰

سلام

گو کہ، اے مُجرئی! وہ تشنہ دہن کتنے ہیں
پُر خوش، انصارِ شہنشاہِ زمن، کتنے ہیں

بھانجے فوج میں در آئے، تو بولے شبیرؑ
یہ جَری، نامِ خدا! دیکھو بہن! کتنے ہیں

سُرخ منہ دیکھ کے قاسمؑ کا، کہا مادر نے:
بعد مرنے کے خوش ابنِ حسنؑ کتنے ہیں

عید کا روز جو آیا تو کہا صغراؑ نے:
آج یاد آتے ہمیں، شاہِ زمن، کتنے ہیں

کہا زہراؑ نے: خزاں ہو گیا، اِک میرا ہی
ورنہ دنیا میں تو سر سبز، چمن کتنے ہیں

بانو زینبؑ سے یہ، زنداں میں بیاں کرتی تھی:
مجھ کو یاد آتے میرے غنچہ دہن، کتنے ہیں

در آنا = داخل ہونا

کہا عباسؑ نے: مشکیزہ کا حافظ اللہ!
مجھ اکیلے پہ، یہاں تیر فگن کتنے ہیں

کہا بانو نے: خدا خیر کرے اصغرؑ کی
شہِؑ دلگیر پہ اب، تیر فگن کتنے ہیں

آیا بشاش، بنا رن میں، تو یوں بولی قضا:
آپ خوش مرنے پہ، اے ابنِ حسنؑ، کتنے ہیں

شاہؑ کہتے تھے: بھلا دے گا غم اکبرؑ، سب
گو کہ سینے پہ میرے، داغِ کہن کتنے ہیں

آیا فردوس میں جب حُر، تو کہا زہراؑ نے
میرے پیارے! یہ کہو رنج و محن کتنے ہیں

کہا عابدؑ نے کہ بابا تو گئے جنّت کو
اور ہمیں یہاں، الم و طوق و رسن کتنے ہیں

کہا قاصد نے کہ پہچانی نہیں جاتی شکل
بولے شہؑ: ہم پہ ہوئے رنج و محن کتنے ہیں

یوں ملک کہتے تھے، ہر زخم پہ: ہے شُکرِ خدا
دیکھو! راضی برضا، شاہِؑ زمن، کتنے ہیں

اہلِ کیں کہتے تھے: اللہ رے حواس و جرات
متصل شاہؑ یہ ہفتاد و دوتن، کتنے ہیں

شاہؑ کہتے تھے: کب عہدہ بر آئی ہو گی
اُن کے نزدیک یہ ہفتاد و دو تن، کتنے ہیں

حُر سے مصعب نے کہا: عہدہ برآ ہوں کیوں کر
تیغ زن کتنے ہیں یاں، تیر فگن کتنے ہیں

کہا عابدؑ نے سرِ شہؑ سے، زباں دیکھ کے خشک
بابا صاحب میرے، اب تشنہ دہن کتنے ہیں

سُن کے یہ بات، سرِ شاہؑ نے عابدؑ سے کہا:
تم کہو اپنی، تمھیں رنجِ رسن کتنے ہیں؟

وار رد کرتے جو عباسؑ، تو کہتا تھا شمر:
یاد کیا جانے اُنھیں جنگ کے فن، کتنے ہیں

شاہؑ کہتے تھے: وفادار ہیں کیا، یاں کے لوگ
میرے جانے سے حزیں، اہلِ وطن کتنے ہیں

شہؑ نے زینبؑ سے کہا: نام پہ ہوتے ہیں فدا
مجھ پہ عاشق، تیرے فرزند، بہن! کتنے ہیں

ہفتادودو: بہتّر (۷۲) /عہدہ برآئی ہونا: کام تمام کرنا، جو سپرد کیا گیا ہو

لاشِ قاسمؑ سے صدا آئی، جو کبریٰؑ آئی
اب تلک مجھ کو ترے رنج دُلھن! کتنے ہیں

پڑھ اِسی طرح کا تو، ایک سلام اور دبیرؔ!
بیٹھے مشتاق یہاں، اہلِ سخن کتنے ہیں

جز ضمیرؔ، اور بھلا کون ہے، بتلا تو دبیرؔ!
ہاں! مگر کہنے کو، یوں اہلِ سخن کتنے ہیں

حُر جو آیا تو کہا اُس سے، علی اکبرؑ نے:
تیرے مشتاق، شہنشاہِ زمن، کتنے ہیں

۲۱

سلام

جو دل میں ولائے شہِ مرداں نہیں رکھتا
مجرائی! وہ گنجینۂ ایماں نہیں رکھتا

جو چشمِ غمِ شاہؑ میں گریاں نہیں رکھتا
مُجرائی! وہ کچھ مرہمِ عصیاں نہیں رکھتا

گر شکل ہی رونے کی بنے، خلد ہو واجب
یہ گریہ کسی شکل سے، نقصاں نہیں رکھتا

قطعہ

حضرتؑ نے کہا حر سے، کہ بھائی تجھے کیا دوں
دولت کوئی، جز گنجِ شہیداں، نہیں رکھتا

وہ بولا دعا دو، کہ رضامند ہوں زہراؑ
کچھ اور ہوس آپ کا مہماں، نہیں رکھتا

مسلم کے یتیموں نے کہا، کھا کے طمانچے
حارث! ہمیں دو دن بھی تُو مہماں نہیں رکھتا

سینے پہ نبی زادے کے اسوار ہوا شمر
یہ ظلم روا، کوئی مسلماں، نہیں رکھتا

زہراؑ نے کہا لاش سے مجرا کرو شبیرؑ
لاشے نے کہا ہاتھ میں، اماں! نہیں رکھتا

اکبر نے کہا، رکھ کے انگوٹھی کو دہن میں
ہے یہ تو وہ خاتم، کہ سلیماں نہیں رکھتا

جب ذبح ہوئے سجدے میں، دو روز کے پیاسے
شہؑ بولے کہ اب دل میں، کچھ ارماں نہیں رکھتا

صدقے رفقا ہوتے ہیں، شہؑ دیتے ہیں جنّت
گردن پہ سخی، ایک کا احسان نہیں رکھتا

عابدؑ نے کہا چاک کروں کیا، غم شہؑ میں
دامن نہیں رکھتا، میں گریباں نہیں رکھتا

حاکم جو ہنسا، رونے پہ زینبؑ کے، وہ بولی
ہے ہم کو یقیں یہ کہ تو ایماں نہیں رکھتا

رکھا ہے سر مصحف ناطق کو تہِ تخت
یوں بے ادبی سے کوئی، قرآں نہیں رکھتا

اِک روز وہ تھا، چادرِ تطہیر تھی مجھ پاس
اک دن یہ ہے، چادرِ سرِ عریاں نہیں رکھتا

کیا ہنستا ہے، زینبؑ کی تباہی پہ ستم گر!
اِنسان کے دن ایک سے، یزداں، نہیں رکھتا

گریاں رہے چالیس برس، عابدؑ بیمار
یوں سوگ پدر کا، کوئی انساں نہیں رکھتا

زینبؑ نے کہا شمر سے شہؑ کو تو کیا ذبح
گردن پہ مرے، خنجرِ برّاں نہیں رکھتا

عابدؑ نے کہا دفن کروں باپ کو کیوں کر
یہ غم مجھے ایسا ہے، کہ پایاں نہیں رکھتا

مرقد ہے نہ تابوت ہے، نہ گور و کفن ہے
ساماں کوئی، میں بے سرو ساماں، نہیں رکھتا

بانوؑ، غمِ اکبرؑ میں، یہ کہتی تھی تڑپ کر
یہ درد ہے وہ درد، کہ درماں نہیں رکھتا

عابدؑ نے کہا لختِ جگر کیا مرے کم ہیں
میں پھول، سرِ گورِ غریباں، نہیں رکھتا

جنت میں دبیرؔ، آپ کی خدمت میں ہو، یا شاہؑ!
بس اور تمنا، یہ ثنا خواں، نہیں رکھتا

۲۲

سلام

صغراؑ نے بھی، اے مُجرئی! غم کھائے ہیں کیا کیا
شبیرؑ وطن میں اُسے، یاد آئے ہیں کیا کیا

قاسم کی دُلھن کہتی تھی، رنڈسالا پہن کر:
قسمت نے تماشے مجھے دکھلائے ہیں کیا کیا

فارغ ہوئے سجّادؑ جونہی دفنِ پدر سے
آغوش میں لے قبر کو چلاّئے ہیں کیا کیا

کانٹوں پہ چلے، طوق پڑا، اونٹوں کو کھینچا
عابدؑ نے اسیری کے مزے پائے ہیں کیا کیا

قطعہ

زنداں میں سکینہؑ ہوئی بیدار تو بولی:
الطاف، پدر نے مجھے فرمائے ہیں کیا کیا

فرماتے تھے، دکھلا کے مجھے میوۂ جنّت:
سوغات ترے واسطے ہم لائے ہیں کیا کیا

مقتل میں پیمبرؐ سے یہی کہتی تھی زہراؑ:
دیکھو! مرے فرزند نے دُکھ پائے ہیں کیا کیا

بیٹے موئے بھائی موئے، غمخوار ہوئے قتل
شکر اس پہ بھی شبیرؑ بجا لائے ہیں کیا کیا

عابدؑ جو چلے کانٹوں پہ، رو رو پکارے:
دیکھو کہ ہمیں مرحلے پیش آئے ہیں کیا کیا

رو رو کے حسینؑ ابن علیؑ کہتے تھے کیوں چرخ
تو نے مرے گل، خاک میں مِلائے ہیں کیا کیا

کوثر پہ کہا، ساقیِ کوثرؑ سے یہ شہؑ نے:
گو پیاس نے صدمے ہمیں دکھلائے ہیں کیا کیا

وہ خشک گلا اور وہ خنجر کا اٹکنا
پوچھو میرے دل سے کہ مزے پائے ہیں کیا کیا

جب لوٹنے کو فوجِ لعیں آئی تو اُس وقت
ناموسِ نبیؐ خیمے میں تھرّائے ہیں کیا کیا

جب کوفیوں کو شہؑ نے دکھائے خط مُہری
تھے مستعدِ قتل پہ، شرمائے ہیں کیا کیا

دیکھا جو سکینہ نے علم، تعزیے کے پاس
عباسؑ دلاور اسے یاد آئے ہیں کیا کیا

لاشِ پسرِ شیرِؑ خدا بر لبِ دریا
ہر رات کو شیر ان کے، چلّائے ہیں کیا کیا

دی فاطمہؑ کی بیٹی کو شیریں نے جو چادر
سجادؑ حزیں اُس گھڑی شرمائے ہیں کیا کیا

رسّی میں بندھا عابدؑ بے کس کا جو بازو
تب شیرِؑ خدا قبر میں تھرّائے ہیں کیا کیا

سرورؑ کو دعا امتِ عاصی کی نہ بھولی
ہم ان کو دمِ ذبح بھی یاد آئے، ہیں کیا کیا

صغراؑ نے کہا، دیکھ کے عابد کی ہتھیلی:
پردیس میں دکھ آپ نے بھی پائے ہیں کیا کیا

وہ بولا: فقط اونٹ ہی کھینچا نہیں ہم نے
مردے بھی انھیں ہاتھوں سے دفنائے ہیں کیا کیا

یہ شعر رقم کر کے دبیرؔ جگر افگار
مینھ خامے نے بھی اشکوں کے برسائے ہیں کیا کیا

۲۳

سلام

جو، سلامیؔ! شہِؑ والا کا ثنا خواں ہو گا
اس کا ہر ایک سخن، گوہرِ غلطاں ہو گا

جو نبیؐ زادے کے سینے پہ چڑھا، تیغ بہ کف
مجھ کو حیرت ہے، کہ وہ کیسا مسلماں ہو گا

بولے عباسؑ سے شہؑ پانی پلاؤ! حُر کو
بھائی! اک دن شہِؑ بے کس کا، یہ مہماں ہو گا

مومنو! گر غمِ عباسؑ میں تم روؤ گے
بخدا! روحِ سکینہؑ پہ یہ احساں ہو گا

لے کے زینبؑ کی ردا، شمر نے ہنس کر یہ کہا
اب تو محبوبِ خدا، چاک گریباں ہو گا

شاہؑ کہتے تھے کہ ہے سب کو، شہادت کی خوشی
علی اصغرؑ بھی ترا، کشتۂ پیکاں ہو گا

کربلا میں ہوئے وارد، جو پیمبرؐ، تو کہا
یہیں شبیرؑ خنجرِ ا ُ ٘ گا

کہتی تھی مادر قاسم یہ خبر تھی نہ مجھے
بیاہ میں مرنے کا، نوشاہ کو ارماں ہو گا

عرش سے آئی ندا، جب ہوئے پیدا شبیرؑ
یا محمدؐ! یہ پسر شاہِ شہیداں ہو گا

بانوؑ کہتی تھی میں ہوں اس لیے مشتاقِ بہشت
کہ مجھے ڈھونڈتا، واں، اصغرِؑ ناداں، ہو گا

کہا مسلمؑ نے میری قبر پہ بجز شمع و چراغ
کون غم‌خوار ہے، جو بیٹھ کے گریاں ہو گا

سحرِ قتل، یہ فردوس میں کہتے تھے مَلک
آج تاراج، پیمبرؐ کا گلستاں، ہو گا

ذبح قاسم کو جو، بے خوف کِیا، اَعدا نے
یہ نہ سمجھا کہ حسنؑ خون کا خواہاں ہو گا

شاہؑ نے لاشۂ اصغرؑ کو لٹا کر، یہ کہا
آ کے اب، شیرِ خدا، تیرا نگہباں ہو گا

جب تولد ہوئی زینبؑ، تو علیؑ نے یہ کہا
اس کا سر بلوۂ بازار میں عریاں ہو گا

حُر کی لیتی تھیں بلائیں، شبِ عاشور، بتولؑ
یعنی یہ، صبح، میرے لال پہ قرباں ہو گا

عزّت و قدر ہماری، وہی سمجھے گا، دبیرؔ!
صدقِ دل سے جو، غلامِ شہِؑ مرداں، ہو گا

maablib.org

۲۴

سلام

مجرئی! جب ہوا پامال، چمن زہراؑ کا
ہو گیا چاک گریباں، کفن زہراؑ کا

کہا احمدؐ نے کہ شبیرؑ پہ وہ ظلم ہوا
کہ مجھے بھول گیا، رنج و محن، زہراؑ کا

کہا زینبؑ نے کہ شبیرؑ کا کیوں داغ دیا
غم تھا مجھ کو ابھی، اے چرخِ کہن! زہراؑ کا

قطعہ

جب نبیؐ بولے: چلو جلد! تو یوں بولی بتولؑ:
بابا صاحب! ذرا سُنیے تو سخن زہراؑ کا

میرا شبیرؑ تو ہے یاں، میں چلوں واں کیوں کر
گھر یہی اب تو ہے، اور ہے یہ وطن زہراؑ کا

کہا کلثومؑ سے زینبؑ نے، ہوئے ذبح جو شاہؑ
خُلد میں ہووے گا کیا حال، بہن زہراؑ کا

شاہ فرماتے تھے زینبؑ سے وہی ہے گفتار
تجھ میں، واللہ کہ! ہے صاف چلن زہراؑ کا

اپنے، گر زورِ یدِ الٰہی پہ، آ جاتا وہ
ہوتا شوہر، نہ گرفتارِ رسن، زہراؑ کا

روحِ زہراؑ یہی کہتی تھی، سرِ سرورؑ سے
تم بھی کچھ دیکھتے ہو! رنج و محن، زہراؑ کا

دیکھ کر خشک زباں تیری، ہر اک دم، ہر آن
حال متغیر ہے، اے غنچہ دہن! زہراؑ کا

کہا زینبؑ نے نہ کیوں سم ہو مجھے شربت زیست
یعنی فرزند ہو، جب تشنہ دہن، زہراؑ کا

دھوم تھی شام میں، ہاں بہرِ تماشہ آؤ
کنبہ آتا ہے، گرفتارِ رسن، زہراؑ کا

شہؑ نے زینبؑ سے کہا شکر ہی کیجو، ہر دم
ہاتھ سے دیجیو نہ تم اپنے چلن زہراؑ کا

لاشیں میداں میں لرز جاتی تھیں، اُن کے غم سے
رونا جب سنتے تھے، ہفتاد و تن زہراؑ کا

لاشِ اکبرؑ پہ نبیؐ آئے تو یوں بولی بتولؑ
یہ بڑا پوتا ہے، اے شاہِ زمن! زہراؑ کا

حوضِ کوثر پہ یہی کہتی تھی، حیدرؑ سے بتولؑ
کیا کروں، پیاسا ہے اب،غنچہ دہن زہراؑ کا

پی کے سم گلشن جنت کو سدھارا وہ، دبیرؔ!
تھا بڑا سب سے، جو فرزند حسنؑ زہراؑ کا

۲۵

سلام

مدحِ شبیرؑ میں مصرع جو رقم ہووے گا
مُجرئی! وہ شجرِ باغِ اِرم ہووے گا

جس کو اے مُجرئی! عباسؑ کا غم ہووے گا
حشر میں، وہ تہِ دامانِ علَم ہووے گا

بولے عباسؑ، سکینہؑ سے میں ہوں شرمندہ
سر مرا نوک پہ نیزہ کے بھی، خم ہووے گا

شاہؑ کہتے تھے کہ غم کھانے سے راحت ہے مجھے
خون کم ہووے گا، رتبہ تو نہ کم ہووے گا

آیا کوثر پہ جو حُر بولے علیؑ پانی پی
اِک اسی جام سے، کوثر تو نہ کم ہووے گا

حُر نے کی عرض کہ میں پیاس بجھاؤں کیوں کر!
میرے آقا کا گلا، خشک، قلم ہووے گا

نام پر شہؑ کے، جو گھر بار لٹا دیوے گا
حشر میں اس کے لیے حاہ و حشم ہووے گا

شاہؑ کہتے تھے وہی ہو گا تصدق مجھ پر
جس کے اُوپر، مرے مولا کا کرم ہوے گا

قطعہ

شہؑ نے عابدؑ سے یہ رو کر، شب عاشور، کہا
صبح کو کوچ مرا، سوئے عدم ہوے گا

کل خدا دے گا مجھے، شاہِ شہیداں کا خطاب
اور تو قافلہ سالارِ حرم ہوے گا

بولے سجادؑ کہ پیادہ جو چلوں گا، بابا!
پنڈلیوں تک، مرے پاؤں میں وِرم ہوے گا

ہو گی نعلین بھی، پاؤں میں ہمارے کہ نہیں
بولے شہؑ خار ہر اِک، زیرِ قدم ہوے گا

قطعہ

کہا زہراؑ نے پیمبرؐ سے کہ روے گا کون؟
یا نبیؐ! جب سرِ شبیرؑ قلم ہوے گا

عرش سے آئی صدا ہم ہیں عزادارِ حسینؑ
تیرے بیٹوں کا فرشتوں کو اَلَم ہوے گا

خلق میں خلق میں اک ایسے کروں گا پیدا
جن کے دل میں، تری اولاد کا غم ہووے گا

شکر کر شکر کہ شبیرؑ کے صدقے سے، دبیرؔ!
مدح گویوں میں ترا نام رقم ہووے گا

maablib.org

۲۶

سلام

فصلِ خزاں، جو گلشنِ شاہِ زمن میں ہے
مُجرائی! گُل، دریدہ گریباں، چمن میں ہے

صغرٰیؑ بہ انتظارِ امامِؑ زمن میں ہے
وا اُس کی چشم، مُجرئی! اب تک کفن میں ہے

کہتے تھے شہؑ: ہم کو عدن میں ملے گا چین
آرام، از برائے مسافر، وطن میں ہے

عشقِ حسینؑ و الفتِ زینبؑ سے فاطمہؑ
زندانِ شام میں ہے کبھی، گاہ رن میں ہے

پھولوں سے کیوں نہ دامنِ صحرا بھرے تمام
گلچینِ قضا، رسولؐ خدا کے چمن میں ہے

اے مومنو! بلند کرو شور و شین کو!
زہراؑ کی روح، پیٹ رہی انجمن میں ہے

دریدہ گریباں: پھٹے گریباں روا: کھلی رہنا عدن: جنت گلچین: پھول توڑنے والا

اکبرؑ کا دیکھ چاہِ ذقن، بول اُٹھے عدو:
آبِ حیاتِ شہؑ! اِسی چاہِ ذقن میں ہے

پانی بتولؑ لائی تو اصغرؑ اشارے سے
بولا کہ آبِ تیر کی لذّت، دہن میں ہے

کیا احتیاج، گورِ غریباں پہ شمع کی
روشن چراغِ داغِ جگر، ہر کفن میں ہے

کہتی تھیں گلشنِ شہداؑ میں یہ، قمریاں:
سروِ ریاضِ فاطمہؑ بھی، اس چمن میں ہے

زینبؑ یہ بولی، شاہؑ گھرے جب سپاہ میں:
خورشیدِ آسمانِ امامت، گہن میں ہے

پامال، لاشِ سبطِ نبیؐ جو ہوئی ہے، آہ!
جنّت میں، درد شیرؑ خدا کے بدن میں ہے

مت ذبح کر! یہ شمر سے کہتے تھے مصطفیٰؐ
باقی یہ اِک حسینؑ فقط، پنجتنؑ میں ہے

چاہِ ذقن: ٹھوڑی کا گڑھا/ گورِ غریباں: پردیسیوں کا قبرستان/ سروِ ریاض: باغ کا سرو کا درخت

(قطعہ)

ارماں بیاہ کا بھی ہے، اور شوقِ مرگ، آہ!
کیا کیا نہ آرزو، دلِ ابنِ حسنؑ میں ہے

پروانہ ساں ہے ایک تو، اِک شمع ساں خموش
صحبت عجیب طرح کی، دُلھا دُلھن میں ہے

نوشاہ تو، حسنؑ کی طرح سے ہے کم سخن
مظلومیّت حسینؑ کی، بالکل دُلھن میں ہے

سِبطِ نبیؐ پہ ہاتھ اٹھاتے ہیں کلمہ گو
روزن پہ روزن، ابنِ علیؑ کے بدن میں ہے

عابدؑ کو دیکھ، مجلسِ حاکم میں بولے سب:
شمعِ حرم "لم یزلی" انجمن میں ہے

(قطعہ)

دیکھا جو شہؑ نے مڑ کے سوے خیمہ، وقتِ ذبح
سمجھا یہ شمر، کچھ دلِ شاہِ زمن میں ہے

ساں: مثل / روزن: زخم / لم یزلی: جس کو زوال نہیں

پوچھا شقی نے: دیکھتے ہو کس لیے اُدھر؟
شہؑ نے کہا کہ دھیان ہمارا بہن میں ہے

مشکل کشائی کیجیے! سجادؑ نے کہا
یا مرتضیٰؑ علی! مری گردن رسن میں ہے

صغریٰؑ یہ بولی: آئی ہے قاسمؑ پہ کچھ بلا
رونے کا غلغلہ، جو مزارِ حسنؑ میں ہے

رومال جو بتولؑ کا، ہے حلق پر بندھا
بوے ردائے فاطمہؑ، حُر کے کفن میں ہے

کہتے تھے شہؑ: سَند ہے شہادت کی، روزِ حشر
خوں جا بجا لگا، جو مرے پیرہن میں ہے

پیکاں نہیں لگی، اِسی حیرت سے مومنو!
اُنگلی، ہر ایک زخم نے، رکھی دہن میں ہے

عابدؑ، غمِ پدر میں یہاں تک ہوئے ضعیف
مثلِ حباب کچھ نہیں، ان کے بدن میں ہے

زلفوں کو دیکھ عارضِ اکبرؑ پہ، بولے سب
دیکھو کہ آفتاب، لباسِ گہن میں ہے

گر دعوائے زباں ہے، تو جُوں شمع، اے دبیرؔ!
درکار خاموشی، تجھے ہر انجمن میں ہے

maablib.org

۲۷

سلام

وقفہ عباسؑ کو، مجرائی! قضا نے نہ دیا
پانی، اولادِ پیمبرؐ کو پلانے نہ دیا

اُس کو مُجرا ہے، وطن میں جسے، جانے نہ دیا
سر، جو سجدے میں تھا، قاتل نے اُٹھانے نہ دیا

رَنجِ شیریں کو یہی تھا، کہ مجھے اَعدا نے
سر پہ سادات کے، چادر کو اُڑھانے نہ دیا

کہا زہراؑ نے کہ رنج اتنا ستم گر نے دیا
مجھے شبیرؑ کو چھاتی سے لگانے نہ دیا

کہا بانوؑ نے مجھے بے سر و سامانی نے
رنڈسالا بھی کبرا کو پہنانے نہ دیا

قطعہ

شاہؑ کہتے تھے: ہوا قتل، جواں اکبرؑ، ہائے!
آکے پُرسا مجھے، محبوبِ خدا نے، نہ دیا

آئی آوازِ نبیؐ: دردِ جگر نے، پیارے!
باغِ فردوس سے، تم تک مجھے، آنے نہ دیا

بولی زینبؑ کہ ماں جائے کا چہلم کرتی
اِتنا مقدور مجھے، ہائے! خدا نے نہ دیا

شہؑ کو، لاشہ حسنؑ خستہ کا، مظلوموں نے
پہلوے قبرِ پیمبرؐ میں، لِٹانے نہ دیا

مالکِ حشر کِیا، سرورِ کونین کِیا
کون سا رتبہ شہِؑ دیں کو، خُدا نے نہ دیا

رحم، اُس لشکرِ بے پیر کو، آیا نہ ذرا
کون سا واسطہ، شاہِؑ شہدا نے، نہ دیا

دفن کرتا تھا جو، مُردوں کو غریبوں کے، سدا
اُس کے بیٹے کو کفن، اہلِ جفا نے نہ دیا

ہاتھ سجادؑ کے رسی سے لعیں، نے باندھے
لاشہ بیمار کو سیّد کا، اُٹھانے نہ دیا

مجھ کو حیرت ہے کہ کیوں، گُل ہیں چمن میں خنداں
غم کا پیغام، مگر اُن کو، صبا نے نہ دیا

ذبح پیاسا کیا، اور لاش پہ گھوڑے دوڑائے
شاہؑ کو، کون سا دُکھ اہلِ جفا نے نہ دیا

کربلا، دیکھیے! کس روز پہنچتے ہیں دبیرؔ
اب تلک تو، ہمیں تقدیر نے جانے نہ دیا

۲۸

سلام

شبِ عاشور، بھائی کو بلا میں دیکھ کر زینبؑ
تصدق کے لیے اے مُجری! لائی پسر زینبؑ

ادا حق دودھ کا کرنا، کٹانا رَن میں سر پیارو!
جگر گوشوں کو سمجھاتی رہی یہ، تا سحر زینبؑ

اگر لاشے تمھارے آئیں گے، چھاتی لگاؤں گی
رہے جیتے تو دیکھے گی نہ صورت عمر بھر زینبؑ

قطعہ

کہا زینبؑ سے شہؑ نے: جب کٹے گا رن میں سر میرا
پھرے گی شام میں تُو سر برہنہ، در بدر زینبؑ!

جلائیں گے عدو خیمہ کو، لُوٹیں گے زر و زیور
تیری پازیب چھینیں گے، سکینہؑ کے گُہر زینبؑ!

برہنہ اونٹ پر تُو ہوگی اور سر میرا نیزے پر
مہارِ اُشتر کے کھینچے گا، مرا بے کس پسر زینبؑ!

کمر خم دیکھ کر شہؑ کی، کہا یہ بنتِ زہراؑ نے:
کہو تو حال مجھ سے، ہوئے قرباں آپ پر زینبؑ

کہا شہؑ نے کہ ہم پر گزرے دو صدمے بڑے پیہم
کہوں کیا حال اپنا تجھ سے، اے خستہ جگر زینبؑ!

شکستہ ہو گیا بندِ کمر، عباسؑ کے غم سے
علیؑ اکبر کے مرنے سے، گیا نورِ نظر زینبؑ!

وہاں تھا حلق پر خنجر، یہاں تھی دل پہ تیغِ غم
اُدھر مذبوح ہوتا تھا برادر اور اِدھر زینبؑ!

قطعہ

پھوپھی سے عرض کی اکبرؑ نے: دیجیے گر رضا مجکو
فدا میں بھی کروں بابا پہ، جا کے رَن میں سر زینبؑ!

کیے سب نے لبِ خشک اپنے تر، جامِ شہادت سے
ولیکن اب رہا جاتا ہوں میں تشنہ جگر زینبؑ!

سنی جب ہند کی آمد، کہا یہ رو رو زینبؑ نے:
بتاؤ بیبیو! زنداں سے جائے اب کدھر زینبؑ!

کروں کیا، موت بھی آتی نہیں، میں سخت حیراں ہوں
گذر ہے ہند کا اور قید میں ہے ننگے سر زینبؑ

خزاں باغ زہراؑ یاد تھی جو اے دبیرؔ! اس کو
رہی مانندِ شبنم، اشک ریزاں، عمر بھر زینبؑ

۲۹

سلام

مُجرئی! یُوں کوئی باندھے نہ گنہ گار کے ہاتھ
شمر نے باندھے تھے جس زور سے، بیمار کے ہاتھ

لاشِ اکبرؑ پہ کھڑے سینہ و سر پیٹتے تھے
کون تھا، تھام لے جو سیّدِ اَبرار کے ہاتھ

ماتمِ شاہِ شہیداں کی بزرگی دیکھو
فاطمہؑ چومتی ہے آ کے، عزا دار کے ہاتھ

شہؑ کا سر کاٹا، سکینہؑ کو طمانچے مارے
ہو گئے خشک نہ کیوں، شمرِ ستم گار کے ہاتھ

ہتھکڑی پہنی امامت ہوئی جب ان کو نصیب
پہلی بیعت یہ لگی، عابدِؑ بیمار کے ہاتھ

شمر سے کم تھا، شتربان بھی نہ، جلاّدی میں
اس نے سر کاٹا اور اس نے شہِؑ اَبرار کے ہاتھ

آ کے حیدرؑ نے عجب واقعہ دیکھا رَن میں
نہ علمدارؑ کے تھے ہاتھ، نہ سردارؑ کے ہاتھ

شہؑ کا نقشہ، قلم صنع نے، بے سر کھینچا
یدِ قدرت نے بنائے نہ علمدارؑ کے ہاتھ

قطعہ

عرض کی حُر نے دمِ نزع کہ روکا تھا تمھیں
باندھ دو! اے شہِ دیں! اپنے گنہ گار کے ہاتھ

جا کے جنت میں کہوں گا میں، شہِ مرداں سے
یا علیؑ! کھول دو اس بے کس و نا چار کے ہاتھ

شہؑ نے فرمایا میرے دوست! یہ کیا کہتا ہے
کوئی بھی باندھتا ہے، یارِ وفادار کے ہاتھ

کھا کے پیکاں، بہت آغوش میں تڑپا، لیکن
شہؑ کی گردن میں رہے، اصغرؑ دلدار کے ہاتھ

سر کے بالوں سے بھی، منھ کو نہ چھپانے پائیں
شِمر نے باندھے تھے، سب عترتِ اطہار کے ہاتھ

یدِ قدرت نے جو عباسؑ کی کھینچی تصویر
کچھ سمجھ کر، کیے موقوف علمدارؑ کے ہاتھ

دستِ عباسؑ علی کاٹ کے بولا نوفل:
لو، قلم میں نے کیے، حیدرِؑ کرّار کے ہاتھ

رو کے کہتی تھی سکینہؑ: میں بلائیں لوں گی!
کوئی دریا سے اٹھا لائے علمدارؑ کے ہاتھ

بعد اکبرؑ کے، تڑپتا تھا جو دل، سینے میں
بس جگر ہی پہ رہے، بانوے ناچار کے ہاتھ

بھوکے پیاسے رہے زنداں میں حرم! واہ رے صبر!
پر نہ پھیلایا کبھی، سامنے کفار کے، ہاتھ

پھر جو باندھا تو انھیں، اور بھی کَس کر باندھا
شِمر نے کھولے بھی، گر عابدِ بیمار کے ہاتھ

قبر ننھی سی، جو اصغرؑ کی، بنائے رَن میں
کفن اتنا بھی نہ آیا، شہِؑ اَبرار کے ہاتھ

ننھی سی قبر پہ، اصغرؑ کے، چھڑکتے پانی
پانی اتنا بھی نہ آیا شہِؑ اَبرار کے ہاتھ

شِمر سینے پہ چڑھا جب تو دعا کی خاطر
طرفِ قبلہ اُٹھے، سیّدِ اَبرار کے ہاتھ

خوف کیا دشمنِ بے دیں کا، دبیرؔ غم گین
آبرو تیری ہے ہر دم، شہِؑ اَبرار کے ہاتھ

۳۰

سلام

مجرائی! اس سکینہ کے باندھے رسن میں ہاتھ
رہتے تھے جس کے، گردنِ شاہ زمنؑ میں ہاتھ

جس کا رہے سلام امام زمنؑ میں ہاتھ
بہرِ دُعا بلند کریں، شہؑ کفن میں ہاتھ

اے مجرائی! بندھیں جو حرم کے رسن میں ہاتھ
مشکل کشا، نہ غم سے ملیں کیوں کفن میں ہاتھ

صغراؑ نے خط میں شاہؑ کو تاکید یہ لکھی:
کھانا سفر میں کھانا تو، دھونا وطن میں ہاتھ

رونے کی جا ہے، شادی کبریٰؑ کا انقلاب
کنگنے میں شب کو ہاتھ تھا، دن کو رسن میں ہاتھ

لاریب! شش جہت میں وہی سر بلند ہے
جو سر پہ مارتا ہے، غمِ پنجتنؑ میں ہاتھ

کھینچی ازل کے روز، جو عباسؑ کی شبیہ
نقاشِ صنع نے نہ بنائے بدن میں ہاتھ

کنگنا بندھا جو ہاتھ میں کبریٰؑ کے، بولی مرگ:
واحسرتا! بندھیں گے یہی، کل رسن میں ہاتھ

بزمِ یزید میں گئے، شانے بندھے حرم
کیوں کر ملیں نہ شیعہ، ہر اک انجمن میں، ہاتھ

بولی بتولؑ: عرش نہ جب تک ہلاؤں گی
ہرگز قرار سے نہ رہیں گے، کفن میں ہاتھ

سجادؑ بولے: شکر و دعا کس طرح کروں
طوقِ گراں میں میرا گلا ہے، رسن میں ہاتھ

کہتے تھے شانہ چوم کے، عباسؑ کا، علیؑ
کٹوائیو! غلامیِ شاہ زمنؑ میں، ہاتھ

پانی، سرشکِ صاحب ماتم سے، دیں اگر
پیدا ہوں شاخِ گل کے عوض، ہر چمن میں ہاتھ

آتی تھی نوجوانی، اکبرؑ جو ان کو یاد
سب نوجوان ملتے تھے، روکر وطن میں، ہاتھ

عابدؑ کے ہاتھ کی یہ، لکیروں میں تھا لکھا
اک روز بے گناہ، بندھیں گے، رسن میں ہاتھ

سجّادؑ بولے: خلق خدا لعن کرتی ہے
کس کس کے، اے یزید! تو دے گا دہن میں ہاتھ

جب تک نہ ہوئے علم سے، کچھ بہرہ، اے دبیر
کوئی نہ ڈالے، مرثیہ گوئی کے فن میں، ہاتھ

maablib.org

۳۱

سلام

مُجرئی! بعدِ فنا بھی نہ اُٹھے واں سے، شہید
انس رکھتے تھے عجب، گنجِ شہیداں سے، شہید

روزِ محشر میں شہادت کی سند ہووے گی
اس لیے خون چھڑاتے نہ تھے داماں سے، شہید

بہرِ تعظیمِ نبیؐ جبکہ اُٹھی، لاشِ حسینؑ
معجزہ دیکھ کے یہ، ہو گئے حیراں سے، شہید

بنتِ زہراؑ کو جونہی باسرِ عُریاں دیکھا
روئے مقتل میں، عجب نالہ و افغاں سے، شہید

لاشِ شہؑ سے یہ حسنؑ بولے اگر ہم ہوتے
ہونے دیتے نہ تمھیں خنجرِ بُرّاں سے شہید

خشک تھا حلق، نہ خنجر کی زباں بھی ہوئی تر
اُور سیراب ہوئے، خنجرِ بزّاں سے، شہید

پھینک ساغر کو زمیں پر، یہ حسنؑ کہنے لگے
بھائی تم ہو گئے، عجب ظلمِ فراواں شہید

چشمِ زخم آئے نہ شبیرؑ پہ، اے بارِ خدا!
یہ دعا مانگتے تھے پنجۂ مژگاں سے شہید

روزِ عاشور کو، وہ عید کا دن سمجھے تھے
سرِ شبیرؑ پہ قرباں ہوئے سَو جاں سے، شہید

ہر لبِ زخم سے آتی تھی صدا یا سرورؑ
رَن میں، حُر ہوتا تھا جب، تیروں کے باراں سے، شہید

دفن کرنے لگی لاشوں کو جونہی، قومِ اسد
راہِ اعجاز سے بولے، دلِ سوزاں سے شہید!

دستِ کفار سے مدفوں نہ ہوئے ہم، صد شکر!
شکر ہے! دفن ہوئے دستِ مسلماں سے، شہید

تیرِ غم سیکڑوں، سرورؑ کے کلیجے پہ لگے
علی اصغرؑ جو ہوا، تیر کے پیکاں سے شہید

ساتھ زہراؑ کے، ہر ایک حور جو روتی آئی
رَن میں بیدار ہوئے نالہ و افغاں سے، شہید

ہو کے یاور، رہے، شبیرؑ کے ہم، تشنہ دہن
حوضِ کوثر پہ یہ بولے شہؑ مرداں سے، شہید

کپڑے تو خوں میں بھرے، ہاتھوں پہ سر اپنا دھرے
حشر میں، آئیں گے، اس طرح کے ساماں سے، شہید

سر کٹا کر تو سبک بار ہوئے وہ، رَن میں
پُر گراں بار ہوئے، رحمتِ یزداں سے، شہید

ہم کو کچھ فخر نہیں، آپ کے آگے، واللہ!
خُلد میں کتنے تھے، یہ اصغرؑ ناداں سے، شہید

قطعہ

شہؑ نے قاصد سے کہا: فاطمہؑ سے کہہ دینا
ہو گیا باپ ترا، خنجرِ برّاں سے، شہید

بھائیوں کی جو خبر پوچھے، تو دینا یہ خبر
اِک سِناں سے ہوا، اِک تیر کے پیکاں سے، شہید

تُجھ کو بخشائے گا خالق سے، وہ محشر میں دبیرؔ!
کربلا میں جو ہوا خنجرِ برّاں سے، شہید

۳۲

سلام

مجرائی! کہا شہؑ نے کہ یارا نہیں اصغرؑ!
چھوڑیں تمھیں جنگل میں، گوارا نہیں اصغرؑ!

عباسؑ ہوئے قتل سدھارے علی اکبرؑ
تم بھی موئے، اب کوئی ہمارا نہیں اصغرؑ

گہوارے میں پھر جا کے جو میت کو لٹایا
ماں بولی کہ اب ضبط کا یارا نہیں اصغرؑ

اے لال مرے! کس کی نظر لگ گئی تم کو
دنیا کا جو، اب تم کو، نظارا نہیں اصغرؑ

میت کو بھی چھاتی سے، لگائے ہوئے رکھوں
پر زندوں میں مردے کا، گزارا نہیں اصغرؑ

پھر لاش کو لپٹا کے کلیجے سے، یہ بولے:
واللہ! ترا ہجر گوارا نہیں اصغرؑ

بو قبر کی آتی ہے، ترے مردے سے، اور آہ!
تربت میں ابھی تجھ کو اتارا نہیں اصغرؑ

کس طرح سے بابا تجھے مقتل میں لٹا دے
جنگل کو تو بانو نے بہارا نہیں اصغرؑ

تم گھٹنیوں صغریٰؑ کے لیے جاتے، و لیکن
قابو میں، کوئی پاؤں تمھارا، نہیں اصغرؑ!

بے کس کہوں، سید کہوں یا بے کفن، اے لال!
نام اتنے ہیں، اک نام تمھارا نہیں، اصغرؑ!

ظالم نے کلیجے پہ مرے، تیغ پھرائی
یہ تیر، گلے پر ترے مارا نہیں اصغرؑ

کیا جھولا جھلاؤں تمھیں ہو خوابِ اجل میں
تابوت ہے، گہوارہ تمھارا نہیں اصغرؑ!

نے دودھ بڑھایا، نہ تیری سالگرہ کی
نکلا، کوئی ارمان، ہمارا نہیں اصغرؑ!

پانی کے عوض ماں سے کفن مانگتے اس دم
پر کیا کرو یاد اس کا اشارا نہیں اصغرؑ

کرنا نہ گلا تیر سے ماں نے نہ بچایا
کیا میرا گنہ، تم نے پکارا نہیں اصغرؑ

پانی کو ترستا ہوا بے شیر، جہاں سے
تم سا کوئی کم عمر، سدھارا نہیں اصغرؑ!

نہلاؤں تیری چھوٹی سی میت کو میں کیوں کر
کوثر کا، تو نزدیک کنارا، نہیں اصغرؑ!

پیاسے رہے، مارے گئے، اَب لاش ہے بے گور
قسمت کے لکھے سے، کوئی چارا نہیں، اصغرؑ!

دو لاش مری گود میں، لپٹاؤں گلے سے
اب تم نہ کرو پیار تمھارا نہیں اصغرؑ!

تھا ورد یہ بانوؑ کا، دبیرؔ جگر افگار!
تم مر گئے، اب کوئی سہارا نہیں اصغرؑ

۳۳

سلام

کیوں نہ پھر، آہ! کہ گزریں فلک پیر سے تیر
پار مجرئی! جب ہوں، تن شبیرؑ سے تیر

چل رہے تھے یہ پیاپے صف بے پیر سے تیر
جا کے مل جاتا تھا، اے مجری! جو تیر سے تیر

شہؑ سے اصغرؑ نے اشارہ کیا، زخمی ہو کر
ہے فزوں ذائقے میں ذائقۂ شیر سے تیر

چھے مہینے کا تو سن اور جدائی ماں کی
وا دریغا! کہ ملا گردن بے شیر سے تیر

شاہ کہتے تھے: ہوئے روزِ ازل، جب تقسیم
میرے لشکر کو ملے، لشکر بے پیر سے تیر

ہم کو شمشیر ملی، نیزہ علی اکبرؑ کو
ہاتھ اصغرؑ کے لگا، خواہش تقدیر سے، تیر

ب موتی رقضا: موت رفراق: جدائی ریاسبانی: نگہبانی رلاغر: دبلا ررفاقت: دوستی رخستہ: تھکا ماندہ

سینہ نیزوں کی طرف چشم کماں داروں پر
شاہؑ کھاتے تھے عجب عزت و توقیر سے تیر

رفقا کہتے تھے: دیتے ہیں یہ پیغام بہشت
بخدا! خوب ہیں ہم کو زر و جاگیر سے تیر

مومنو! شوقِ جراحت یہ، دل شاہ میں تھا
نہ گرا خاک پہ کوئی، تن شبیرؑ سے تیر

بولی زہراؑ کہ کیا جسم یہ سارا غربال
کیا، نہ آگہ تھے؟ میرے لال کی توقیر سے، تیر

بولے عابدؑ کہ مرے ہاتھ نہ باندھو! یارو!
کہ نکالوں گا میں، لاشِ شہِ دلگیر سے، تیر

آئی آواز کہ واری! نہ کرو فکر ذرا!
فاطمہؑ کھینچ رہی ہے تنِ شبیرؑ سے تیر

تنِ شبیرؑ پہ ناوک یہ لگے تھے پیہم
کہ جگہ بیٹھنے کی مانگتا تھا تیر سے تیر

شمر سے کہتے تھے عابدؑ، کہ مرے نالے سے
ہوں مقابل نہ مرے، آہ کی تاثیر سے، تیر

جابجا اس میں، یہ سوراخ نہیں ہیں، ظالم!
ہیں مری آہ کے گزرے، دلِ زنجیر سے تیر

جبکہ مشکیزہ چھدا، تب یہ پکارے عباسؑ
حیف ہے! رک نہ سکا، پنجۂ تقدیر سے تیر

شاہؑ کہتے تھے، کہ انگشتِ شہادت ہیں یہ
آگہی رکھتے ہیں، کفار کی تقصیر سے، تیر

شہؑ نے فرمایا: لکھوں عرضیِ صغریٰؑ کا جواب
گر نہ برسیں کوئی دم، لشکرِ بے پیر سے تیر

گو سیاہی نہیں، ہیں زخم دواتِ شنجرف
خامے کی طرح تراشوں، ابھی شمشیر سے، تیر

سینۂ دشمنِ حیدرؑ کو، یہ کرتے ہیں فگار
اے دبیرؔ! اب تو خجل ہو، مری تقریر سے تیر

مشہور مرثیہ: ''ہر آہ علم ہے یہ عزاخانہ ہے کس کا'' نول کشور کی جلدِ دبیرؔ میں شائع ہوا ہے۔ نظیرؔ کے انتقال پر دبیرؔ نے انیسؔ کے قطعۂ تاریخی میں اپنی قلبی کیفیت کا اظہار یوں کیا ہے:

وا دریغا یعنی و دینی دو بازویم شکست

بے نظیرؔ اوّل شدم امسال و آخر بے انیسؔ

تعلیم وتربیت: مرزا دبیرؔ نے تمام کتب رائجِ درسیہ عربی اور فارسی باقاعدہ پڑھی تھیں۔ جملہ علومِ معقول اور منقول میں مہارت حاصل تھی۔ پروفیسر حامد حسن قادری کہتے ہیں: ''مرزا دبیرؔ نے عربی اور فارسی کی تعلیم فضیلت کی حد تک حاصل کی تھی۔'' ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی ''دبستانِ دبیرؔ'' میں لکھتے ہیں: ''مرزا صاحب کی علمی حیثیت بہت بلند تھی۔ عربی وفارسی میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ تمام علومِ عقلی اور نقلی پر حاوی تھے اور طبقہ علما میں شمار کیے جاتے تھے۔'' دبیرؔ چونکہ بہت ذہین تھے، اس لیے اٹھارہ انیس سال میں فارغ التحصیل ہوگئے۔

اساتذہ: (۱) مولوی غلام ضامن صاحب فاضلِ دوراں سے ابتدائے شباب میں صرف ونحو، منطق، ادب اور حکمت کا درس لیا۔

(۲) مولوی میر کاظم علی صاحب عالمِ دین سے دینیات، تفسیر واصول وحدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔

(۳) ملّا مہدی صاحب مازندرانی اور مولوی فدا علی صاحب اخباری کے آگے زانوے تلمذ تہ کیا۔

(۴) شاعری میں تقریباً دس سال میر ضمیرؔ کی شاگردی کی۔ ضمیرؔ لکھنوی کو خود اس پر فخر تھا کہ وہ دبیرؔ کے استاد ہیں۔ اس مضمون کو انھوں نے اپنی ایک رباعی میں یوں پیش کیا ہے:

پہلے تو یہ شہرہ تھا ضمیرؔ آیا ہے

اب کہتے ہیں استادِ دبیرؔ آیا ہے

کر دی مری پیری نے مگر قدر سوا

اب قول یہی ہے سب کا پیر آیا ہے

(۵) مرزا دبیرؔ کی اوسط عمر میں میر عشقؔ مرحوم نے بھی مرثیوں میں مشاقی بہم پہنچائی ہے، اس کا اعتراف شادؔ عظیم آبادی نے کیا ہے۔

مذہب: مسلمان۔ (شیعہ اثناعشری، محتاط اُصولی)

نوٹ: ثابتؔ لکھنوی ''حیاتِ دبیرؔ'' حصّۂ اوّل میں لکھتے ہیں: ''ازبس کہ مرزا دبیرؔ کے کئی استاد اخباری تھے، بعض

حضرات مرزا صاحب کو اخباری مسلک سمجھتے تھے مگر مرزا صاحب ایک محتاط اصولی شیعہ تھے۔"

شغل: شاعری اور ادب (حکمت سے دلچسپی رکھتے تھے)۔

شکل و صورت: ثابت لکھنوی اور شاد عظیم آبادی نے دبیر کو بڑھاپے میں دیکھا تھا۔ ثابت لکھنوی کہتے ہیں: "پکا سانولا رنگ، کسی قدر کشیدہ قامت، ماتھا بڑا، کثرتِ سجود سے ماتھے پر سجدے کا نشان، آنکھیں بڑی بڑی، گول، دہرا ڈیل، دو انگشتی ڈاڑھی، بڑی پاٹ دار آواز۔"

شاد عظیم آبادی "پیغمبرانِ سخن" میں لکھتے ہیں: "مرزا دبیر خوب صورت نہ تھے۔ رنگ بہت کالا تو نہ تھا مگر سانولا بھی نہیں کہہ سکتے۔ آنکھیں بڑی اور گول تھیں۔ ان میں سرخی کے ڈورے، ہونٹ بڑے تھے، پیشانی اونچی تھی، سر کے بال نہایت کم اور چھدرے تھے، ڈاڑھی بالکل مورچہ پر تھی، خط بھی بنتا تھا، مونچھیں کسی قدر نمایاں تھیں مگر کتری ہوئی، اس پر مازو کا خضاب، قد و قامت متوسط، نہ بہت جسیم نہ دبلے تھے۔"

تصویر: مرزا دبیر کی جو تصویر مشہور ہے، وہ مجہول ہے لیکن مرزا صاحب کے بیان شدہ حلیے کے بہت قریب ہے۔ لب و ناک، نقشہ اس تصویر کا، مرزا اوج اور مرزا رفیع سے ملتا جلتا ہے۔ تصویر کے بارے میں مؤلف "حیاتِ دبیر" لکھتے ہیں: "میں نے کوشش بلیغ کی کہ لکھنؤ میں یا کہیں، مرزا صاحب کی قلمی یا عکسی تصویر مل جائے مگر ناکام رہا۔ مرزا اوج صاحب اور بعض معتبر اصحاب کی زبانی معلوم ہوا کہ فوٹو کا مسئلہ علمائے اسلام میں مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب نے اپنی تصویر نہیں کھچوائی، حالانکہ شاہی فوٹو گرافر مشکور الدولہ مرحوم، مرزا صاحب مرحوم کے فدائی شاگرد نے بہت چاہا مگر مرزا صاحب تصویر کھچوانے پر راضی نہ ہوئے، یہ ممکن ہے کہ کسی نے کلکتہ، پٹنہ، بنارس، آرہ، کھجوہ وغیرہ میں ان کی بغیر اجازت فوٹو لے لیا ہو۔"

نواب حامد علی خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لاء لکھنوی نے تقریباً تمام ہندوستان کے مشہور اردو اخباروں میں خطوط شائع فرمائے اور اپنی جیب سے تصویر لانے والے کو پچاس روپیہ دینا چاہا مگر تصویر دستیاب نہ ہوئی۔

مرزا دبیر کے مرنے کے چند سال بعد ایک یورپ کے علم دوست نے مرزا صاحب کی تصویر تلاش کی لیکن تصویر اس کو بھی نہ ملی۔

بہرحال، ان تمام اشکالات اور حقائق کے باوجود ہم مرزا دبیر کی مشہور تصویر ہی کو ان کی قلمی یا عکسی تصویر کا متبادل سمجھنے پر مجبور ہیں۔

آواز: مرزا دبیر کی آواز پاٹ دار اور پر تاثر تھی۔ ان کی آواز میں گداز شامل تھا لیکن حاسدین، مرزا دبیر کی آواز کو

بھی نام رکھتے تھے، چنانچہ دبیر اپنی ایک رباعی میں کہتے ہیں:

جب شاہِ نجف معین و ناصر ہوئے
کیوں سب میں نہ ممتاز یہ ذاکر ہوئے
آواز ہے بھاری تو ہو، پر بات یہ ہے
مجلس میں سخن نہ بارِ خاطر ہوئے

لباس: بقول شاد عظیم آبادی: "دامن دار گوٹ اور بڑے گھیر کا کرتا، کبھی تن زیب، کبھی جامدانی پہنتے تھے۔ گرمیوں میں عمدہ مشروع کا مہری دار پاجامہ اور سفید جرابیں۔ سر پر باریک کام کی چکن کی پانچ گوشے والی ٹوپی، بغیر قالب کی اور جیسی کہ اس زمانے میں ایک جدید رسم سر گوشہ جالی لوٹ کے رومال اوڑھنے کی نکلی تھی، جب کہیں تشریف لے جاتے تھے، پاؤں میں زردوزی رنگ کٹھیلا بھاری کام کا جوتا، ہاتھ میں مرشد آبادی جریب، انگلیوں کے ناخنوں میں مہندی کا رنگ۔ بڑے بڑے عقیق کے نگوں کی تین چار انگوٹھیاں بھی پہنا کرتے تھے۔

جاڑوں میں بیشتر شالی دگلا، شالی رومال یا عمدہ دوشالہ، سر پر لکھنؤ کی پنج گوشہ شال کی ٹوپی۔

ثابت لکھنوی لکھتے ہیں: "سر پر گول پنج گوشیہ ٹوپی، جسم میں اندر شلوکا، اوپر ڈھیلا کرتہ جو گھٹنوں سے نیچا ہوتا ہے، اُس کے نیچے ڈھیلا پاجامہ اور پاجامے کے نیچے ایک جانگیہ ہمیشہ پہنے رہتے تھے، پاؤں میں گھٹیلا جوتا۔

غذا: دبیر دن میں صرف ایک وقت نو دس بجے کے لگ بھگ غذا تناول کرتے تھے، رات میں صرف چائے پیتے تھے۔ آخر عمر میں جب سخت علیل رہنے لگے تو طبیبوں کی رائے سے دو وقت غذا کر دی تھی، چونکہ نمازِ شب میں وقت اور تکلیف ہوتی تھی، اس لیے پھر رات کی غذا ترک کر دی تھی۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں: "میٹھے چاولوں اور بالائی سے بہت رغبت تھی۔ اُن کا دسترخوان اس سے خالی نہ رہتا تھا۔ غذا کھانے کے بعد آرام کرتے تھے اور پانچ بجے کے قریب بیدار ہوا کرتے تھے۔ شب کو بارہ بجے کھانا کھا کے دو بجے تک آرام کرتے تھے۔

نظام الاوقات: مرزا دبیر وقت کے بڑے پابند تھے۔ ہر کام اور عبادت کا وقت مقرر تھا۔ نمازِ صبح کا سلسلہ دو گھڑی دن چڑھے ختم ہوتا تھا، پھر کھانا کھاتے تھے۔ دوپہر کو اکثر اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاح دیتے تھے اور خود بھی کہہ لیتے تھے۔ سرِ شام سے رات کے نو بجے تک وہ نمازِ مغربین اور تعقیبات سے فارغ ہوتے تھے، پھر رات کے بارہ بجے تک احباب اور شاگردوں کا ہجوم رہتا تھا، علمی چرچے اور شعری بحثیں ہوتیں۔ آدھی رات کو جب یہ مجمع برخاست ہو جاتا تو مرزا صاحب نمازِ شب میں مصروف ہو جاتے تھے اور بعد میں شعر کہتے۔ ثابت لکھنوی لکھتے

ہیں کہ ٹھیک حال نہیں معلوم کہ رات میں کس وقت سے کس وقت تک سوتے تھے، لیکن شادؔ عظیم آبادی نے بتایا ہے کہ شب کو بارہ بجے کھانا کھا کر دو بجے رات تک آرام کرتے۔ آخرِ شب تہجد پڑھ کر مرثیے کی تصنیف شروع ہوتی تھی جو صبح تک جاری رہتی۔ مرزا صاحب دو پہر کا کھانا کھانے کے بعد بھی آرام کرتے تھے۔

آدابِ محفل: مرزا دبیرؔ کی رہائش گاہ عالی شان کوٹھی نہ تھی بلکہ معمولی مکان تھا! جہاں پر دن رات احباب اور شاگردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ بڑے بڑے شہزادے، حکام آپ کے گھر پر تشریف لاتے اور علمی اور شعری مباحث میں شریک ہوتے۔ مرزا صاحب، جب کوئی کسی کی غیبت کرتا، تو اُس کو فوراً روک دیتے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی میر انیسؔ صاحب کے خلاف کوئی بات کر سکے۔ وہ اس معاملے میں بہت حساس تھے۔

شادؔ کہتے ہیں: گھر کے صدر میں ایک بڑا سا گاؤ، جاڑوں میں اونی بڑا قالین، گرمیوں میں بہت بڑی سوزنی بچھی ہوتی تھی۔ آگے ایک فیض آبادی بڑا صندوقچہ سیاہ رنگ کا اور پیتل کی بڑی دوات اور چند واسطی قلم دھرے رہتے تھے۔ پائیں میں ہر وقت ایک خدمت گار پگڑی باندھے منتظر حکم کھڑا رہتا تھا۔ جب کوئی مہمان وارد ہوتا، علیٰ قدرِ مراتب کسی کا لبِ فرش تک استقبال کرتے، کسی کے لیے کھڑے ہو کر تعظیم کرتے، جھک کر سلام کرتے اور ہاتھ جوڑ کر مزاج پوچھتے۔ غربا اور حاجت مند کو بھی بیٹھے بیٹھے سلام نہیں کرتے تھے بلکہ کچھ خمیدہ پشت ضرور ہو جاتے۔ گھنٹے دو گھنٹے کے اندر دو تین دفعہ خاص دان میں گلوریوں کا دور ہو جاتا تھا۔ تین چار بند گڑگڑیوں کے حقے، چاندی کے چمبر کے ساتھ، صحبت میں موجود رہتے تھے۔ اکثر عطر دان الائچیوں اور ڈلیوں کا بھی دور ہو جاتا تھا۔ باتیں آہستہ آہستہ اور قدرے مسکرا کے ساتھ کرتے تھے۔ جب مذاقِ شاعری کے لوگ ہوتے تو کبھی کبھی محاورے کی نسبت، کبھی کسی غیر معمولی وزن والے شعر کی نسبت باتیں ہوتیں، احیاناً کوئی شک واقع ہوتا تو فنِ عروض کی کتابیں کھولی جاتی تھیں۔

حافظہ: مرزا دبیرؔ کا حافظہ بلا کا تھا۔ واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو چالیس پچاس سالہ پرانی باتیں اچھی طرح یاد تھیں۔ ہم قوتِ حافظہ کی دو حکایات یہاں بیان کرتے ہیں:

اوّل: مرزا صاحب سے دلگیر مرحوم کو بہت محبت تھی اور وہ بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ میر علی سوز خواں نے اپنے امام باڑے میں دلگیرؔ کا کلام پڑھا۔ اس مجلس میں دبیرؔ بھی موجود تھے۔ شام کو جب مرزا دبیرؔ کے گھر پر بیٹھک ہوئی تو ایک مصاحب نے دلگیرؔ کے مرثیے کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس مرثیے کا حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ جب تک میر علی سوز خواں اس کو دو تین سال پڑھ کر تقسیم نہ کریں گے۔ دلگیرؔ صاحب کسی کو نہیں دیں گے۔ مرزا

دبیر نے کہا کہ مرثیے کے کل پندرہ سولہ بند ہیں، اگر کسی کی قوتِ حافظہ اچھی ہو تو دو تین مرتبہ غور کر کے یاد کر سکتا ہے۔ پھر مرزا دبیر نے ایک ایک بند کر کے سب بند لکھوا دیے۔ اس حکایت سے دبیر کے حافظے کا پتا چلتا ہے۔

دوم: مرزا ظہور شاگردِ دبیر کہتے ہیں کہ ایک دن میر صفدر علی صفدر کے مرثیے پر دبیر اصلاح دے رہے تھے، چنانچہ تلوار کی تعریف کی ٹیپ ؎

سدِّ سکندری کو تپ لرزہ آئی تھی
دیوار قہقہہ بھی کھڑی تھرتھرائی تھی

کو یوں بدل دیا: ؎

سدِّ سکندری پہ جو بجڑکی، گھلا دیا
دیوار قہقہہ پہ جو تڑکی، رُلا دیا

کوئی بیس پچیس برس بعد جب ظہور نے اسی ٹیپ کو اپنے مرثیے میں ضم کر کے مرزا صاحب کو سنایا تو آ نے فرمایا: اس کو میں نے کبھی سن کر کٹوا دیا تھا۔ اِس طرح دبیر کے حافظے نے ظہور کو حیرت میں ڈال دیا۔

خط: مرزا دبیر نہایت خوش خط اور زود نویس بھی تھے۔ آپ کا خط پختہ اور باقاعدہ تھا۔ مرزا صاحب کا خط اُس زمانے کے ایرانیوں کی روش پر تھا۔ وہ حرفوں پر کم نقطے دیتے تھے اور بعض حروف پر نقطے ہی نہیں دیتے تھے۔ حروف پر نقطے نہ ہونے کی وجہ سے مرثیوں کی نقلیں لیتے ہوئے بعض لفظوں کا کچھ کا کچھ ہو گیا، شاید یہی وجہ تحریف ہوگی۔

مرزا دبیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا مخمس کا ایک ورق ہمارے بیان کا ثبوت ہے۔ شاد عظیم آبادی کہتے ہیں:

مرزا دبیر کے پاس ایک اچھے خط کا کاتب ضرور ملازم رہتا تھا۔

فرنگی محل کے ایک مولوی صاحب تیس روپے پر ملازم تھے۔ وہ خوش خط بھی تھے اور فارسی نثر رنگین لکھتے تھے۔

خود مرزا صاحب کا خط شفیعہ آمیز پختہ تھا۔

اخلاق و کردار: مرزا دبیر اوصاف حمیدیہ کے حامل تھے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مداحی نے ان کے دل میں رحم، مروت، سخاوت، عدالت، قناعت، متانت، صداقت، غیرت، خودداری اور جرأت کے ولولوں کو اس طرح ابھارا کہ وہ فرشتہ صفت انسان بن کر ظاہر ہوئے۔

محمد حسین آزادؔ ''آبِ حیات'' میں لکھتے ہیں: ''دبیر کی سلامت روی، پرہیزگاری، مسافر نوازی اور سخاوت نے صنفِ کمال کو زیادہ تر رونق دی تھی۔''

مرزا رجب علی بیگ سرور "فسانۂ عجائب" میں لکھتے ہیں: "اللہ کے کرم سے ناظم خوب، دبیر مرغوب نے بار احسان اہل دول کا نہ اٹھایا۔"

شاد عظیم آبادی: دوسروں کی امداد کرنا، حاجت مندوں کی حاجت کو پورا کرنا، وہ عبادت تصور کرتے تھے۔

ثابت لکھنوی: مرزا دبیر فرماتے ہیں وہ آدمی نہیں ہے جو دوسروں کے کام نہ آئے۔

(الف) رحم و مروّت: حکایت: میر انیس کے ایک شاگرد نے مرزا دبیر سے خواہش کی کہ انھیں ملکہ زمانی کی مجلس میں پڑھوا دیجیے۔ مرزا دبیر نے اپنے پاس سے قیمتی شالے کپڑے انھیں پہنوائے، ایک پالکی میں خود اور دوسری میں ان کو سوار کرا کے سلطان عالیہ اور ملکہ زمانی سے تعریف کی اور پڑھوایا۔ دربار سے شالی رومال اور پانچ سو روپیا ملا۔ جب گھر واپس آ کر مرزا صاحب کے شالے کپڑے اتارنے لگے تو مرزا دبیر نے کہا: آپ نے شاہزادی کا ہدیہ تو قبول فرمالیا، اب اس فقیر کا ہدیہ کیوں ردّ کر رہے ہیں۔ پھر دبیر نے اُن شالی کپڑوں کے ساتھ دو سو روپے اپنے پاس سے دیے۔

حکایت: آگرہ کے وکیل جناب سیّد حسن صاحب بیان کرتے ہیں کہ غدر کے بعد ایک سید صاحب مرزا دبیر کے پاس آئے اور کہا کہ آپ میرے ساتھ چل کر فلاں رئیس سے مجھے کربلائے معلّی کے سفر کے لیے دو سو روپے دلوا دیجیے کیوں کہ رئیس میر انیس کے چاہنے والوں سے تھے، مرزا صاحب نے کہا کہ آپ میر صاحب سے سفارش لے لیجیے۔ لیکن سیّد صاحب نے بتایا کہ استخارے میں دبیر کا نام آیا ہے۔ پھر مرزا صاحب نے بھی دوبارہ استخارہ دیکھا تو اچھا آیا، چنانچہ فینس میں سوار ہو کر جب رئیس کے گھر گئے تو وہ کھانا کھا رہے تھے۔ جب چوکیدار نے اطلاع دی، وہ فوراً دبیر صاحب سے ملنے باہر آئے اور پوچھا: حضور نے کیوں زحمت فرمائی؟ مرزا صاحب نے کہا: سیّد صاحب کربلا جانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے انھیں دو سو روپے درکار ہیں۔ نواب صاحب اندر گئے اور چار سو روپے لا کر ان سیّد صاحب کو دے کر کہنے لگے یہ دو سو روپے تو آپ کے مطلوبہ ہیں اور دو سو روپے اس شکریے میں نذرِ سادات کرتا ہوں کہ مرزا صاحب اس غریب خانے پر تشریف لائے۔

(ب) سخاوت: مرزا دبیر کی سخاوت کا ان کے مخالفین تک اقرار کرتے ہیں۔ وہ سخی ابن سخی تھے۔ ثابت لکھنوی نے لکھا ہے کہ ان کو سالانہ لاکھوں روپیا ملتا تھا اور وہ سب اہل حاجت میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اُردو ادب کے کسی شاعر کو اُن کے دور تک اتنا پیسا نہیں ملا۔

(ج) مہمان نوازی: مرزا صاحب بہت مہمان نواز تھے۔ ان کی مہمان نوازی کے قصے تمام ہندوستان میں مشہور تھے۔ اکثر باہر سے آنے والے علما اور باکمال افراد ان کے یہاں ٹھہرتے تھے۔ کوئی مہمان بغیر کھانا کھائے یا بغیر حصول نقد وجنس، نہیں جاسکتا تھا۔ پردیسیوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اگر مہمان کہیں علیحدہ ٹھہرتے تو غذا کے خوان بھجواتے تھے۔ جو لوگ باہر سے مرزا صاحب کی مجالس میں آتے تو انھیں بڑی عزت سے قریب منبر بٹھاتے تھے، جہاں لکھنؤ کے امیروں کو جگہ ملنا دشوار تھی۔

حکایت: ایک دفعہ امام باندی بیگم کے دولت کدے واقع پٹنہ پر سیّد امداد امام اثر صاحب ''کاشف الحقائق'' کے والد، مرزا صاحب سے ملنے آئے۔ سردی کا موسم تھا لیکن موصوف معمولی لباس، یعنی ایک تن زیب کا کرتہ اور ایک تن زیب کا انگرکھا پہنے ہوئے تھے۔ مرزا صاحب سمجھے کہ کوئی مفلوک الحال ہیں جو گرم کپڑوں کی توفیق نہیں رکھتے، صرف اسی قدر راز کھلا کہ سیّد ہیں، چنانچہ انھیں بلا کر ایک لکھنؤ کے فرو روئی دار اور اس پر پانچ روپیا رکھ کر کہا کہ میں مغل ہوں اور سادات کا غلام ہوں، یہ غلام کا ناچیز ہدیہ قبول فرمائیں۔ انھوں نے رضائی یہ کہ کر رکھ لی کہ حضور کا تبرک میں عمر بھر رکھوں گا اور مرنے سے پہلے اپنی اولاد سے وصیت کروں گا کہ میرے کفن میں رکھ دیں، شاید غفورالرّحیم اسی بہانے بخش دے۔ پانچ روپے یہ کہہ کر لوٹا دیے کہ مجھے اس کی حاجت نہیں، ورنہ ضرور رکھ لیتا۔ سیّد صاحب نے واپسی پر منشی فرزند احمد صفیر سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ صفیر نے دوسرے وقت مرزا صاحب سے تخلیے میں عرض کیا کہ کل جنھیں رضائی مرحمت ہوئی، وہ خاندانی امیر ہیں۔ مرزا صاحب نے جواب دیا: مجھ سے غلطی ہوئی، میں سمجھا کہ ان کے پاس سردی کے مقابلے کے لیے کوئی دگلا نہیں ہے۔

(د) کمک وخیرات: شاد کہتے ہیں: ''خفیہ سلوک کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ نادار اور حاجت مند گھیرے رہتے تھے۔ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ اکثر سونی راتوں کو تنہا گھر سے نکل گئے اور کسی شریف زادے، نادار غیرت دار کے گھر پہنچ کر چپکے سے کچھ دے آئے۔ کئی اپاہج نادار اور بیواؤں کو مشاہرے دیا کرتے تھے۔ اپنے خانداں والوں کو اپنے ساتھ لیے رہے۔ اگر کپڑے بنوار ہے ہیں تو پچاس جوڑے، ہر ایک کے لیے الگ الگ اہتمام کے ساتھ بنوار ہے ہیں، گویا تقریب ہے۔ ان کے بھائی مرزا غلام محمد نظیر کثیر العیال تھے۔ مرزا دبیر سب کو گلے سے لگائے رہے اور کل اخراجات اسی کشادہ پیشانی سے ادا کیے جیسے اپنے بیٹوں، بیٹی، داماد او ان کے بچوں کے لیے کر رہے ہیں۔

مرزا دبیر غدر کے بعد جب عظیم آباد پٹنہ جاتے تو دیکھتے اُن کے اکثر ملنے والے نہایت عسرت اور غربت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، چنانچہ مرزا دبیر اُن افراد کے لیے بنارس کے زرّیں اور ریشمی کپڑے لاتے اور ایسے دوستوں کو تحفے کے طور پر دیتے تھے۔ اگر کوئی صاحب دختر ہوتے تو کہتے: یہ میری بھتیجی کے جہیز میں شامل کر دیجیے۔

(ہ) قناعت: اگرچہ مرزا دبیر کی آمدنی لاکھوں میں تھی لیکن زندگی سادہ تھی، کیونکہ وہ اپنے لیے صرف ضروری خرچ رکھ لیتے اور باقی سب کچھ غربا میں تقسیم کر دیتے۔ شاد عظیم آبادی ''پیغمبرانِ سخن'' میں لکھتے ہیں: ''میں نے پہلے پہل جو مرزا صاحب کا گھر دیکھا تو محض بے مرمّت، صرف مٹی کی چھت کا ایک سائبان تھا جس میں خود بیٹھا کرتے تھے، اس کے علاوہ بھی دو چار گھر قریب قریب تھے مگر ان کی شان کے لائق نہ تھے۔ مجھ کو تعجب ہوا کہ مرزا دبیر کی فتوحات کم نہیں ہیں، کپڑوں کے تو ایسے شائق ہیں کہ گویا مقدرت سے زیادہ ہی پہنتے ہیں مگر گھر کیوں ایسا رکھا ہے۔ ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ کپڑے بیچنے والا آیا، آپ نے کچھ مشروع، کچھ گل بدن، کچھ ململ، کچھ نین سکھ غرض متفرق قسم کے دس بارہ تھان، جو اس کے پاس موجود تھے، خرید کر فرمایا کہ دس تھان اس گل بدن کے، پانچ مشروع کے چودہ ململ وتن زیب کے، اس طرح ایک لمبی فہرست لکھوادی اور کہا کہ پہنچا دو! پھر شام کو کچھ چکن، کچھ تن زیب کے تھان دوسرے سے خرید کیے۔ ایک دفعہ دیکھا کہ ایک ٹوکرا بھر کر زنانی اور مردانی جوتیاں خرید کر منگائیں، تب یہ حال کھلا کہ خاندان بھر کو ہر چھٹے مہینے ضرور دیا کرتے تھے، خاندان والوں کے مشاہرے مقرر کر رکھے تھے، اس کے علاوہ بھی نقد دیا کرتے تھے، ایک دفعہ دس تولہ عطر مول لے کر چھوٹی چھوٹی شیشیوں میں، قریب پچیس شیشیوں میں بھر کر اپنے خاندان والوں کو بھجوائیں، تب میں نے سمجھا کہ ایسا فیاض بزرگ کیوں کر اچھا گھر بنا سکتا ہے۔ ان کا خلق اور کمال ایسا تھا کہ بڑے بڑے نواب شہزادے اونچے درجے کے روسا اسی مختصر اور بے مرمّت گھر اور تنگ گلی میں آنا اپنا فخر سمجھتے تھے۔

(و) عدالت: عدالت کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ کبھی کسی غریب کے مقابلے میں کسی امیر بدطینت کی طرف داری نہ کی، کسی رئیس یا بادشاہ کی انھوں نے خوشامد نہ کی، کسی بادشاہ کو خداوند نہ کہا۔

جب مرزا دبیر نے بادشاہ اودھ غازی الدین حیدر کے عزاخانے میں بادشاہ کی موجودگی میں منبر پر جا کر حمد و

نعت ومنقبت پڑھ کر یہ قطعہ پڑھا:

واجب ہے حمد و شکر، جنابِ اِلٰہ میں فضلِ خدا سے آیا ہوں کس بارگاہ میں
مجھ سا گدا اور انجمنِ بادشاہ میں! چرچا یہ لوگ کرتے ہیں اس وقت راہ میں

ذرّے پہ چشمِ مہر ہے مہرِ منیر کو
حضرت نے آج یاد کیا ہے دبیرؔ کو

پھر جو مرثیہ پڑھا، اُس کا مطلع ہے: ''داغِ غمِ حسینؑ میں کیا آب وتاب ہے۔'' چنانچہ جب مرثیے کے اس بند پر آئے تو بادشاہ رونے لگے اور اِسے پھر پڑھوایا۔ بند یہ ہے:

جب روز، کبریا کی عدالت کا، آئے گا جبّار بادشاہوں کو پہلے بلائے گا
انصاف وعدل اُن سے بہت پوچھا جائے گا تو آج داد دینے کی کل داد پائے گا

گُل کر دیا ہے دونوں جہاں کے چراغ کو
لوٹا ہے تیرے عہد میں زہراؑ کے باغ کو

کہتے ہیں مرزا دبیرؔ تو مرثیہ پڑھ کر چلے گئے لیکن بادشاہ کو خوفِ خدا سے ساری رات نیند نہ آئی، صبح سویرے اپنے وزیر کو انصاف اور عدالت کے بارے میں بڑی تاکید فرمائی۔

متانت خودداری: مشہور ہے کہ میر انیسؔ کی طرح جو وضع وقطع مرزا دبیرؔ نے اپنائی تھی، اسے مرتے دم تک نبھاتے رہے۔ مشکل سے مشکل دور میں ہمیشہ سواری میں گئے۔ جب کہیں تشریف لے جاتے تو خاندان کے دو چار آدمی ساتھ ہوتے، ایک دو خدمت گار، چاندی کا خاص دان اور چھتری لیے سر پر پگڑی رکھے ساتھ رہتے تھے۔ مرزا دبیرؔ کی متانت ایسی تھی کہ بڑے بڑے صاحبانِ علم، مرزا صاحب کو اپنا قبلہ وکعبہ مانتے تھے۔ مرزا صاحب جن امور میں دبنا اور عجز کرنا غیر شرعی سمجھتے تھے، اُن میں کبھی کسی سے دب کر نہیں رہے۔ علامہ جانسی سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں واجد علی شاہ کے روبرو جب گئے تو باتوں میں انھوں نے معمولی سا لفظ ''خداوند''، جو اہلِ لکھنؤ کا تکیۂ کلام تھا، نہیں کہا۔ جب مجلس ختم ہونے پر بادشاہ کے ایک مصاحب نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے مرزا صاحب کو لفظ خداوند کہنے میں کچھ اکراہ ہے تو بادشاہ نے اُس جانب توجہ نہ کی۔ دوسرے روز دبیرؔ نے منبر پر یہ رباعی پڑھی تو بادشاہ نے اُس مصاحب سے مخاطب ہو کر کہا: دیکھا! شاعروں کو الہام ہوتا ہے:

ناداں کہوں دل کو کہ خرد مند کہوں
یا سلسلۂ وضع کا پابند کہوں
اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے دبیرؔ!
بندوں کو میں کس منہ سے خداوند کہوں

سرکارِ سلاطیں سے سروکار نہیں
جز مجلسِ مولا، کوئی دربار نہیں
مدّاح ہوں میں امام بے سر کا دبیرؔ!
سامان کیسا کہ سر بھی درکار نہیں

مرزا دبیرؔ نے جب مرثیہ پڑھنا شروع کیا، اُس زمانے میں مرثیہ گو شعرا سوز خوانوں کے رحم و کرم پر رہتے تھے، کیوں کہ انہی سوزخوانوں کی بدولت ان کے مرثیے مشہور ہوتے تھے۔ مشہور ہے کہ اُس زمانے میں لکھنؤ کے مشہور سوزخواں میر علی صاحب، جو رشتے میں خواجہ میر دردؔ کے سگے نواسے تھے، جس شاعر کا مرثیہ سوز سے پڑھتے، اُسے شہرت مل جاتی تھی۔ مرزا دبیرؔ کی شہرت سُن کر میر علی صاحب نے دبیرؔ کے تین مرثیوں: ع: ''باغِ فردوس سے یہ بزمِ عزا بہتر ہے'' ع: ''بخدا تاجِ سرِ عرش خدا ہے شبیرؔ''
ع: ''جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہِ شبیرؔ'' کو حاصل کر کے پڑھا اور سارے لکھنؤ میں ان مرثیوں کی شہرت ہوگئی۔ اتفاق سے انہی مرثیوں میں سے ایک مرثیہ کسی دوسرے سوزخواں نے بھی کہیں پڑھا، جہاں میر علی صاحب موجود تھے، جب میر علی صاحب کو معلوم ہوا کہ دبیرؔ نے یہ مرثیہ دوسروں کو بھی دیا ہے تو مرزا صاحب کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ اگر تم مستند اور مشہور مرثیہ گو بننا چاہتے ہو تو آیندہ وہ مرثیہ، جو میر علی کو دیا گیا ہے، کم از کم تین سال تک کسی دوسرے کو تقسیم نہ کیا جائے۔ مرزا صاحب نے جواب بھیجا کہ میری طرف سے آداب عرض کیجیے اور کہیے کہ اوّل تو آپ سیّد، دوسرے بزرگ، تیسرے ذاکر، اس طرح واجب التعظیم ہیں۔ میں اگر مستند مرثیہ گو بننا چاہتا ہوں تو امام حسین کی امداد اور اپنی محنت و طبعِ خداداد سے۔ یہ بات شاید مری مروّت سے بھی دور ہوگی کہ کوئی ذاکر مجھ سے مرثیہ مانگے اور میں یہ کہہ کر اُس کی دل شکنی کروں کہ میر علی صاحب کا حکم نہیں۔ مجھ سے یہ شرط نبھ نہیں سکتی۔'' کہتے ہیں اُس دن سے پھر میر علی صاحب نے مرزا

صاحب کا کوئی مرثیہ نہیں پڑھا۔

احترام و دل جوئی: مرزا صاحب ہر بندۂ خدا کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ دوسروں کو احمق بنانے اور ہجوِ ملیح کرنے کی بعض حضرات کو جو عادت ہوتی ہے، مرزا صاحب کو اس سے سخت نفرت تھی۔ دبیر اپنے دشمن کی بھی دل شکنی کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ حسد اور رشک انہیں پسند نہ تھی۔ ہمیشہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے: ؎

مذہب میں مرے رشکِ خفی شرکِ جلی ہے
واللہ کہ یہ ولولۂ حُبِّ علی ہے

وعدہ وفائی: دبیر جو وعدہ کرتے، ضرور وفا کرتے۔ مجتہد العصر علامہ جائسی کہتے ہیں: جب کسی مجلس میں نیا مرثیہ: ''اب طبع دلیر! آج دکھا شیر کے حملے'' مرزا دبیر نے پڑھا، مجھے پسند آیا۔ میں نے مرثیہ طلب کیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا: یہ مرثیہ آپ کو وطن جانے کے دن ملے گا، چنانچہ جب میں وطن روانہ ہور ہا تھا تو مرزا دبیر نے خود اپنے ہاتھوں سے مرثیہ اُسی دن عنایت کیا۔

دبیر کے اخلاق و کردار پر جناب ہیرا لال شیدا لکھتے ہیں:—— ''مرزا صاحب کا کلام ہماری بتائی ہوئی کسوٹی پر پرکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شاعری کے لیے پیدا کیے گئے تھے چونکہ ہر اصلی شاعر کا یہی مشن ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے اخلاق کو ترقی دے، اس لیے وہ دوسرے واقعات کے پیرائے میں اپنے وقت کی بھلائیوں اور برائیوں کے نغمے سنایا کرتا ہے۔ مرزا صاحب کے زمانے میں بھی آج کل کی طرح سچی دین داری کی جگہ ریاکاری کا زور تھا۔ وہ اس سے متنفر تھے۔ اس کی ہدایت اس طرح فرماتے ہیں: ع:

نزدیک ہے کہ زہد کو بے آبرو کریں
تر دامنی سے، شہر میں، زاہد وضو کریں

مرزا صاحب ایک مصلحِ اخلاق کی حیثیت سے اپنے ہم جنسوں میں صبر و قناعت و وضع داری، بیکسوں اور مفلسوں سے ہمدردی کا مادۃ پیدا کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ جنابِ ممدوح، امام حسینؑ کی زبانی اُن کی چار برس کی بیٹی سکینہ سے مخاطب ہو کے فرماتے ہیں: ؎

سینے پہ مرے سو چکیں اب خاک پہ سونا
آخر ہے زمیں بھی تو غریبوں کا بچھونا

مرزا صاحب کا کلام، اخلاق کی درستی کرنے والے اور محبت کے موجب خیالات کا، کبھی نہ خالی ہونے والا

خزانہ ہے۔ وہ انسانی جماعت کو نیک اور پاکیزہ خیال بنانے کے لیے اس دنیا میں بھیجے گئے تھے، اس لیے سچے اور حقیقی شاعر تھے۔

شمس العلما سیّد امداد امام آثر بہت سچ کہتے ہیں کہ مرزا دبیر تمام تر صفاتِ ملکوتی سے متصف اور لاریب خاصانِ خدا تھے۔ اولیاے خدا کی خوبیاں خدا نے انھیں بخشی تھیں۔ ان کی سخاوت اور ایثار شہرۂ آفاق ہے۔ علم و فضل کے ساتھ توفیق عبادت بہت کچھ خداے پاک نے عطا فرمائی تھی۔ اخلاقِ محمدی کا آپ پورا نمونہ تھے۔ جود و سخا، بذل و عطا میں اپنا جواب آپ تھے۔ منکسر المزاجی، خاکساری اور فروتنی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ خوش مزاجی، خوش اخلاقی اور خوش اوقاتی آپ پر ختم تھی۔ عمر بھر کسی کی غیبت نہ کی۔

شاعری کا آغاز: دبیر نے ۱۲ سال کی عمر میں ۱۸۱۵ء میں شاعری کا آغاز کیا۔

مدتِ مشقِ سخن: ۶۰ سال

پہلا قطعہ: یہ قطعہ مرزا صاحب نے اپنے استاد ضمیرؔ کو سنایا تھا:

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس کی شام و سحر
کسی کا کوچ، کسی کا مقام ہوتا ہے

آخری قطعہ تاریخ: یہ قطعۂ تاریخ ہے جو میر انیسؔ کے انتقال پر کہا تھا، جس کے آخری دو مصرعوں کے مجموعی اعداد سے تاریخ عیسوی نکلتی ہے۔ مرزا نے معتقدین کی طرح آسمان کے الف ممدودہ کے عدد دو لیے ہیں:

آسماں بے ماہِ کامل، سدرہ بے روح الامیں
طورِ سینا بے کلیم اللہ منبر بے انیسؔ

(۱۸۷۴=۹۴۵+۹۲۹)

پہلا مرثیہ: ع: بانو پچھلے پہر اصغر کے لیے روتی ہے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مرزا دبیر کا پہلا مرثیہ ہے۔ یہ مرثیہ حضرت علی اصغر کے حال میں ہے۔

آخری مرثیہ: ع: انجیل مسیح لب شبیر ہیں عباسؑ

مرزا دبیر یہ مرثیہ نظم کر رہے تھے کہ میر انیسؔ کے انتقال کی خبر ملی۔ مرثیہ ناتمام چھوڑ دیا اور کہا کہ ''دبیر یہ تیرا

آخری مرثیہ ہے'' اور یہی ناتمام مرثیہ انھوں نے اپنی آخری مجلس میں ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۹۱ ہجری میں پڑھا۔ یہ مرثیہ حضرت عباسؑ کے حال میں تھا۔

اساتذہ: تقریباً دس برس میر ضمیر لکھنوی سے استفادہ کیا۔ میر ضمیر نے تخلص دبیرؔ لکھا۔
شادؔ عظیم آبادی کہتے ہیں، میر عشق: فرزندِ انیسؔ لکھنوی نے بھی نوک و پلک سنوارنے میں مدد کی۔

ضمیرؔ اور دبیرؔ میں رنجش: حکایت: جس قدر مرزا صاحب کی شہرت و نیک نامی بڑھتی تھی، حاسدوں کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔ بعض شاگردوں نے سوچا دبیرؔ اور ضمیرؔ میں بگاڑ پیدا کر دیں تا کہ دبیرؔ بے اصلاح کا کلام پڑھیں اور ان کی قلعی کھلے، کیونکہ یہ شاگرد مرزا دبیرؔ کی تمام خوبیاں میر ضمیرؔ کی اصلاح کی بدولت سمجھ رہے تھے۔ افتخار الدّولہ، جو ہندو سے مسلمان ہوئے تھے، رمضان کی شبوں میں مجلس کراتے تھے، چنانچہ انھوں نے ایک بار دونوں صاحبوں سے اصرار کیا کہ نیا مرثیہ پڑھیں۔ دبیرؔ کی مشقِ سخن شباب پر تھی، چنانچہ انھوں نے نیا مرثیہ کہا:

ع: ''ذرہ ہے آفتاب، درِ بوتراب' کا'' لیکن ضمیرؔ نیا مرثیہ نہ کہہ سکے۔ جب دبیرؔ نے استاد ضمیرؔ کو اپنا مرثیہ سنایا تو حاسد شاگرد۔ بدعلی بشیرؔ کو بُرا لگا۔ انھوں نے دبیرؔ سے کہا کہ تم یہ مرثیہ استاد کو دے دو، لیکن بات آخر یہ قرار پائی کہ مرثیے کا نصف اوّل دبیرؔ اور نصف آخر ضمیرؔ پڑھیں گے، چنانچہ جب مجلس میں دبیرؔ نے مرثیہ پڑھنا چاہا تو بشیرؔ نے دبیرؔ کو منع کیا لیکن دبیرؔ نے طے شدہ قرارداد کے مطابق آدھا مرثیہ پڑھا، اُدھر بشیرؔ نے استاد ضمیرؔ سے کہا کہ دبیرؔ نے عمدہ حصے والا مرثیہ پڑھ لیا ہے، چنانچہ ضمیرؔ نے منبر پر جا کر کہا کہ میں اپنے ساتھ کوئی مرثیہ نہیں لایا اور جو مرثیہ دبیرؔ نے یہ کہہ کر پڑھا ہے کہ وہ ضمیرؔ کا ہے، غلط ہے۔ یہ مرثیہ دبیرؔ ہی کا ہے۔ اس واقعے کے بعد استاد اور شاگرد نے خلعت بھی قبول نہ کی اور اس رنجش کی وجہ سے استاد اور شاگرد ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔

دبیرؔ اور ضمیرؔ میں صفائی: حکایت: ایک دن وزیر اودھ نواب علی نقی خان صاحب کی مجلس میں مرزا دبیرؔ نے اپنا تصنیف مرثیہ پڑھا جس کا مطلع ہے: ع: ''اے عرشِ بریں! تیرے ستاروں کے تصدق'' اس مجلس میں میر ضمیرؔ بھی شریک تھے۔ مجلس چونکہ وزیر کی تھی، بادشاہ بھی شریک تھے، جنھوں نے مرزا دبیرؔ کی بڑی تعریف کی۔ مرزا دبیرؔ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا: یہ سب استاد میر ضمیرؔ کا فیض ہے۔ مجلس کے بعد میر ضمیرؔ نے دبیرؔ کو گلے لگایا اور پھر گھر لے گئے۔ سب اگلی پچھلی باتیں دہرائی گئیں۔ میر عابد علی بشیرؔ کی خطا ثابت ہوئی۔ ضمیرؔ اور دبیرؔ

میں رنجش باقی نہ رہی۔

مرزا دبیر، میر ضمیر کا تخلص کے ساتھ نام نہیں لیتے تھے بلکہ حضرت، استاد، جنت مکان وغیرہ تعظیمی الفاظ استعمال کرتے تھے۔ میر ضمیر سال کی چھ مجلسیں پڑھتے تھے۔ مرزا دبیر ان مجالس کی ابتدا سے مشق سخن میں پیش خوانی بھی کرتے تھے۔

شاگرد: مرزا دبیر کے شاگردوں کی فہرست بڑی ہے، ہم یہاں صرف منتخب شاگردوں کے نام پیش کریں گے:

(۱) محمد جعفر اوج، (۲) محمد ہادی حسین عطارد (۳) محمد نظیر (۴) میر بادشاہ بقا (۵) شاد عظیم آبادی (۶) منیر شکوہ آبادی (۷) مشیر لکھنوی (۸) صغیر لکھنوی (۹) ممتاز الدولہ (۱۰) ملکہ زمانی (۱۱) سلطان عالیہ (۱۲) زیب النساء حاجی (۱۳) قدیر دہلوی (۱۴) محمد تقی اختر (۱۵) شیخ فقیر حسین عظیم (۱۶) صفدر فیض آبادی (۱۷) سید باقر مہدی بلیغ (۱۸) محمد رضا ظہیر (۱۹) وہاب حیدرآبادی (۲۰) امام باندی عفت (۲۱) مطیر (۲۲) سفیر (۲۳) صبا (۲۴) وزیر (۲۵) حقیر وغیرہ۔

پڑھنے کا طریقہ: مرزا دبیر منبر کے چوتھے زینے پر بیٹھتے تھے۔ پہلے منبر پر بیٹھ کر دو چار منٹ چار طرف مجلس کو دیکھتے۔ اکثر لوگوں سے سلامت اور مختصر مزاج پرسی کرتے۔ اسی دوران زیر منبر کوئی مصاحب مرثیے کے کاغذات دیتے۔ مرزا صاحب ان کاغذات سے چند کاغذوں کا انتخاب کر کے زانو پر رکھ لیتے اور پھر ہاتھ اٹھا کر بہ آواز بلند فاتحہ کہتے اور خضوع و خشوع کے ساتھ سورۂ الحمد تمام کر کے بھی کچھ پڑھتے۔ خبیر لکھنوی ''رباعیات دبیر'' میں لکھتے ہیں: ''آج بھی مرزا دبیر کے اہل خاندان اور اُن کے خاندان کے تلامذہ پہلے فاتحہ کہہ لیتے ہیں، پھر رباعی سلام اور مرثیہ پڑھتے ہیں۔ میر انیس کے خاندان میں فاتحہ نہیں کہتے اور یہی دونوں خاندانوں کی اب پہچان رہ گئی ہے۔''

مرزا دبیر اہلِ مجلس کو زیادہ تر مخبو یا حضرات کے لفظ سے مخاطب کرتے جاتے۔ مصرع نصف ایک جانب اور نصف دوسری جانب نظر کر کے پڑھتے۔ پڑھتے وقت قریب سے دیکھنے والوں کو ان کی جوش کی حالت پوری محسوس ہوتی تھی۔ نصف مصرع کو ڈپٹ کر اور نصف کو بہت آہستہ ادا کرنا کچھ انھیں پر ختم ہوگیا۔ ہاتھ یا چہرے سے بتانا مطلق نہ تھا۔ حزن یا بین کی جگہ آواز کو نرم بنا کر سامعین پر اثر ڈالنا بھی چنداں نہ تھا۔ اکثر اہل مجلس کو روتے روتے غش آجاتا تھا۔ پورا مرثیہ، از مطلع تا مقطع، مسلسل پڑھتے میں نے نہیں سنا۔ مشکل سے مرثیے کے ایک سو بند پڑھتے ہوں گے۔ آخر میں پسینے سے شرابور ہو جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ

ڈیڑھ گھنٹے تک پڑھ کر اتر آتے تھے۔''

مؤلف ''حیات دبیر'' ثابت لکھنوی کہتے ہیں: ''مرزا دبیر جوشِ معرفت میں سینے کے زور سے پڑھتے تھے اور مجلس میں جب کبھی پڑھنے کو جاتے تھے، وضو کر کے جاتے تھے۔ آواز بھاری اور پاٹ دار تھی، فطری طور پر کہیں خود بخود ہاتھ اٹھ جاتا تھا، ورنہ منبر پر بیٹھ کر بتلانے کو وہ عیب جانتے تھے۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے، مرثیہ خوانی سے بتانے کو کیا علاقہ ہے۔ اس مضمون کو اپنی ایک رباعی میں یوں بیان کرتے ہیں:

ناحق نہ چیخنا نہ چلانا ہے
بے کار نہ ہر بند پہ بتلانا ہے
ابنِ شہِ مرداں کا ثنا خواں ہوں میں
صد شکر کہ پڑھنا مرا مردانہ ہے

حکایت: ۱۸۷۲ء میں داروغہ میر واجد علی تسخیر لکھنوی کے امام باڑے میں دبیر نے یہ مرثیہ پڑھا تھا:

ع: ''پرچم ہے کس علم کا، شعاع آفتاب کی'' تمام مجلس تصویر بنی ہمہ تن گوش تھی، یہاں تک کہ مرزا دبیر اس موقعے پر پہنچے کہ حضرت زینب اپنے بچوں سے پوچھتی ہیں کہ تم نے شمر سے بات کیوں کی؟ اس موقعے پر مرزا دبیر نے ایک مصرع تین طرح سے پڑھا۔ ہر مرتبہ مصرعے کے ایک نئے معنی سامعین کے ذہن میں آئے:

(۱) کیوں۔ تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی؟ (گھڑکی کے لہجے میں)

(۲) کیوں؟ تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی؟ (سوالیہ طور پر)

(۳) کیوں تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی (تاسف کے لہجے میں)

اس مصرعے پر اس قدر رقت ہوئی کہ مرثیہ آگے نہ پڑھ سکے۔ مرزا دبیر کو خاص کر بین کے مقامات پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ کہتے ہیں کہ مرزا دبیر کے پڑھنے کا انداز انھیں کے ساتھ ختم ہو گیا۔ انھوں نے کسی اپنے شاگرد کو اپنے پڑھنے کا طرز نہیں سکھایا۔

طریقہ تصنیف: ثابت لکھنوی کے قول کے مطابق: ''مرزا صاحب اکثر باوضو جانماز پر بیٹھ کر مرثیہ تصنیف فرماتے تھے۔ کبھی کبھی بعد نماز شب اور کبھی بعد نماز صبح اور کھانا کھانے کے بعد گیارہ بجے دن، کہا کرتے تھے۔ بعض بعض مصرعوں پر ایسا وجد طاری ہوتا تھا کہ جھوما کرتے اور اکثر بین کے مضامین پر مسلسل آنسو جاری ہو جاتے

تھے۔ جب تک طبیعت حاضر نہ ہوتی تھی، نہ کہتے تھے اور جب حضورِ قلب کا عالم ہوتا تھا، کہتے تھے اور جلد جلد کہتے تھے۔''

شادؔ عظیم آبادی ''پیغمبرانِ سخن'' میں لکھتے ہیں: ''آخرِ شب سے تہجد پڑھ کر مرثیے کی تصنیف شروع ہوتی تھی۔ صبح تک جتنے بند کہتے تھے، بعد ادائے نماز اس کو لیے ہوئے باہر آتے تھے۔ کاتب موجود رہتے۔ خود بتا بتا کر اپنے سامنے صاف کرواتے تھے۔ یہ بھی مسوّدہ دوم میں داخل ہوتا تھا۔ مسوّدہ اوّل و دوم سب مقفل کیا جاتا تھا، پھر شب کو مسوّدہ اوّل نکالا جاتا تھا۔ مرثیوں کی تصنیف یوں نہ ہوتی تھی کہ مطلع شروع کر کے چہرہ، صف آرائی، رخصت، لڑائی وغیرہ کے بند ترتیب کے ساتھ کہتے ہیں بلکہ مثلاً تلوار یا گھوڑا یا صف آرائی یا چہرہ یا رخصت میں جتنے مضامین متعلقِ مرثیہ کہے ہیں، ہر مضمون کے سو سو دو دو سو بند لکھے جاتے تھے، آخر میں اس ذخیرے سے بند لے کر پانچ پانچ چھ چھ مرثیے مرتب کر لیتے تھے۔ کچھ موٹی موٹی جلدیں کاتب سے صاف کروائی ہوئی، انھیں بے ترتیب بندوں کی، الگ رہتی تھیں اور جب یہ بند بصورتِ مرثیہ مرتب ہو جاتے تھے تو کتاب کے اندر ترتیب وار داخل کیے جاتے تھے۔ اسی طرح سلاموں مخمّسوں، قطعات وغیرہ کی جلدیں صاف کی ہوئی، الگ رہتی تھیں۔ کاتب کو دم لینے کی فرصت نہ تھی، تازہ تصنیف کو تو اپنے سامنے بٹھا کر صاف کرواتے تھے ورنہ حوالے کر دیتے تھے، وہ الگ بیٹھا لکھا کرتا تھا۔

''شادؔ عظیم آبادی کی گفتگو افضل حسین ثابتؔ لکھنوی کے بیان کردہ میر دستور علی بلگرامی کے ''دفترِ پریشان'' سے ثابت ہوتی ہے جس میں دبیر نے بیس (۲۰) چہرے، بیس (۲۰) رخصتیں، بیس (۲۰) رجز، بیس (۲۰) لڑائیاں، بیس (۲۰) سراپا اور بیس (۲۰) بین و بیانِ شہادت نظم کیے ہیں۔ مشہور ہے کہ دبیر بہت جلد جلد کہتے تھے۔ ذیل کی حکایات ان کی زود گوئی کا ثبوت ہیں۔

حکایت ۱: میر وزیر حسین صاحب ناقل ہیں کہ ''میں جس وقت مرزا دبیر کی خدمت میں پہنچا، دن کے بارہ بج چکے تھے۔ مرزا صاحب کھانا کھا کر پلنگ پر آرام کر رہے تھے۔ دو کاتب پلنگ کے اِدھر اُدھر بیٹھے تھے۔ مرزا دبیر دونوں کاتبوں کو تو تصنیف دو مرثیے لکھوانے لگے، کبھی اس کاتب کو تین مصرعے بتا دیتے کبھی اُس کاتب کو بعض مصرعے یا بیت۔ بعض مصرعوں پر اتنا جوش آ جاتا کہ بیٹھ جاتے۔ تقریباً چار بجے تک یہی سماں رہا۔ جب نمازِ ظہرین کے لیے اٹھے تو معلوم ہوا کہ ہر کاتب نے ساٹھ ساٹھ بند دو مرثیوں کے لکھے ہیں۔ ایک مرثیہ حالِ حضرت علی اکبرؑ اور دوسرا امام حسینؑ کے حال میں تھا۔

حکایت نمبر۲: میر دستور علی صاحب بلگرامی نے بتایا کہ ایک صاحب مرزا صاحب کے پاس آئے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ اس وقت بارہ تیرہ بند اس حال میں کہہ دیجیے کہ بعد شہادتِ علی اصغرؑ، ان کی ماں قبرِ علی اصغر پر آئی، کہ میں اُن بندوں پر سوز رکھ کر فلاں رئیس کے پاس پڑھوں گا۔ مرزا صاحب نے کہا کہ اب مجلس میں جا رہا ہوں۔ اُس شخص نے کہا کہ میرے رزق کا معاملہ ہے، پھر مرزا صاحب نے کھڑے کھڑے چودہ پندرہ بند لکھوا دیے اور وہ سوز خوان لے گئے۔ اس طرح ایسے سیکڑوں بندوں کی نقل کچھان کے گھر میں نہیں رہی۔

اصلاح کا طریقہ: مرزا دبیرؔ کے شاگردوں کی تعداد زیادہ تھی۔ مرزا صاحب شاگرد سے اُس کا کلام سنتے جاتے اور جس مصرعے یا بند پر اصلاح دینا ہوتا تو مرثیہ لے کر اپنے ہاتھ سے بنا دیتے تھے۔ جو لفظ کاٹتے یا بناتے تھے، اگر وہ شاگرد حاضر ہوتا تو زبانی بتا دیتے ورنہ حاشیے پر بطور اشارہ لکھ دیتے تھے۔

حکایت: میر واجد حسین کہتے ہیں کہ مرزا دبیرؔ نے کسی شاگرد کا ایک اصلاح شدہ مرثیہ انھیں دے کر کہا کہ اسے صاف کردو! مرثیہ کی ٹیپ تھی: ع:

آپ آئے ہیں عورت نہ کوئی سامنے آئے
اقبال سے کہہ دو کہ عناں تھامنے آئے

چنانچہ واجد حسین صاحب نے اس شعر میں تصرّف کر کے اپنی طرف سے لکھا:

ع: "ہاں فتح سے کہہ دو کہ عناں تھامنے آئے" کسی طرح سے مرزا دبیرؔ کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ مرزا صاحب نے کہا کہ پہلے سمجھ لو کہ لفظ "فتح" میں کیا بُرائی ہے اور "اقبال" میں کیا خوبی ہے۔ اقبال اُردو میں مذکر اور فتح مونث ہے، چنانچہ فتح کا جو مونث ہے، سامنے آنا کب مناسب ہوگا، اس کے سوا اقبال کے خود معنی آگے آنے کے ہیں، لفظ فتح میں یہ بات کہاں۔ پھر فرمایا: اکثر بزرگوار میرے مرثیوں میں الفاظ کی خوبی اور اثر کو نہیں سمجھتے، اپنی سمجھ کے موافق بدل دیتے ہیں۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے مصنف نے یونہی کہا ہوگا۔ اُس کو کیا خبر کے دبیرؔ کے اصلاح دینے والے بے انتہا ہیں۔

ایجادات: "حیاتِ دبیرؔ" کے مولف ثابت لکھنوی نے مرزا دبیرؔ کی اُن ایجادات کو بیان کیا ہے جو میر انیسؔ کے کلام میں موجود نہیں۔ ہم اجمالی طور پر یہ ایجادات یہاں بیان کرتے ہیں:

۱۔ مرثیے کو حمد و نعت و منقبت سے شروع کیا، بادشاہ اور مجتہدِ عصر کی بھی مدح فرمائی۔ مثال: مطلع مرثیہ: "طغرا نویس کن فیکوں ذوالجلال ہے"

۲۔ چہاردہ (۱۴) معصومین علیہم السلام کے حال میں علیحدہ علیحدہ مرثیے کہے، چنانچہ "دفترِ ماتم" کی چودہ جلدوں میں یہ ترتیب ہے کہ ہر جلد ایک معصوم کے حال کے مرثیے سے شروع ہوتی ہے۔

حکایت: مرزا اوجؔ کہتے ہیں جب نواب نادر مرزا صاحب فیض آبادی نے مرزا صاحب کو بلوایا تو اُن سے خواہش کی کہ چودہ معصومین کے حال میں مختصر مرثیے لکھ دیں تاکہ وہ ہر معصوم کی وفات کے دن مجلس میں پڑھ سکیں، چنانچہ جب مرزا صاحب پالکی میں واپس شہر لکھنؤ آئے تو راستے میں تمام مرثیوں کو کہہ کر اُن لوگوں کے ہاتھ، جو مرزا صاحب کو لکھنؤ لائے، دے دیے کہ نواب صاحب کو دے دیں۔ یہ مرثیے مختصر مرثیے ہیں۔ مرزا دبیرؔ کا خیال تھا کہ ہر معصوم کے حال میں ایک ایک طولانی مرثیہ کہیں گے، چنانچہ امام موسیٰؑ کاظم کے حال میں ان کا ایک طولانی مرثیہ موجود ہے۔

۳۔ حالِ ولادتِ حضرت عباسؑ: "انجیلِ مسیحِ لبِ شبیرؑ ہیں عباسؑ" —— اور حالِ ولادتِ حضرت علی اکبرؑ: "جب رونقِ مرقعِ کون و مکاں ہوئی" لکھا۔

۴۔ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی شادی کا حال اس مرثیے میں نظم کیا:

ع: "جب فاطمہؑ سے عقدِ شہِ لافتیٰ ہوا" یہی نہیں بلکہ عقدِ حضرت علیؑ، جو حمیدہ ام البنین سے ہوا، اس کا ذکر مرثیہ ع: انجیلِ مسیحِ لبِ شبیرؑ ہے" "عباسؑ" میں کیا ہے۔ اسی طرح حضرت عباسؑ کی شادی کا حال "جب اخترِ یعقوب پہ کی مہر خدا نے" میں ذکر کیا ہے۔

۵۔ مرزا دبیرؔ کے زمانے میں ترکوں نے کربلائے معلیٰ میں قتلِ عام کیا تھا جس میں بائیس (۲۲) ہزار شیعہ قتل ہوئے۔ اس قتل و غارت کو مرزاؔ صاحب نے کئی رباعیات میں نظم کیا اور تفصیل سے اس مرثیے میں نظم کیا جس کا مطلع ہے: ع: "اے قہرِ خدا! رومیوں کو زیر و زبر کر"

۶۔ حالاتِ تاریخی پر مرثیہ لکھا: ع: "فہرست یہ شبیرؑ کے لشکر کی رقم ہے"

۷۔ مرثیے میں مناظراتی پہلو۔ مرزا صاحب کے دور میں ایک شخص نے شدّت سے تعزیہ داری کی مخالفت کی تھی تو مرزا صاحب نے اس کا جواب اس مرثیے میں لکھا! ع: "اے شمعِ قلم انجمن افروز رقم ہو"

۸۔ مرثیوں میں طرزِ بیان کے جدید نکات، جیسے شام کے زندان میں حضرت سکینہؑ کو سُلانے کے لیے حضرت زینبؑ کا کہانی کہنا: جو امام حسینؑ کی کہانی تھی: ع: "جب کہ زنداں میں نبی زادیوں کو رات ہوئی"

۹۔ مرثیوں میں بہت سی معتبر روایتوں کو نظم کیا جیسے: ع: "جب ان میں بعد فتح عدو ایک شب رہے" ——

میں نصرانی تاجرہ کا واقعہ وغیرہ ہے۔

۱۰۔ مرثیے میں قاتلانِ حسینؑ سے انتقام، حالِ حضرتِ مختارؒ: ع: ''جب تیغ انتقام برہنہ خدا نے کی''

۱۱۔ مرثیے میں حُر کا سراپا لکھا: ع: ''اب تک کسی نے حر کا سراپا نہیں کہا''

اصحابِ حسینؑ: حبیب ابنِ مظاہر، زہیر ابنِ قین، وہب ابن کلبی کے متعلق مراثی لکھا۔

۱۲۔ پانی اور آگ کا مناظرہ۔ ان دونوں عنصروں کے سبب سے جو ظلم اہلِ بیتؑ پر ہوئے۔ ع:

''آتش سے، سبب دشمنیِ آب کا، کیا ہے؟''

۱۳۔ مرزا دبیرؔ سے پہلے اور ان کے ہم عصروں میں بھی عموماً مرثیے چار بحروں: رمل، ہزج، مضارع اور مجتث میں کہے جاتے تھے لیکن مرزا صاحب نے دوسری بحروں میں بھی مزید اور طویل مراثی کہے، جو مقبول ہوئے۔

۱۴۔ مرزا دبیرؔ نے ایک مرثیے میں کئی مطلع لکھنے کو رواج دیا، یعنی ایک مرثیے میں رخصت، لڑائی، شہادت کے موقعے پر کئی مطلع دیتے تھے۔

۱۵۔ ایک مرثیہ: ع: ''آہوے کعبۂ قربانیِ داور ہے حسینؑ'' ـــــ میں تمام احکامِ ذبیحہ نظم کیے اسی طرح ع: کیا شان روضۂ خلفِ بوترابؑ ہے۔'' میں زیارتِ ناحیۂ مقدسہ کے اکثر فقروں کا مطلب بیان کیا ہے۔

۱۶۔ سلاموں میں طویل قطعہ بند رکھنا بھی مرزا دبیرؔ ہی کی ایجاد ہے، جیسے سلام میں حُر اور ابن سعد کی گفتگو۔ دبیر کے بعد ان کے شاگردوں نے بھی سلاموں میں قطعہ بند رکھے۔

۱۷۔ دبیرؔ نے مرثیوں میں خطباتِ امام حسینؑ نظم کیے۔

۱۸۔ دبیر نے ایک مرثیے میں تمام علم بیان اور علم بدیع کی صنعتوں کو جمع کیا جس کا مطلع ہے: ع:

''لعلِ لبِ شبیرؑ گہر بار ہے ان میں''

۱۹۔ دبیرؔ نے باکردار علماء کی مدح وستایش کے عنصر کا اضافہ کیا۔

۲۰۔ دبیرؔ نے محافل کے لیے بشکلِ مثنوی ''احسن القصص''، ''معراج نامہ'' اور ''فضائل چہاردہ معصومؑ'' نظم کیے۔

۲۱۔ مرزا دبیرؔ کے مرثیوں کے مطلعوں میں ''جب'' ایک سو سے زیادہ اور ''جو'' پچاس سے زیادہ مقامات پر آیا ہے۔ یہ اسلوب دبیرؔ کے گہرے قرآنی مطالعے کا نتیجہ ہے۔ بعض سورتوں اور آیتوں کا آغاز ''اذا'' سے ہوا ہے جس کے معنیٰ ''جب'' کے ہیں۔ مرزا دبیر کے مراثی میں آیات واحادیث کے ٹکڑے نظم کیے گئے ہیں۔

ع: ''جب ختم کیا سورۂ واللیل قمر نے'' ع: ''یارو کریم وہ ہے جو وعدہ وفا کرے''

تصانیف مرزا دبیر

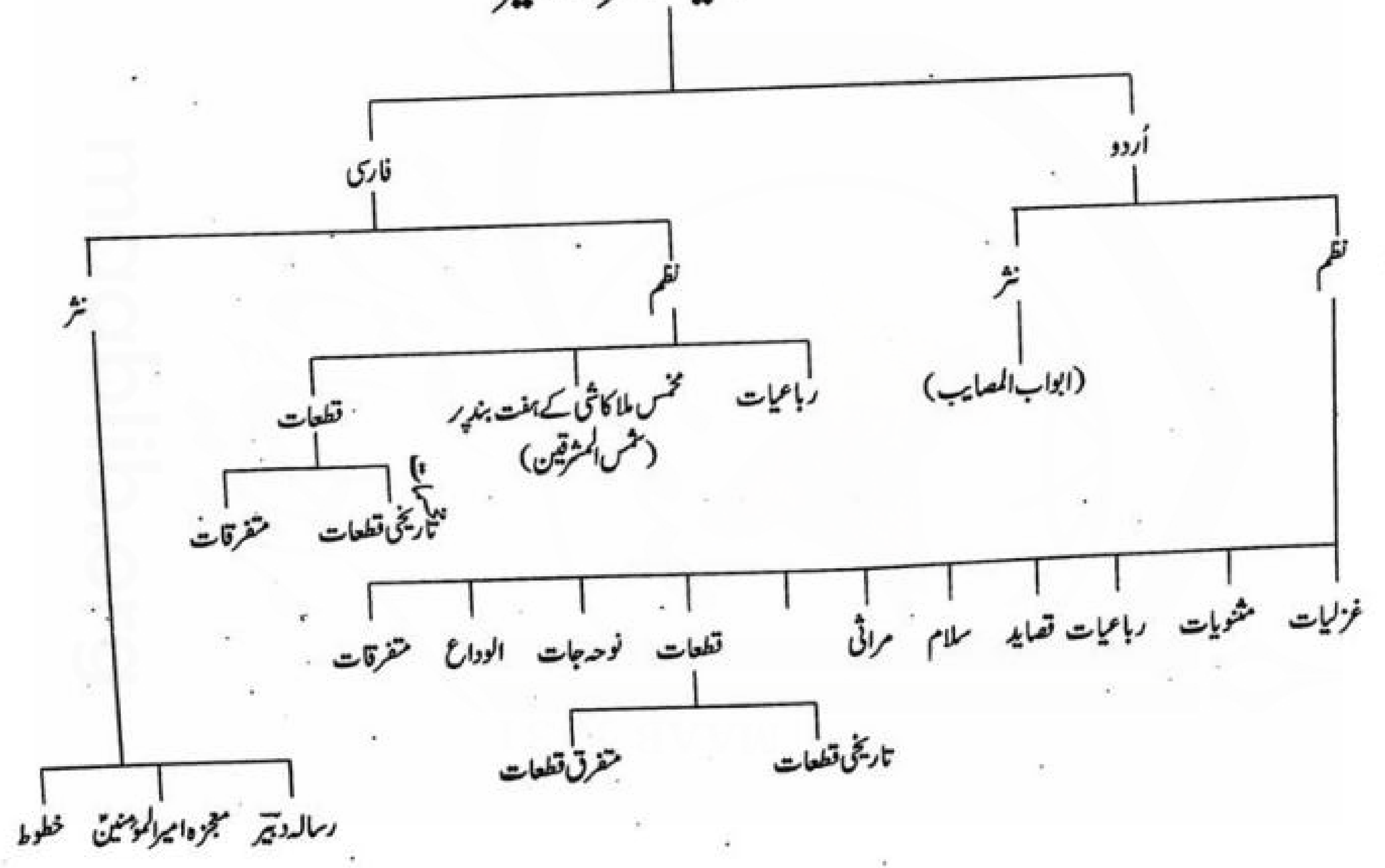

مقامِ دبیر مشاہیرِ سخن وادب کی نظر میں

(۱) مرزا غالب: مرثیہ گوئی مرزا دبیر کا حق ہے، دوسرا اس راہ میں قدم نہیں اٹھا سکتا۔ (صفیر بلگرامی)
یہ حصّہ دبیر کا ہے۔ وہ مرثیہ گوئی میں فوق لے گیا۔ ہم سے آگے نہ چلا گیا۔ ناتمام رہ گیا۔
(امجد علی اشہری)

ہندوستان میں انیس اور دبیر جیسا مرثیہ گو نہ ہوا ہے نہ آیندہ ہوگا۔ (حالی)

(۲) شیخ ناسخ: مرزا دبیر کے اس شعر کو سن کر فرمایا: سلامت علی سا طبیعت دار خلاقِ مضامین نہ ہوا ہے، نہ ہوگا۔

یاں پنجۂ مریم کہوں پنجے کو پلک کے گہوارے میں عیسیٰ کو سلاتی ہیں تھپک

(۳) خواجہ آتش: مرزا دبیر کے غیر منقوط مرثیے کو سن کر کہا: کبھی فیضی کی غیر منقوط تفسیر سنی تھی اور اب سلامت علی کا یہ غیر منقوط مرثیہ۔ مرثیہ = ''کوہِ رقیم پر جو علیؑ کا گزر ہوا'' سن کر کہا: ارے میاں! ایسے مضامین کہو گے تو مر جاؤ گے یا خون تھوکو گے۔

(۴) میر انیس: انیس کے دل میں دبیر کی بڑی عزت تھی۔ میر انیس کا بیان ہے کہ والد کے سامنے کوئی شخص صراحۃً یا کنایۃً مرزا دبیر کی تنقیص نہیں کر سکتا تھا، اسی طرح مرزا دبیر کے یہاں کسی کی مجال نہ تھی کہ میر انیس پر بے جا حملہ کرے۔ دونوں ایک دوسرے کی نسبت فرماتے تھے کہ ایسا صاحبِ کمال شاید پھر پیدا نہ ہو۔ جب کسی سائل نے یہ سمجھ کر کہ میر انیس خوش ہوں گے، مرزا دبیر کی تنقیص کی تو میر انیس نے انھیں دو روپے تھما کر فرمایا: سید صاحب! مرزا دبیر نے میرا کیا بگاڑا ہے! وہ آپ کے جدّ کا مرثیہ کہتے ہیں۔ کیا کریں؟ میری خاطر مرثیہ کہنا ترک کر دیں۔ خبردار! اگر دوبارہ مرزا صاحب کی تنقیص میرے سامنے کی۔''

(۵) مجتہد العصر علامہ جائسی: مرزا دبیر کا اعزاز ان کے کمال کے سبب خاندان اجتہاد میں تھا۔ وہ سیّد تقی صاحب قبلہ خلف سیّد العلما کی مجلس میں پڑھا کرتے تھے جس میں تمام مجتہدین اور لکھنؤ کے اہل کمال شریک ہوتے تھے۔ یہ عزّت تمام اعزازوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

(۶) میر ضمیر لکھنوی: ؎ پہلے تو یہ شہرہ تھا ضمیر آیا ہے اب یہ کہتے ہیں استادِ دبیر آیا ہے

(۷) مفتی میر عباس صاحب: میر انیس کا کلام فصیح و شیریں ہے، مرزا صاحب کا کلام دقیق اور نمکین، پس! جب ایک دوسرے کا ذائقہ مختلف ہے تو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

(۸) مرزا رجب علی بیگ سرور مؤلف ''فسانۂ عجائب'': مرثیہ گو بے نظیر، میاں دلگیر صاف باطن نیک ضمیر خلیق، فصیح، مردِ مسکین، مکروہاتِ زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا۔ اللہ کے کرم سے ناظمِ خوب، دبیرِ مرغوب، بارِ احسان، اہلِ دوَل کا نہ اٹھایا۔

(۹) واجد علی شاہ: ؎ بچپن سے ان کے دامِ سخن میں اسیر ہوں میں کم سنی سے عاشقِ نظمِ دبیر ہوں

(۱۰) میر صفدر حسین مؤلف ''شمس الضحیٰ'': مرزا دبیر کی شہرت ہندوستان سے نکل کر ایران و عراق تک پہنچ گئی تھی۔

(۱۱) محمد حسین آزاد: دبیر، شوکتِ الفاظ، مضامین کی آمد، اس میں جا بجا غم انگیز اشارے، درد خیز کنائے، المناک اور دل گداز انداز جو مرثیہ کی غرضِ اصلی ہے: ان وصفوں کے بادشاہ تھے۔ دبیر اور انیس: یہ پاک روحیں جن کی بدولت ہماری نظم کو قوت اور زبان کو وسعت حاصل ہوئی، صلہ ان کا سخن آفرین حقیقی عطا کرے، ہمارے شکریے کی کیا بساط۔

(۱۲) شبلی نعمانی: میر انیس و مرزا دبیر کے موازنے میں عموماً میر انیس کی ترجیح ثابت ہوگی لیکن کلیہ میں مستثنیٰ ہوتا ہے۔ بعض موقعوں پر مرزا دبیر صاحب نے حسن بلاغت سے مضمون ادا کیا ہے، میر انیس سے نہیں ہوسکا۔

(۱۳) شاد عظیم آبادی: مجھ سے زیادہ مرزا صاحب کا معترف کمال شاید ہی کوئی ہو جس نے اس فن میں ایسا نام پایا ہو اور میر انیس جیسے عجوبۂ روزگار کا جو طرفِ مقابل قرار دے گیا ہو، جس نے لوگوں کو کہہ کہہ کے دفتر کے دفتر دے دیے اور شاعر بنا دیا۔ ان کے کمال کا اعتراف نہ کرنا بڑی جہالت ہے۔ مرزا دبیر کا ایک خاص انداز تھا جس کو وہ خود بڑی آن بان سے نباہ گئے۔ تشبیہ و استعارات، ترکیب و نازک خیالی میں ایک معنی پوشیدہ کار کھ دینا انھی کا کام تھا۔ وہ نظم کے تمام فنون سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ عروض کی تمام بحریں، ان کے زحافات اس طرح یاد تھے جیسے اہلِ اسلام کو توحید کے مسائل۔

(۱۴) امیر مینائی: میں تمام شعرائے عجم پر دو ایرانی شاعروں کو ترجیح دیتا ہوں: (۱) فردوسی (۲) جامی۔ دبیر اور انیس کو فردوسی و جامی پر بھی ترجیح و تفضیل دیتا ہوں۔

(۱۵) منیر شکوہ آبادی: دبیر سا عالی دماغ، بلند خیال، صاحبِ معلومات، ہر رنگ میں کہنے والا شاعر آج تک نہیں گزرا۔ مرزا دبیر زبان کے بادشاہ اور میر انیس جوہری ہیں۔ دبیر کا تخیل انیس کو نصیب نہیں ہوا اور انیس کی شناخت الفاظ و محل استعمال سے دبیر بے بہرہ تھے، مگر دبیر کے مقابلے میں صرف انیس اور انیس کے مقابلے میں صرف دبیر کو پیش کر سکتے ہیں۔ ہندوستانی کوئی اور شاعر ان دونوں کا پاسنگ بھی نہیں۔

(۱۶) گارساں دتاسی: دبیر کی شہرت ہندوستان سے نکل کر ایران و عراق تک پہنچ گئی تھی۔

(۱۷) نجابت حسین عظیم آبادی: ''الحق کہ شاعر در طلاقتِ بیان و پر گوئی و خوش خوانی نظیر نہ دارد۔''

(۱۸) سید امداد امام اثر: مرزا دبیر نے شاعری کا رتبہ ایسا بلند کر دیا کہ اور زبانوں کی شاعری اُسے دیدۂ حیراں سے نگراں ہے۔ دبیر کی سخاوت اور ایثار شہرۂ آفاق ہے۔ علم و فضل کے ساتھ توفیق عبادت خدا نے عطا فرمائی تھی۔ رفتار و گفتار میں یکتائے وقت تھے۔

(۱۹) مدیرِ ''اودھ اخبار'': دبیر، فنِ مرثیہ گوئی میں لاجواب تھے۔ تمام ہندوستان میں آفتاب تھے۔ عابد شب زندہ دار تھے۔ افصح الفصحا، ابلغ البلغا، سحبانِ زماں، طوطیِ ہندوستان، شاعرِ بے نظیر جناب مرزا دبیر پر مرثیہ گوئی کا خاتمہ ہو گیا۔

(۲۰) نواب حامد علی بیرسٹرایٹ لاء: میر، غالب، دبیر، انیس جسم شاعری کے عناصر اربع ہیں۔ اگر اُردو میں بلینک ورس کا رواج ہوتا تو سب سے زیادہ دو شاعر کامیاب ہوتے: (۱) غالب (۲) دبیر، اور دبیر غالباً غالب سے زیادہ کامیاب ہوتے۔

(۲۱) انسائیکلو پیڈیا برٹانکا: میر انیس نبیرۂ میر حسن اور ان کے ہم عصر مرزا دبیر مرثیہ گوئی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

(۲۲) امجد علی اشہری: ع: گر انیس کو فردوسیِ سخن پایا دبیر مثلِ نظامی ہوئے مرصع نگار

(۲۳) مولوی عبدالحی فرنگی محل: دبیر و انیس ایسے کامل شاعر ہندوستان میں تو کیا، عرب و عجم میں بھی نہیں نکل سکتے۔

(۲۴) اسیر لکھنوی: انیس اور دبیر: دونوں استاد ہیں اور میں ایک کو دوسرے پر علانیہ ترجیح نہیں دے سکتا۔

(۲۵) نظیر الحسن چودھری: مرزا صاحب نے مضمون آفرینی اور موشگافیوں کا جو رنگ اختیار کیا، یہ طرز بجائے خود ایسا دقیق اور سنگلاخ تھا کہ اس کو ایسی خوبی کے ساتھ طے کر جانا انھیں کے زور قلم کا کام تھا، یہی وجہ ہے کہ وہی اس طرز کے موجد ہوئے، انھیں کے دم سے اس نے نشوونما پایا اور انھیں کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو گیا: ع:

"خلقتی بود کہ برقامتِ اُو دوختہ شد"

(۲۶) پروفیسر سیّد مسعود حسن ادیب: مرزا دبیر اعلی اللہ مقالہ کا پایۂ شاعری معرضِ اختلاف میں رہا کیا ہے مگر ان کے علم و فضل، ذہن و ذکا، زہد و اتقا، مذہبیت اور مومنیت کا کسی کو انکار نہیں۔

(۲۷) خبیر لکھنوی: انیس اور دبیر بہرکیف ایسے ہوئے کہ آج دنیا ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتی ہے مگر چل نہیں پاتی:

اک آسمانِ مدح کے دو آفتاب تھے
ان کا جواب وہ تھے، وہ ان کا جواب تھے

(۲۸) رشید احمد صدیقی: "انیس اور دبیر وہ لوگ ہیں جو مرثیہ ہی نہیں کہتے، جو کچھ کہتے، خدائے سخن کہلاتے۔"

(۲۹) مہذب لکھنوی: حقیقت یہ ہے کہ دبیر کا اصل میدان مشکل پسندی ہے۔ صنائع بدائع کی حشر سامانی کے ساتھ ساتھ ان کے خیال کا تلاطم جب انگڑائیاں لیتا ہوا تراکیب اور لفظیات کی پیچیدہ چٹانوں سے ٹکراتا ہے تو قوتِ متخیلہ کی شوریدہ سری تھمنے کا نام نہیں لیتی۔ یہاں ہم یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہیں کہ مرزا صاحب مغفور نے طبیعت کو خود اس طرزِ نظم پر مجبور کر کے آمادہ کیا۔

(۳۰) ثابت لکھنوی: سوزخوانوں کا یہ مقولہ اور عقیدہ ہے کہ جس مجلس کو در ہم برہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ رنگ نہ ہوگا، اس میں ہم مرزا دبیر کا مرثیہ پڑھتے ہیں، وہی رنگ دیتا ہے، دوسرے کا مرثیہ رنگ نہیں دیتا۔ مرزا صاحب نے اوّل اوّل مرثیوں میں بین عمدہ کہہ کر نام پیدا کیا اور محاورہ بندی کا خیال رکھ کر سلیس اُردو میں سیدھے سادے مرثیے کہے، پھر جو لکھنؤ میں باریکیاں اور صنعتیں بڑھتی گئیں، وہ بھی ہر رنگ میں مرثیے کہتے گئے، ادھر قدرتی شاعری پر علم کی صیقل ہوتی گئی، یہی وجہ ہے کہ ہر رنگ میں ان کا کلام نظر آتا ہے اور اس کثرت سے ہر رنگ میں کہا ہے کہ دریا بہا دیے ہیں۔

(۳۱) آغا شاعر قزلباش: مرزا دبیر ایک بحرِ ناپیدا کنار ہیں جن کو شیر کی طرح اپنی طاقت کی مطلق خبر نہیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں، بڑھتے چلے جاتے ہیں، اپنی قادر الکلامی سے لفظوں کو مطیع بناتے چلے جاتے ہیں۔

(۳۲) مسٹر ہیرا لال شیدا: میں اہلِ ادب سے معافی مانگ کر عرض کروں گا: مرزا دبیر کے ساتھ بڑی نا انصافی اور بے اعتنائی سے لوگوں نے کام لینا شروع کیا ہے۔ مرزا غالب کے مختصر دیوان میں سب شعر ایسے نہیں ہیں جن کو عوام سمجھ سکیں، پھر بھی ان کو قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اسی طرح اگر مرزا دبیر کا کچھ کلام دقیق ہے تو ان کو مجرم کیوں قرار دیا جائے، اپنا مبلغِ علم بڑھاؤ۔

(۳۳) ڈاکٹر اعجاز حسین: مرزا صاحب کے مراثی کی گریہ خیزی کا بڑا سبب یہ ہے کہ وہ نفسیات کے بڑے ماہر تھے۔

(۳۴) فراق گورکھپوری: دبیر کا ذخیرۂ کلام اتنا بڑا ہے کہ عام پڑھنے والے اس بحرِ زخار کی پیراکی نہیں کر سکتے۔

(۳۵) مولوی قاضی عبدالودود: انیس اور دبیر نے اُردو میں سب سے زیادہ شعر کہے ہیں۔

(۳۶) عابد علی عابد: دبیر، انیس سے بہتر بین لکھتا ہے اور اس سلسلے میں بلاغت کا حق ادا کر دیتا ہے۔

(۳۷) مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی: مرزا دبیر کے اشعار میں تمکنت، وقار، وزن اور بھاری بھرکم پن ہے۔ وہ سودا، ناسخ، ذوق کے ہم نوا ہیں۔ انھوں نے مرثیے کو قصیدے کی قبا پہنائی اور عربی نقد و نظر کے مطابق مرثیے کو ممدوح کے شایانِ شان بنانے کی طرف توجہ کی۔ آخر ان کی کوشش سے مرثیہ، قصیدے کے برابر پھر محنت و کاوش سے، بلندی تک پہنچا۔ صاحبانِ نظر جانتے ہیں کہ مرزا دبیر کا یہ کارنامہ تاریخ ادب میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ انھوں نے زبان واسلوب کے اعتبار سے مرثیے کو زیادہ جامع، زیادہ معنی خیز بنا دیا، زبان کو قوت اور لہجہ دیا، عقیدت کی نگاہ کو فن کی نظر بخشی، فارسی اور عربی کے الفاظ و تعبیرات کا تجربہ کیا، مرثیے کو مجلس میں پڑھنے سننے کے علاوہ، مدرسوں میں مطالعہ و درس اور ایوان ادب میں موضوعِ نقد و نظر بنا دیا۔ اب اگر سودا کا قصیدہ اور غالب کی غزل شرح طلب اور قابل مطالعہ ہے تو دبیر کا مرثیہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

(۳۸) نسیم امروہوی: مرزا دبیر کا کلام، معانی و بیان کی مقرر کردہ کسوٹی کے اعتبار سے اس بلند تر مقام پر فائز ہے جسے معراجِ سخن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، جس سے انکار یا احتراز، مذہب شاعرانہ میں کفر کے مترادف ہے۔

(۳۹) ڈاکٹر محمد احسن فاروقی: اگر میں کہوں کہ جدید دور کے شاعروں کے لیے، جو شاعری کو اپنے دور کی سچی ترجمانی بنانا چاہتے ہیں، مرزا دبیر کی شاعری، اور اقسام کی شاعری سے زیادہ مشکل راہ ہو سکتی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اسے جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں، وہ مرزا دبیر کے مطالعے سے حل ہو سکتی ہیں۔ بیسوی صدی مرزا دبیر کو اہم استاد منوانے کی طرف رجوع ہے۔ ہمارا ان کو سب سے بڑا خراجِ عقیدت یہ ہوگا کہ ہم ان کے ادراک کی اہمیت کا اعتراف کر لیں۔ یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کریں کہ اوّل درجے کے شاعر کی طرح ان کا بھی ایک منفرد اور مخصوص ادراک ہے۔ دورِ رواں کو اس کی اشد ضرورت ہے اور شاعروں کی شعوری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اپنا اہم ترین وقت مرزا دبیر کے مطالعے کو دیں اور اس سے ہدایت حاصل کر کے اُردو شاعری، جو پستی میں گر گئی ہے، اسے ایک نئی زندگی بخشیں۔

(۴۰) پروفیسر گوپی چند نارنگ: شاعری کی اہمیت صرف اس بات کی نہیں کہ شاعر، موضوع پر کتنا حاوی ہے بلکہ اس بات کی بھی

ہے کہ خود موضوع، شاعر پر کتنا حاوی ہے۔ یہ نہایت دلچسپ اور نا قابلِ تردید حقیقت سامنے آتی ہے کہ پابند قوافی والے بندوں کے استعمال پر دبیر کو وہ قدرت نہیں یا ان کی طبیعت کو پابند قوافی والے بندوں سے وہ نسبت نہیں، جو انیسؔ کو ہے، نیز تبدیلی اصوات کے مخصوص زیر و بم اور صوتی جھنکار سے جو جمالیاتی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ اسی اعتبار سے دبیرؔ کے یہاں کم ہے۔ دبیر کے یہاں کیفیت اگرچہ موجود ہے لیکن اس ہمہ گیری اور اعلیٰ پیمانے پر نہیں جیسی انیسؔ کے یہاں ہے۔ انیسؔ و دبیرؔ نے مرثیے کو جس اوجِ کمال تک پہنچادیا، اس کی دوسری نظیر دنیائے ادب میں مشکل سے ملے گی۔ ایسا کم ہی ہوا ہے کہ پوری صنف کو دو ہم عصر شعرا نے ایسا نمٹادیا کہ آئندہ آنے والوں کو شدید آزمائش سے دوچار کردیا۔

(۴۱) پروفیسر نیر مسعود: مرزا سلامت علی دبیرؔ اور میر ببر علی انیسؔ اُردو مرثیے کے دو سب سے بڑے نام ہیں۔ ان دونوں باکمالوں کے درمیان زمانی فاصلہ نہ تھا اور وہ ایک وقت میں، ایک ہی شہر میں سخن وری کی داد لے رہے تھے۔ معرکۂ انیسؔ و دبیر کا سب سے دل چسپ پہلو یہ ہے کہ خود انیسؔ و دبیرؔ میں کوئی خاص تصادم نہیں ہوا۔ ان دونوں کا تصادم زیادہ سے زیادہ یہاں تک رہتا تھا کہ ایک دوسرے کے ادا کیے ہوئے مضمون کو بہتر اور موثر تر پیرائے میں ادا کر کے دکھادیں اور اپنے فنی رویے کا زیادہ شدت سے اظہار کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ذاتی سطح پر دونوں باکمال ایک دوسرے کے مدّاح اور معترف تھے۔

(۴۲) ڈاکٹر فرمان فتح پوری: مرزا صاحب صنفِ اوّل کے شاعر اور ایک بلند پایہ استادِ فن ہیں۔ ان کا رنگ انیسؔ سے جدا ہے اور ایسی انفرادیت رکھتا ہے جس کی مثال اُردو مرثیے کی تاریخ میں نہیں۔ یہ دونوں دبستان اُردو میں شروع ہی سے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ایک کی نظر صرف زبان کی سادگی اور جذبے کی نرم روی پر رہتی ہے اور دوسرا رنگیں بیانی اور خروش الفاظ پر جان چھڑکتا ہے۔ دونوں کی الگ الگ اہمیت ہے، ایک زمانہ یہ تھا، صنائع سب کچھ تھی اور اب یہ زمانہ ہے، سادگی سب کچھ ہے۔

(۴۳) پروفیسر اکبر حیدری: مرزا دبیرؔ اُردو کے ایک عظیم، مستند اور مسلم الثبوت استاد شاعر ہیں۔ دبیرؔ شوکت الفاظ کے پروں میں اڑتے تھے اور انیسؔ صفائی کے دریا بہاتے تھے۔ معاصرین، دبیرؔ کے رنگ کو پسند کرتے تھے اور دل سے ان کی دادِ سخن دیتے تھے، ان میں مرزا رجب علی بیگ سرورؔ، مرزا غالبؔ، سیّد احمد حسین فرقاؔنی، نجات عظیم آبادی اور سلطانِ عالم واجد علی شاہ قابلِ ذکر ہیں۔ جب تک اُردو زبان اور اُردو مرثیہ گوئی دنیا میں قائم رہے گی، دبیرؔ کا نام میر انیسؔ کے دوش بدوش لیا جائے گا۔

(۴۴) پروفیسر صفی حیدر: دبیر نے مرثیے کے فکری معیار کو بلند کیا۔ ان کے مرثیے کا اندازہ ان کی جدت پسندی، خلاقی و معنی آفرینی، پرشکوہ طرزِ سخن، عالمانہ زبان، علم بیان اور بدیع کے ماہرانہ استعمال سے کیا جا سکتا ہے۔ جنھوں نے مل کر ان کے فن کی تشکیل کی ہے۔ اُردو مرثیہ اگر صرف میر کے اسلوب کی نمایندگی کرتا تو اس میں کلاسیکی تکمیل نہ ملتی۔ مرزا دبیر نے سودا اور غالب کے پرعظمت اسلوب سے اُردو مرثیے میں ہماری شاعری کا صرف ایک رخ سامنے آتا۔ دبیر نے اس کمی کو جوخوش اسلوبی سے پورا کیا، وہ یقیناً ایک ادبی کارنامہ ہے۔

(۴۵) ڈاکٹر اسد اریب: مرزا سلامت علی دبیر تفصیل نگاری اور توضیحی شاعری کے باکمال استاد ہیں۔ انھوں نے اُردو کے شعری سانچے میں پہلی بار یہ ترمیم کی۔ اُردو میں وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے شعر کو تفصیلِ معانی اور توضیحِ خیال کے لیے بالکل نثر کی طرح لکھا۔ شعر کی اس نثری ساخت میں شعر سے تخیل اور تخیل کی رنگینی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

(۴۶) ڈاکٹر محمد زماں آزردہ: بعضوں کا خیال ہے کہ دبیر نے مشکل زبان، پُرشکوہ الفاظ، فارسی اور عربی لغات سے کام لے کر کلام کو ادق بنا دیا ہے۔ ان کے معترض اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ زبان اور ماحول ایک دوسرے سے اتنا قریبی تعلق رکھتے ہیں کہ کسی ایک کو سمجھے بغیر دوسرے کے بارے میں رائے دینا مناسب نہیں ہو سکتا۔ مرزا دبیر عالم متبحر تھے۔ اگر ایک طرف ان کی نظر تاریخِ احادیث و روایات پر تھی تو دوسری طرف فارسی شعر و ادب سے کماحقہٗ واقف تھے، اساتذۂ فارسی کے دواوین کا غور سے مطالعہ کیا تھا۔ وہ بھی اس بات کے لیے کوشاں تھے کہ اُردو شاعری خصوصاً اُردو مرثیہ اپنے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کرے، جو فارسی شاعری کا خاصہ ہیں۔

(۴۷) ڈاکٹر گیان چند: دبیر کی نامقبولیت کی اصلی وجہ ان کا کلام نہیں، ایک علامہ کا جانب دارانہ فیصلہ ہے جسے سہل انگاری کے سبب قبول کر لیا گیا ہے۔ اسی دبیر کا، جس کا کلام بقولِ شبلی: فصاحت چھو بھی نہیں گئی، بلاغت نام کو نہیں، میں غیر مسلم ہونے کے باوجود ان بندوں کو نقل کرتا ہوں تو ایک خاموش رقت طاری ہوتی ہے، آخر صاحبِ اولاد ہوں۔ قدردانانِ دبیر کو چاہیے کہ صحیح انتخاب کے ذریعے دبیر کو ان کا جائز مقام دلائیں۔

(۴۸) عبدالقوی دسنوی: اسے اُردو ادب کا بڑا سانحہ کہیے کہ مرزا سلامت علی دبیر بحیثیتِ انسان اور بحیثیتِ مرثیہ نگار جس مرتبے کے مستحق تھے، ہم اُردو والے وہ مرتبہ دلانے میں ناکام رہے ہیں بلکہ انھیں متعارف کرانے سے بھی گریز کرتے رہے ہیں۔ دراصل ہمارا یہ عمل اُردو ادب کو عظیم ادبی سرمایے سے محروم رکھنے کی سعی کے

مترادف ہے۔

(۴۹) جناب کاظم علی خان: میں یہ نہیں کہتا کہ دبیرؔ، انیسؔ سے بہتر شاعر تھے، میرا مقصد تو یہ ہے کہ انیسؔ و دبیرؔ کی نوک جھونک کو اب بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ موجودہ حالات کے پیشِ نظر بند کر دینا چاہیے۔ اس دور میں صحت مند اور سائنٹیفک تنقید کی روشنی میں ان دونوں حضرات کے کلام کو پرکھ کر بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ انیسؔ و دبیرؔ: دونوں ہی فنِ مرثیہ گوئی میں امامِ فن کی حیثیت رکھتے تھے، دونوں ہی مرثیے کے میدان میں صاحبِ کمال شاعر تھے اور دونوں ہی نے اُردو مرثیے کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا۔ ہمارے اس قول کی تائید میں مولانا محمد حسین آزاد کی یہ عبارت پیش کی جا سکتی ہے: ''دونوں باکمالوں نے ثابت کر دیا کہ حقیقی اور تحقیقی شاعر ہم ہیں۔ ہر رنگ کے مضمون، ہر قسم کے خیال پر ایک حال کا، اپنے الفاظ کے جوڑ بند سے ایسا طلسم باندھ دیتے ہیں کہ چاہیں رُلا دیں، چاہے ہنسا دیں، چاہیں تو حیرت کی صورت بنا کر بٹھا دیں۔''

(۵۰) ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی: اُردو کو فارسی کا ہم پلّہ ثابت کرنے کا کارنامہ دبیرؔ ہی نے انجام دیا۔ انھوں نے مدح میں خاقانیؔ اور انوریؔ سے ٹکر لی، مبالغے میں ظہیر فاریابی کا پہلو دبایا، شکوہِ الفاظ و طنطنۂ بیان میں فردوسیؔ کے کمال کا مظاہرہ کیا، اخلاق و موعظت میں سعدیؔ و رومیؔ کی سنت کی تجدید کی دقت پسندی و مضمون آفرینی میں صائبؔ، بیدلؔ کا مقابلہ کیا اور ان تمام میدانوں میں اپنی پروازِ فکر کے جوہر دکھائے جواب تک ایرانی سخن آفرینوں کی جولاں گاہ تصور کیے جاتے تھے۔ مرزا صاحب کی مضمون آفرینیوں، صناعیوں اور ژرف نگاریوں نے ہمیں پہلی مرتبہ وہ سرمایۂ شعر و ادب عطا کیا جسے ہم سخن آفرینانِ فارس کے مقابلے میں فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔

(۵۱) ڈاکٹر ہلال نقوی: مرزا دبیرؔ کے رنگِ سخن میں قوتِ متخیلہ کا شکوہ بھی ہے، خیال آفرینی کا جوہر بھی، استعارات و تشبیہات میں ندرت، تراکیب میں جدّت اور مبالغ میں شدّت بھی، صنائع و بدائع کی کثرت بھی ہے اور مصائب کو تفصیل سے بیان کرنے کا رجحان بھی۔ اپنے متقدمین مرثیہ گو شعرا کے مقابلے میں ان کا یہی طرزِ جدید ہے جس میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ دبیرؔ کے فنِ مرثیہ گوئی کا کلیدی پہلو ان کا جذبۂ ایجاد و اختراع ہے۔ ایجادات و اختراعات کی یہ رَو اُن کے تقریباً ہر مرثیے میں نظر آتی ہے۔ ع: ''مضمون نئے کرتا ہوں ایجاد ہمیشہ''

(۵۲) شجاعت علی سندیلوی: یہ امر مسلّمہ ہے کہ مرزا دبیرؔ اپنے فن کے استاد تھے اور انیسؔ سے اُن کا راستہ جدا تھا۔ میر انیسؔ کی طرح ان کے کلام کو مقبولیت اور شہرت نصیب نہیں ہوئی لیکن اس سے اُن کے کمال پر کسی قسم کا حرف نہیں آ

سکتا۔ ایسا پُر گو اور عالی مرتبت شاعر دنیائے اُردو میں کوئی دوسرا نہیں۔ عروسِ سخن کے سنوارنے میں مرزا دبیر نے کچھ کم عرق ریزی نہیں کی ہے۔

(۵۳) پروفیسر جعفر رضا: اُردو مرثیے کا دورِ عروج میر انیس و مرزا دبیر کی سرکردگی میں تخلیقی وفنی قوتوں کا سرچشمہ بنا۔ میر انیس نے اپنے اخلاقی مضامین سے شعر کی زمین کو آسمان کر دیا۔ نظم کو درِ شہوار کی لڑیاں بنا دیا، اپنے عمیق تجربات و مشاہدات کے ذریعے فکر و احساس کا حسین تاج محل تعمیر کیا۔ دوسری طرف مرزا دبیر نے مضمون آفرینی تکلّف نفاست اور خارجی بیانات پر زور دیا۔ ایک ایک منظر یا واقعے کے بیان میں طرح طرح کی تشبیہوں، استعاروں اور صنائع بدائع سے جودتِ طبع کے جوہر کھول دیے۔ ان کے معتقدین دو الگ الگ گروہوں میں تقسیم تھے جو ایک دوسرے سے کشمکش اور چشمکیں کرتے رہتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے اپنی برتری کا اعلان کرتے رہتے اور بقولِ محمد حسین آزاد: منصفی بیچ میں آ کر کہتی تھی، دونوں اچھے، کبھی کہتی: وہ آفتاب ہیں، یہ ماہ اور کبھی: یہ آفتاب اور وہ ماہ۔

(۵۴) ضمیر اختر نقوی: م :بیر نے اُردو مرثیے کے لیے بہت بڑا کام سرانجام دیا ہے جو اُن حالات اور مقدرت کے ساتھ، جس کے وہ حامل تھے، دوسرا کوئی انجام نہیں دے سکتا تھا۔ مرزا دبیر بہت بڑے شاعر اور نہایت اعلیٰ فن کار ہیں۔ اگر مرزا دبیر نہ ہوتے تو شاید اُردو مرثیہ ان بلندیوں پر نہ پہنچ پاتا جس پر آج وہ پہنچا ہے۔ یہ دونوں شاعروں کے شایانِ شان نہیں کہ ایک دوسرے کا موازنہ اس ارادے سے کیا جائے کہ ایک کی فوقیت جتا کر دوسرے کے کلام میں خامیاں نکالی جائیں۔

(۵۵) عظیم امروہوی: دبیر نام ہے مرثیہ کی دنیا کے مینارۂ نور کا۔ دبیر نام ہے مرثیے کے اس سمندر کا جس میں غواصی کے بعد کوئی بھی خالی ہاتھ نہیں آیا۔ دبیر نام ہے مرثیے کے اس دریا کا جو مرثیہ نگاروں کو ذہنی طور پر ہمیشہ سیراب کرتا رہے گا۔ دبیر نام ہے مرثیے کے اس ابدی چراغ کا جس سے سیکڑوں چراغ روشن ہو چکے ہیں اور آئندہ ہوتے رہیں گے۔

(۵۶) ڈاکٹر سیّد کاظم حسین کاظمی: مرزا دبیر نے شاعری کی جملہ خوبیوں کو مرثیے کے کینوس میں فٹ کرنے کے لیے اعلیٰ و ارفع اقدام کیے ہیں اور نقادانِ شعر و ادب سے اپنے فکر و فن کی جامعیت، علم کی وسعت اور شاعرانہ مہارت کا اعتراف کرایا ہے۔ دبیر نے جو مرثیہ نگاری میں کمال پیدا کیا، اپنی علمی صلاحیت اور جدتِ طبع کے سبب کیا ہے۔

مرزا دبیؔر یکتائے فن زماں

ف ۱: مرزا دبیر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے، جس نے اُردو شعرا میں سب سے زیادہ شعر کہے۔ دبیؔر کے مطبوعہ اشعار کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار (۱،۲۰،۰۰۰) سے زیادہ ہے۔

ف ۲: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے، جس نے سب سے زیادہ مرثیے لکھے۔ مرزا دبیؔر کے مطبوعہ مرثیوں کی تعداد (۳۹۰) اور غیر قلمی مطبوعہ مرثیوں کی تعداد (۲۸۵)، یعنی کل مرثیوں کی تعداد (۶۷۵) ہے۔

ف ۳: مرزا دبیؔر اُردو کا تنہا شاعر ہے، جس نے سب سے زیادہ رباعیاں کہی ہیں۔ مرزا دبیؔر کی رباعیات کی تعداد (۱۳۳۳) ہے۔

ف ۴: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے، جس نے سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے۔ ہم نے نظیر اکبر آبادی کی کلیات، جس میں تقریباً ساڑھے آٹھ ہزار اشعار ہیں، کھنگالا تو معلوم ہوا کہ یہ روایتی اور رعایاتی جملہ، کہ نظیر اکبر آبادی نے سب سے زیادہ اُردو کے الفاظ استعمال کیے ہیں، بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔ انیسؔ اور دبیر کے مقابل نظیر کے الفاظ کی تعداد بہت کم ہے۔ ہم اس موضوع پر گفتگو کو کسی اور مقام پر تفصیل سے بیان کریں گے۔

ف ۵: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے، جس نے صنعتِ منقوط یا مہملہ میں سب سے زیادہ اشعار کہے۔ انشا اللہ خان انشاؔ، جو دبیؔر کے سگے نانا خسر ہوئے تھے، ان کے غیر منقوط اشعار، دبیؔر سے تعداد میں کم ہیں۔

ف ۶: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے، جس کی آمدنی لاکھوں روپوں تک تجاوز کر گئی تھی اور وہ سب اہلِ حاجت میں تقسیم ہوتی تھی۔

ف ۷: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے، جس نے علمِ بدیع کی لفظی اور معنوی صنعتوں کو سب سے زیادہ استعمال کیا ہے۔

ف۸: مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس کے حسب نسب، کسب، مذہب، حیات، فن، شخصیت پر حملے کیے گئے اور بعض حملے دوست، استاد اور شاگردوں کی جانب سے ہوئے۔

ف۹: مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس کے دوست دبیریے اور مخالف انیسیے شدید تھے۔ اُردو ادب نے ایسی چشمک نہیں دیکھی، اگرچہ خود دبیرؔ اور انیسؔ کے دل ایک دوسرے سے صاف تھے اور ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے۔

ف۱۰: مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے نثری کتاب ''ابواب المصائب'' کے علاوہ شاعری کی ہر ہیئت اور صنف، یعنی غزل نظم، قصیدہ، مثنوی، قطعہ، مخمس، مسدس، تاریخ، رباعی، سلام، مرثیہ، شہرآشوب اور تضمین میں شاہکار چھوڑے ہیں۔

ف۱۱۔ مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے اپنی وفات کی تاریخ کی دعا مانگی اور وہ مستجاب ہوئی۔ دبیرؔ کا انتقال ۳۰ محرم ۱۲۹۲ ہجری کو ہوا:

جب ختم ہستی مرا برہم کرنا ۔۔۔ ہی پارۂ ایامِ محرم کرنا
برباد نہ جائے مری خاک اے گردوں! ۔۔۔ تیار چراغ بزمِ ماتم کرنا

صنفِ سلام میں دبیرؔ کا کمال

رثائی ادب میں سلام، رباعی اور مثنوی پر بہت کم لکھا گیا ہے، بالخصوص سلام پر تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ جناب علی جواد زیدی نے ''العلم'' جریدے میں ''سلام کے ارتقائی سفر'' پر بہت صحیح لکھا ہے کہ ''مذہبی ادب پر علی العموم اور سلام پر علی الخصوص، تحقیق مفقود ہے۔ میرے لیے صرف ایک راہ رہ جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس خلا کو خود ہی پُر کرنے کی کوشش کروں۔'' صنفی اعتبار سے عربی ادب میں سلام موجود نہیں۔ ایرانی فارسی ادب میں بھی نہیں، اُردو شاعری میں مروج سلام، نہیں ملتا، اگرچہ شمس العلما سیّد امداد امام اثرؔ نے ''کاشف الحقائق'' حصہ دوم، صفحہ ۷۱ پر لکھا: ''عروضی ترکیب کی رو سے غزل، سہرا اور سلام شے واحد ہیں مگر اُن کے مضامین کے تقاضے ایک دوسرے سے علیحدہ انداز رکھتے ہیں۔ فارسی میں سہرا اس واسطے نہیں ہے کہ اُس ملک میں دُلھا یا دُلھن کو سہرا نہیں باندھتے، مگر سلام ہے۔ سلام میں غزل کی طرح اعلیٰ درجے کے مضامین، از قسم وارداتِ قلبیہ و معاملاتِ ذہنیہ، باندھتے ہیں، مگر اُن میں غزلیت کا رنگ پیدا ہونے نہیں دیتے۔'' برصغیر ہند میں قدیم شاعروں نے فارسی میں سلام لکھے ہیں لیکن یہ سلام عموماً عزاداری کی عام فضا سے متاثر ہو کر کہے گئے۔ اُردو شاعری کی تاریخ میں ''سلام'' شروع ہی سے ملتا ہے۔ تاریخِ اُردو ادب کی جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اُردو کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر سلطان محمد قلی قطب شاہ متوفی ۱۰۲۰ھ ہجری کا کلیات آج بھی انڈیا آفس لائبریری لندن میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی سلطان نے سب سے پہلے دکنی زبان میں مرثیہ کہا اور مرثیے کے ساتھ ہی سلام بھی وجود میں آیا، اگرچہ اس دور میں مرثیہ اور سلام کی کوئی خاص ہیئت یا شکل و صورت معیّن نہ تھی۔ مرثیے اور سلام میں زیادہ فرق نہ تھا، البتہ اُس زمانے کے سلاموں میں رثائی موضوعات کے ساتھ ساتھ ضرور، درود و سلام پیش کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ہم یہاں بیجاپوری سلطنت کے مشہور مرثیہ نگار مرزاؔں کے سلام کے چند اشعار پیش کریں گے، جس میں پنجتن پاک کے لیے سلام بھیجا گیا ہے:

اے حسینؑ ابنِ علیؑ! سلامُ علیک! | شاہِ جملہ ولی! سلامُ علیک!
جدّ ہے تیرا محمدِؐ مرسل | سرورِ انبیا! سلامُ علیک!
فاطمہؑ ہور علیؑ کے دریا کا | توں دُرِ بے بہا، سلامُ علیک!
سرورِ دیں حسنؑ کا توں بازو | اے دو جگ پیشوا! سلامُ علیک!
ہے ترے ناؤں پر جمِ مرزاؔں | جان و دل سوں فدا، سلامُ علیک!

سلام اُس زمانے میں قطعہ، مثلث، مربع، مثنوی اور غزل کی ہیئت میں لکھے جاتے رہے اور صرف رثائی موضوعات اور سلام و درود بھیجنا ہی ان کا مقصد تھا۔ یہ سلسلہ رفیع سوداؔ اور تقی میرؔ تک جاری رہا۔ سلام کہنے کی روایت صرف مرثیہ گویوں تک محدود نہیں تھی بلکہ بھی شاعر حصولِ ثواب کی خاطر سلام کہہ لیا کرتے تھے۔ ولیؔ دکنی کہتے ہیں:

اس نورِ مصطفیٰؐ پر بولو سلام، یاراں! | محبوبِ مرتضیٰؑ پر بولو سلام! یاراں!
یوں جی، ولیؔ! فدا کر، اس شاہِ کربلا پر | اس لائقِ ثنا پر بولو سلام! یاراں!

دکنی سلاموں کے بعد میں جو کثیر تعداد میں سلام نظر آتے ہیں وہ زیادہ تر محمد شاہ رنگیلے کے عہد سلطنت کے شاعروں کے ہیں۔ شیخ ہدایتؔ، سید عبداللہ مسکینؔ، غمگینؔ، خادمؔ، خانفشاںؔ، علی فضلیؔ، کرم علی، ناجیؔ وغیرہ کے سلام میں نعتیہ، منقبتی اور اعتقادی موضوعات رثائی اور بین کے موضوعات شامل ہونے لگے۔ سوداؔ، میرؔ، ضاحکؔ، افسردہؔ کے ہاتھوں میں پہنچ کر سلام کی ادبی حیثیت سنورتی رہی، لیکن موضوعاتی کیفیت میں زیادہ تبدیلی نہ ہوئی۔

ضاحکؔ، سوداؔ، میرؔ اور محبؔ کے کچھ اشعار ہماری اس گفتگو کا ثبوت ہیں:

ضاحکؔ ؎
امامِ سوم کا سیوم، آج ہے
جہاں سب، اسی غم سے تاراج ہے

سوداؔ ؎
میں بھیجتا ہوں تجھے، فاطمہؑ کے لال! سلام
علیؑ کے باغ کے اے سروِ نونہال! سلام
ادب سے بھیجے ہے تجھ پر، ترا غلام، سلام
قبول ہو تری خدمت میں، یا امامؑ! سلام

میر۔
ساقیِ کوثر کے پیارے! السلام!
تشنہ لب سیّد ہمارے! السلام!
اے بدخشانِ نبیؐ کے لعلِ احمر! السلام!
وے گلستانِ علیؑ کے لالۂ تر! السلام!

محبؔ۔
جو دیکھوں روضۂ حضرت رسولؐ، آنکھوں سے
چڑھاؤں اشک کے قطروں کے پھول، آنکھوں سے
ہر اک محبؔ کو، بلا شبہ حج اکبر ہے
کرے زیارتِ سرورؑ حصول، آنکھوں سے

اسی زمانے میں سلام کے مطلعے میں سلام، سلامی، مجرئی، مجرائی، مجرا جیسے الفاظ استعمال کیے جانے لگے اور سلام ایک جدا صنف بن کر ابھرنے لگی لیکن ابھی پوری طریقے پر سلام کی ہیئت کا تعین نہ ہو سکا، آگے چل کر ضمیرؔ، خلیقؔ، دلگیرؔ اور فصیحؔ کے دور میں سلام، غزل کی ہیئت میں لکھا جانے لگا۔ اب سلام رثائی ادب ہی نہیں بلکہ اُردو ادب کی ایک مقبول صنف بن چکا تھا۔ دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ اس صنف کی نوک و پلک سنوارنے لگے اور سلام ساخت کے اعتبار سے ''غزل طور'' بننے لگا، یعنی سلام میں غزل کی طرح مطلع اور مقطع ہونے لگا۔ سلام کے تمام اشعار مقفٰی ہونے لگے۔ سلام کا ہر شعر ایک نئے مضمون کا نقیب بن گیا اور سلاموں میں قطعہ بند اور غزلِ مسلسل کی طرح مضمون کا تسلسل بھی ملنے لگا۔ یہ وہ دور تھا جب شفیق باپ میر مستحسن خلیقؔ نے اپنے ہونہار بیٹے ببر علی انیسؔ سے کہا: ''اب غزل کو سلام کرو اور اس شغل میں زورِ طبع صرف کرو، جو دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔'' انیسؔ نے فرماں برداری کر کے پہلے تو غزل کو سلام کہا، یعنی غزل سے ہاتھ اٹھا لیا اور پھر سلام کو تغزلانہ رنگ سے سنوار کر حریف اور رشکِ غزل بنا دیا۔ دوسری طرف میر ضمیرؔ نے نعرہ بلند کیا ع: ''جو بھی کہے اس طرز میں، شاگرد ہے میرا''

شاگردِ رشید مرزا دبیر نے استاد ضمیرؔ کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر سلام میں ظاہری اور معنوی تبدیلیاں لائے۔ ظاہری تبدیلی یہ تھی کہ اب ''السلام'' یا ''سلام علیک'' کی ردیف کی، شعر میں ضرورت نہ رہی بلکہ صرف مطلعے میں سلام، السلام، سلامی، مجرا، مجرائی، مجرئی جیسے الفاظ لائے گئے، چناں چہ دبیرؔ کے تمام (۱۳۱) سلاموں میں اوپر بیان کیے گئے لفظوں میں سے کوئی نہ کوئی لفظ ضرور استعمال ہوا ہے۔ دوسری معنوی تبدیلی یہ ہوئی کہ رثائی بیانات کے ساتھ ساتھ شہدائے کربلا کے اعلیٰ کردار کی پرچھائیاں، اخلاقی، اصلاحی اور حکیمانہ باتیں بھی سلام کا جزو بن گئیں، میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے دور میں جہاں مرثیہ

نگاری نے موضوعاتی لحاظ سے چہرہ اور سراپا میں قصیدہ، رزم و بزم اور بین نے مثنوی کو مسدس کی ہیئت میں اپنے اندر سمو لیا، تو سلام نے غزل کی جانشینی حاصل کر لی۔ امجد اشہری نے صحیح کہا ہے کہ میر انیسؔ کے بعض سلاموں کے اشعار اگر علیحدہ کر دیے جائیں تو اُن سے غزلیں بن سکتی ہیں۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے سلاموں کے یہ اشعار، کیا غزل کے شعر نہیں معلوم ہوتے؟

میر انیسؔ: ؎

زرد ہے چہرہ، نحیف و زار ہوں — اے مسیحائے زماں! بیمار ہوں
بلبلیں، دم بھر، جدا ہوتی نہیں — کس گلِ تر کے گلے کا ہار ہوں
عالمِ پیری میں، آئے کون پاس — اے عصا! گرتی ہوئی دیوار ہوں
سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں، اے انیسؔ! — آنکھ میں دشمن کی، اب تک خار ہوں

مرزا دبیرؔ: ؎

مثالِ دانہ، پستا ہوں شب و روز — فلک کی آسیا ہے اور میں ہوں
لبِ شیریں مخاطب ہے خضر سے — لطیف آبِ بقا ہے اور میں ہوں
میسّر آپ کو وصلِ عزیزاں — فراقِ اقربا ہے اور میں ہوں
دعا بھی، مال و دولت کی نہ مانگوں — ہمیشہ یہ دعا ہے اور میں ہوں
تمنا دولت و حشمت کی بے جا — دبیرؔ! آخر فنا ہے اور میں ہوں

جہاں تک دبیرؔ کے سلاموں کا تعلق ہے، حامیوں اور حریفوں نے ستم ظریفی کی ہے۔ دبیرؔ کے سلاموں کی صحیح تعداد ان کے مرنے کے ۱۲۵ سال بعد تک متعین نہ ہو سکی۔ دوستوں نے لاعلمی اور دشمنوں نے قلمی تیغ سے زخم پہنچائے۔ ''موازنۂ انیس و دبیرؔ'' کے فاتح ''المیزان'' کے مصنف مرحوم سیّد نظیر الحسن صاحب فوقؔ نے دبیرؔ کے سلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ایسا بیان لکھا، جو کسی بھی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں۔ اوّلاً فوقؔ صاحب نے دبیرؔ کی تین جلدوں سے صرف بارہ (۱۲) ضعیف رثائی سلام انتخاب کیے اور کل ۱۱۰ اشعار پیش کیے کل سلاموں کے اشعار کی تعداد ۳۱۲۳ ہے۔ مرحوم لکھتے ہیں: ''بعض شعرا کے کلام میں سلام کے اشعار ایسے رنگین اور دل چسپ ہوتے ہیں کہ غزل کا لطف حاصل ہو جاتا ہے۔ میر مونسؔ صاحب کو اس طرزِ خاص میں شہرت حاصل ہے، میر انیسؔ صاحب مرحوم کے سلاموں میں بھی ایسے دل چسپ اور رنگین اشعار پائے جاتے ہیں، لیکن مرزا دبیرؔ صاحب کے کلام پر از بس کہ مرثیت کا رنگ ہمیشہ غالب رہتا ہے، اس لیے سلاموں میں اُن کی توجہ فقط الفاظ کی سادگی و صفائی اور مضمون کی درد انگیزی پر رہتی ہے اور مرثیت کے مضامین کے علاوہ عام رنگین مضامین کے اشعار، اُن کے سلاموں میں کم ملتے ہیں۔''

راقم نے دبیرؔ کے سلاموں کا مطالعہ کیا ہے اور اُن میں فصاحت، بلاغت، محاسنِ علمِ بیان تشبیہات، استعارات

کنایات، مجازِ مرسل کے علاوہ محاورات، روز مرّہ اور علم بدیع کی لفظی اور معنوی صنعتوں کو ڈھونڈا ہے۔ مضامین اگرچہ بیشتر رثائی ہیں، اور وہ ہونا بھی چاہیے، کیوں کہ سلام غزل کا نام نہیں بلکہ شہدائے کربلا کی مصیبتوں کے تذکرے کا نام ہے، لیکن اشعار، حمدیہ، مناجاتی، نعتیہ، منقبتی اور معتقداتی مضامین کے علاوہ فلسفیانہ، صوفیانہ، سماجی، اخلاقی اور ذاتی مضامین سے بھرے ہیں۔ ہمارا مقصد یہاں مرزا دبیرؔ کے سلاموں کا خدائے سخن میر انیسؔ یا مرحوم میر مونسؔ کے اشعار سے موازنہ کرنا نہیں، کیوں کہ ہر میوے کا ایک خاص مزہ اور ہر پھول کا ایک خاص رنگ اور ہر پرندے کی ایک خاص بولی ہوتی ہے؛ اِس لیے گلستان کی فضا میں ہر ایک کی موجودگی علیحدہ علیحدہ اور اس کا اثر اشتراکی طور پر دیکھنا پڑے گا، اور اصل نتیجہ اس کا ثمر یہ ہے جو دنیا و آخرت میں سرافرازی ہے۔
خود دبیرؔ ایک سلام میں کہتے ہیں:

یہ سلامِ شہِؑ ابرار، کہا خوب، دبیرؔ دیکھ، انعام میں مولاؑ، تجھے کیا دیتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ مرزا دبیرؔ کے سلاموں سے عوام نہیں بلکہ خواص بھی بے بہرہ ہیں اِسی لیے راقم نے مرزا صاحب کے تمام سلاموں کو ایک صدی بعد شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

''حیاتِ دبیرؔ'' کے مولف جناب افضل حسین ثابتؔ لکھنوی نے مرزا دبیرؔ کی ''دفترِ ماتم'' کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں سے صرف چودہ سلام کے اشعار منتخب کر کے حصّہ دوم میں شائع کیا، لیکن یہ بھی اعتراف کیا: ''مجھے ناظرین معاف فرمائیں۔ میں نے سلام بہت کم انتخاب کیے اور جو شخص مرزاؔ صاحب مرحوم کا کلیات دیکھے گا، اس کو بعض موقع پر یہ بھی خیال یا افسوس ضرور ہوگا کہ ثابتؔ نے اچھے اچھے شعر نہیں انتخاب کیے، مگر اس کی دو وجہیں ہیں: ''(۱) کہ خوفِ طول مانع ہے۔ سمندر میں سے آدمی، کیا کیا انتخاب کرے۔ (۲) میری پسند بھی شاید بعض طبقوں کو ناپسند ہو۔''

مختصر اور ضعیف سلاموں کا انتخاب، دبیریت کے علما کی خاموشی اور دبیرؔ کے حامیوں کی غلط بیانی نے سلاموں کے بارے میں غیر منصفانہ رائے کا سامان مہیا کیا، چناں چہ جناب علی جواد زیدی نے لکھا: ''دبیرؔ خالص رثائی سلام کے نمایندے ہیں اور وہ اسی میں اپنا مقام رکھتے ہیں لیکن طرزِ جدید کے سلاموں کو وہ بھاری پتھر کی طرح چوم کر چھوڑ دیتے ہیں۔ غالباً ان کی روایت پسندی مانع آتی ہے یا پھر یہ نیا رنگ ان کی افتادِ طبع سے میل نہیں کھاتا۔''

مولوی امداد امام اثرؔ سلام کے موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''سلام میں واقعۂ کربلا، شہادتِ امیر المومنینؑ و شہادتِ امام حسینؑ و مصائبِ حضرت خاتونِ جنّت و رحلتِ حضرت رسالتؐ مآب کے مضامین داخل رہتے ہیں۔ علاوہ ان کے اخلاقی و تمدنی و مذہبی و دیگر امورِ جلیلہ، جن سے شاعری کی زینت متصور ہے، منظوم کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

سلام کے بعض اشعار ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ اگر غزلوں میں داخل کر دیے جائیں تو بے موقع یا بے محل نہ ہوں گے۔ میر انیسؔ اور میر مونسؔ کے بہت سے ایسے اشعار سلام ہیں کہ اگر غزل میں داخل کر دیے جائیں تو غزلوں کا وقار ترقی کر سکتا ہے۔'' برصغیر میں چوما چاٹی کی شاعری اور گرتی ہوئی غزل کی اخلاقی دیوار پر حالیؔ نے آواز بلند کی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ حالیؔ جس قسم کی اصلاحی غزل کو رواج دینا چاہتے تھے، سلام کی صورت میں اس کے نمونے پہلے سے اُردو میں موجود تھے، خاص طور پر انیسؔ، دبیرؔ، عشقؔ اور تعشقؔ وغیرہ کے سلام کے بعض اشعار اصلاح پسند غزل کا جواب معلوم ہوتے ہیں۔ دبستانِ انیسؔ اور دبستانِ دبیرؔ بے شک سلام کے ارتقا کے اصلی محرک ہیں لیکن ان سکولوں کے علاوہ سلام کے ارتقا میں مرزا محمد انسؔ لکھنوی کے دبستان کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ خاندان شیخ امام بخش ناسخؔ کی ادبی، رفاہی اور تنقیدی روایت سے بہت متاثر تھا، چناں چہ انسؔ اور ان کے دونوں بیٹے عشقؔ اور تعشقؔ نے مرثیوں کے علاوہ خصوصی طور پر سلاموں میں نئی تشکیلات کا اضافہ کیا۔ قدیم روایات کو بدل کر سلام کی ہیئت میں تازگی پیدا کی جدّتِ خیال اور مضمون آفرینی کے شاہ کار نمونے پیش کیے۔ سلام کے مطلعوں میں پابندی سے مجرئی، مجرائی، سلام، سلامی جیسے الفاظ استعمال نہیں کیے، جسے آگے چل کر انسؔ کے پوتے پیارے صاحب رشیدؔ نے بالکل ترک کر دیا۔ مرزا عشقؔ اور تعشقؔ کے سلام کے چند اشعار میں جدّتِ خیال اور معنی آفرینی کے ساتھ تغزل کی جھلک دیکھیے:

مرزا عشقؔ:

تھی رن میں، دمِ صبح، شہِ دیں پہ، کڑی دھوپ
پھر گلشنِ ایجاد میں، ایسی نہ پڑی دھوپ

آ جاتی ہیں زلفیں، جو رخِ سرورِ دیں پر
دو چار گھڑی چھاؤں ہے، دو چار گھڑی دھوپ

مولاؑ نے کہا: اِس لیے اصغرؑ کو کیا دفن
چھوٹا ہے یہ خورشید لقا، اور بڑی دھوپ

ہے عشقؔ کے مدفن میں ضیا، مہرِ علیؑ کی
خورشیدِ امامت کے، مگر ساتھ گڑی دھوپ

مرزا تعشقؔ:

صبحِ عاشور کا، اب تک ہے دلوں کو دھڑکا
کہ فغاں کرتے ہیں مرغانِ سحر، آخرِ

گور ہے پیشِ نظر، شامِ جوانی ہے تمام
رات بھر پھر کے، ملا ہے مجھے گھر، آخرِ

صبحِ پیدائشِ صاحب تھی، تعشقؔ! کیا صبح
جس کے ظاہر تھے نشاں مثلِ قمر، آخرِ

سید مہدی حسن احسن لکھنوی ''واقعاتِ انیس''، میں لکھتے ہیں: ''میر انیس مرحوم نے کسی مجلس میں ایک سلام پڑھا۔ اس زمین میں میر انیس کے ایک شعر کی عالم گیر شہرت ہوئی:

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ، ضعفِ پیری نے
چنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو

مرزا صاحب مغفور کو یہ زمین پسند آئی، انھوں نے بھی سلام کہا اور کسی مجلس میں پڑھا۔ بے فکروں کو شگوفہ ہاتھ آیا۔ راقم نے ''دفترِ ماتم'' کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں کو دیکھا لیکن یہ سلام نظر نہیں آیا۔ شاد عظیم آبادی نے ''پیغمبرانِ سخن'' میں جو تحریر لکھی ہے، اُس سے پتا چلتا ہے کہ مرزا دبیر نے چند اشعار لکھے تھے لیکن پورے سلام کی گفتگو درکار نہ تھی۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں: ''مرزا صاحب نے خود کسی کو نہیں چھیڑا، البتہ اگر کسی نے کوئی شعر ایسا کہا کہ روئے سخن اُن کی طرف پایا جاتا ہے تو جواب ضرور دیا، چناں چہ خود مرزا صاحب نے ذاکرِ اوّل و دوم و سوم کے نام سے ذیل کا واقعہ مجھ کو لکھ کر بھیجا تھا کہ میر انیس کا ایک قدیم سلام تھا، جس کا ایک شعر یوں تھا:

لگا رہا ہوں، مضامینِ نو کے، پھر انبار — خبر کرو، مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

اس زمین میں مرزا اوج کے نام سے سلام پڑھا گیا، جس کے ایک شعر سے ایک طرح کا طنز نکلتا تھا، پھر کیا تھا، جواب اور جواب الجواب۔ مرزا صاحب کی طرف سے یہ شعر کہا گیا:

مقابلے پہ ہوں آمادہ، یہ بجیر، مگر — ہوئے جو تنگ، اُلٹتے ہیں آستینوں کو

میر مونس نے جواب دیا:

بھلا تردد بے جا سے، ان میں کیا حاصل — اٹھا چکے ہیں زمین دار جن زمینوں کو
مزہ یہ طرفہ، کہ مضموں تو دستیاب نہیں — مقابلے میں چڑھاتے ہیں آستینوں کو

مرزا دبیر کی طرف سے یہ شعر جواب میں کہے گئے:

قبول، شرع میں، دعوائے بے دلیل نہیں — دکھائیں گھر کے قبالے میں، ان زمینوں کو
ہمارے ابرِ قلم سے ہے برمحل بارش — کہ مینہ سے نفع ہے، بوئی ہوئی زمینوں کو

مشیر لکھنوی تو کاسہ از آتش داغ تر کی طرح تیار رہتے تھے، چناں چہ وہ بھی کود پڑے اور ''احمق الذینوں'' کا ایسا قافیہ لگایا کہ اُردو ادب میں پہلا اور آخری قافیہ مانا گیا:

جلی کٹی مرے استاد سے، کرے جو کوئی ۔۔۔ تو پھونک دوں مع خرمن، میں خوشہ چینوں کو
ہزار بار سراپا کے منہ پہ چڑھتے ہیں ۔۔۔ مشیرؔ! کیا کہوں میں احمق الذینوں کو

اس جھگڑے کا اختتام اس نتیجے پر ہوا کہ میر انیسؔ، میر مونسؔ پر اور مرزا دبیرؔ، مشیرؔ لکھنوی پر خفا ہوئے۔ میر مونسؔ، مرزا صاحب کے حضور اور شیخ مشیرؔ، انیسؔ کے حضور میں حاضر ہو کر مدد خواہ ہوئے۔ آخر میں میر انیسؔ نے کہا:

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم ۔۔۔ انیسؔ! ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

چاندنی ردیف کا سلام:

میر مونسؔ نے غدر کے موقعے پر ایک سلام لکھا، جس کی ردیف ''چاندنی'' تھی۔ سلام مشہور ہوا۔ بہت پہلے مرزا دبیرؔ اور ان کے شاگرد قدیرؔ نے بھی اسی ردیف میں سلام لکھا۔ قدیرؔ کا سلام سن کر ایک صاحب نے کہا:

آپ کے گھر میں تھی کب، اے بندہ پرور! چاندنی ۔۔۔ میر مونسؔ کی چرا لائی ہو، جا کر چاندنی

قدیرؔ صاحب نے فوراً فی البدیہہ کہہ دیا: ع: شیخ ناسخؔ کہہ گئے ہیں، سب سے بہتر چاندنی

اس پر حاضرین قدیرؔ لکھنوی کے برجستہ جواب پر حیرت میں پڑ گئے کیوں کہ شیخ ناسخؔ اور مرزا دبیرؔ، غازی الدین حیدر شاہ کے دور میں عمدہ غزل اور سلام اس ردیف میں کہہ چکے تھے۔

دبیرؔ کے سلاموں کی تعداد:

دبیرؔ کے سلاموں کی تعداد کے بارے میں سوانح نگاروں، ادیبوں، محققوں اور مورخوں نے ایک صدی سے زیادہ عرصے تک غلط شماری کی۔ ۱۹۹۴ء سے پہلے کسی مضمون نگار نے بھی دبیرؔ کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلد میں مطبوعہ سلاموں کو گننے کی زحمت گوارا نہ کی۔ راقم نے یہ سوچ کر کہ اب تک کسی نے بھی سلاموں کی شمار بندی نہیں کی ہے، تینوں جلدوں میں مطبوعہ سلاموں (۳۴۳) کی، شاعروں کے نام کے ساتھ تقسیم بندی کی تو معلوم ہوا کہ مرزا دبیرؔ کے کل مطبوعہ سلاموں کی تعداد ۱۳۳ ہے اور ایک سلام ''حیاتِ دبیرؔ'' کی جلد دوم میں شامل ہے، اس طرح مرزا صاحب کے کل مطبوعہ سلام ۱۳۴ ہیں۔ میری اس شمارہ بندی کے بعد جب ''باقیاتِ دبیرؔ'' مولفہ پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری پر نظر پڑی تو مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ محقق موصوف نے ۱۹۹۴ء میں تینوں جلدوں میں شامل دبیرؔ کے صرف وہ سلام، جن کے مقطعے میں ان کا نام آیا ہے، ان کی گنتی کر کے بتایا ہے کہ ''دفترِ ماتم'' کی ان تینوں جلدوں میں مسلسل ردیف وار سلاموں کی تعداد ۳۴۲ ہے، ان میں مرزا دبیرؔ کے صرف ۱۲۴ سلام ہیں، باقی ۲۱۸ سلام ان کے شاگردوں کے ہیں۔

میں نے ان تینوں جلدوں کے علاوہ ''حیاتِ دبیر'' حصّہ دوم میں شائع شدہ ایک سلام، جس پر دبیر کے برادرِ حقیقی مرزا غلام محمد نظیر نے مخمس تضمین کیا ہے، تعداد میں جمع کیا ہے۔

دبیر کے سنتالیس (۴۷) شاگردوں کے سلام بھی تینوں جلدوں میں شامل ہیں، جن میں سب سے زیادہ سلام تقی (۴۷ سلام) شاعرۂ اہلِ بیت سلطان عالیہ بیگم دخترِ نصیر الدین شاہ کے ہیں۔

جناب صادق صاحب ''مرزا دبیر اور شمس آباد'' میں لکھتے ہیں کہ نواب پیارے صاحب نے چاندنی والی ردیف کے سلام کو، جو مرزا دبیر سے منسوب ہے، جسے اُنھوں نے غازی الدین حیدر شاہ کے زمانے میں لکھا تھا، قدیر صاحب ہی کا سلام بتاتے ہیں، یعنی ان کے بموجب دبیر نے کوئی سلام ''چاندنی'' کی ردیف میں نہیں رقم کیا۔

سلاموں کے تعداد کے بارے میں سہل انگاریاں:

۱۔ محمد حسین آزاد ''آبِ حیات'' میں لکھتے ہیں: ''سلاموں، نوحوں اور رباعیوں کا شمار نہیں''

۲۔ مولوی فدا حسین صاحب ''شمس الضحیٰ'' میں لکھتے ہیں: ''سلام رباعی اور تضمین کا کوئی حساب نہیں۔''

۳۔ جناب افضل حسین ثابت لکھنوی ''حیاتِ دبیر'' حصّہ اوّل، صفحہ ۷۷ پر لکھتے ہیں: ''دفترِ ماتم'' کی سولھویں (۱۱۰ سلام) سترھویں (۱۲۴ سلام) اٹھارویں (۹۸ سلام) جلد میں الف سے لے کر یا تک ۳۳۲ مسلسل ردیف وار سلام ہیں۔ ان میں بعض مرزا صاحب کے شاگردوں کے بھی سلام ہیں، جن کا حال مقطعِ سلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اس ہیچ مداں کے تین چار سلام ہیں۔''

یہاں کتابت میں غلطی ہوگئی ہوگی، چناں چہ ۱۳۴ کے بجائے ۱۲۴ لکھا گیا اور پھر ہر محقق اور ادیب نے سترھویں جلد پر نگاہ کیے بغیر تعداد ۱۲۴ ہی لکھی۔ دوسرا تسامح ثابت کے اس جملہ سے ہوا جس میں انھوں نے ''بعض مرزا کے شاگردوں کے سلام'' کا ذکر ہے، اگرچہ صحیح یہ ہے کہ ان تین جلدوں میں بعض سلام مرزا دبیر کے ہیں، یعنی ۳۴۳ سلاموں میں بصرف ۱۳۱ سلام مرزا دبیر کے ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین ''رزم نگارانِ کربلا'' اور مقدمہ ''نادراتِ مرزا دبیر'' میں لکھتے ہیں:

''مرزا دبیر کی مدتِ سخن گوئی کم وبیش ۶۰ سال رہی۔ اُس زمانے میں انھوں نے چار سو سے زیادہ مرثیے، تین سو سے زیادہ سلام، ساٹھ سے زائد خمسے اور بے شمار رباعیات، قطعات، مناجات اور نوحہ جات تصنیف کیے۔ سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدیں سلاموں سے متعلق ہیں، لیکن ان میں بعض سلام مرزا صاحب کے

شاگردوں کے شامل ہوگئے ہیں۔

۵۔ شاد عظیم آبادی ''پیغمبرانِ سخن'' میں لکھتے ہیں: ''مرزا صاحب نے اقسامِ نظم میں دو لاکھ شعروں سے بھی کہیں زیادہ کہے ہیں۔ میں نے مرزا صاحب کے چھوٹے بڑے پانچ سو مرثیوں سے کم نہیں دیکھے ہیں، غالباً تین سو سلام ہیں''۔

۶۔ ڈاکٹر محمد زمان آزردہ نے بھی اپنی شاہ کار تصنیف ''مرزا سلامت علی دبیر'' میں ثابت لکھنوی کی ''حیاتِ دبیر'' کے حوالے سے لکھا: ''دفترِ ماتم کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں میں بالترتیب ایک سو دس، ایک سو چوبیس اور اٹھانوے، یعنی کل ملا کر ۳۳۲ مسلسل ردیف وار سلام ہیں۔ ان میں مرزا دبیر کے بعض شاگردوں کے سلام بھی ہیں، جیسا کہ مقطعوں سے ظاہر ہے، البتہ چند سلام ایسے بھی ہیں جن میں مقطع نہیں اور نہیں کہا جاسکتا کہ کس کے تصنیف کیے ہوئے ہیں۔''

۷۔ ڈاکٹر مظفر حسن ملک ''اُردو مرثیے میں مرزا دبیر کا مقام'' میں لکھتے ہیں: ''دفترِ ماتم'' کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں میں الف سے لے کر یا تک ردیف وار سلام ہیں، جن کی مجموعی تعداد ۳۳۲ ہے۔ بعض سلام غلطی سے ان کے شاگردوں کے بھی شامل ہوگئے ہیں، جیسا کہ ان کے مقطعوں سے ظاہر ہے۔''

۸۔ پروفیسر اکبر حیدری نے ۱۹۹۴ء میں ''باقیاتِ دبیر'' میں سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں کا ذکر کرتے ہوئے دبیر کے سلاموں کی تعداد ۱۲۴ بتائی۔ اِس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ موصوف کو ''شاعرِ اعظم مرزا سلامت علی دبیر'' جیسی شاہ کار تصنیف کرتے وقت یہ جلدیں نایاب ہونے کی وجہ سے نہ مل سکیں، چناں چہ اِسی لیے راقم نے ان جلدوں سے مرزا دبیر کے سلاموں کو علیحدہ کرکے ''دبیر کے سلام'' کی شکل دی ہے۔ بہر حال، ہم پروفیسر صاحب کی تہِ دل سے قدردانی کرتے ہیں کہ ان کی بدولت یہ طلسم ٹوٹ سکا۔ اس مقام پر ہم تینوں جلدوں کی تفصیلات پیش کرتے ہیں:

الف۔ دفترِ ماتم۔ جلد ۱۶ (مجموعۂ سلام، حصۂ اوّل) ۱۳۱۴ ہجری۔ مطبع دبدبۂ احمدی، مشک گنج لکھنؤ۔ سیّد عبدالحسین صفحات ۲۰۴۔ کل سلام = ۱۱۰ دبیر کے سلام = ۴۶۔

ب۔ دفترِ ماتم۔ جلد ۱۷ (مجموعۂ سلام، حصۂ دوم) ۱۸۹۷ عیسوی۔ مطبع دبدبۂ احمدی، مشک گنج لکھنؤ۔ سیّد عبدالحسین صفحات ۲۵۴۔ کل سلام = ۱۳۴۔ دبیر کے سلام = ۶۳۔

ج۔ دفترِ ماتم۔ جلد ۱۸ (مجموعہ سلام، حصہ سوم) — ۱۸۹۷ عیسوی۔ مطبع دبدبۂ احمدی، مشک گنج، لکھنؤ۔ سیّد عبد الحسین صفحات ۱۸۴ کل سلام = ۹۸۔ دبیر کے سلام = ۲۴۔

د۔ حیاتِ دبیر (حصۂ دوم) — ۱۹۱۵ عیسوی۔ ایک سلام جس پر نظیر لکھنوی نے مخمس تعمیر کیا۔

دبیر کے جملہ مطبوعہ سلام — ۳۶ + ۶۳ + ۲۴ = ۱۳۴

اور سلاموں کے اشعار کی جملہ تعداد — ۳۱۷۷

ذیل کے جدول میں ''دفترِ ماتم'' سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں کی جلدوں میں موجود سلاموں کی تعداد، شاعروں کے نام کے ساتھ پیش کی جاتی ہے:

نمبر	نامِ شاعر	تعداد سلام	نمبر	نامِ شاعر	تعداد سلام
۱	مرزا سلامت علی دبیر	۱۳۱	۱۴	نصیر	۱۱
۲	مرزا غلام محمد نظیر۔ برادرِ حقیقی	۲۷	۱۵	لطیف	۱
۳	مرزا محمد جعفر اوج۔ فرزندِ اکبر	۳	۱۶	نواب	۹
۴	مرزا محمد ہادی حسین عطارد۔ فرزندِ کوچک	۲	۱۷	عزیز	۳
۵	میر بادشاہ لقا۔ داماد	۱	۱۸	افضل حسین ثابت لکھنوی۔ مصنف ''حیاتِ دبیر''	۵
۶	مرزا رفیع۔ پوتے	۲	۱۹	ضیا	۱
۷	سلطان عالیہ بیگم، دخترِ نصیر الدین شاہ۔ شاگرد	۴۷	۲۰	قدیر و الا قدر	۲
۸	نواب حاجی بیگم، دخترِ محمد علی شاہ۔ شاگرد	۸	۲۱	عظیم	۲
۹	نواب امام باندی عفت۔ شاگرد	۴	۲۲	منیر شکوہ آبادی۔ شاگرد	۱
۱۰	میر صفدر علی خان۔ شاگرد	۱۷	۲۳	درخشاں	۲
۱۱	حصین	۲	۲۴	شرف	۱
۱۲	عابد علی بشیر۔ شاگرد	۱	۲۵	مرزا محمد عباس صغیر۔ فرزندِ نظیر	۳
۱۳	ظہیر۔ شاگرد	۱۰	۲۶	تحر	۱

۲۷	یاوؔر	۲
۲۸	ہادیؔ	۱
۲۹	سجاؔد	۱
۳۰	مرتجؔ	۳
۳۱	مظہؔر	۲
۳۲	ممتاز الدولہ ممتاؔز	۱
۳۳	سعیؔد	۱
۳۴	شفیؔع	۱
۳۵	صریؔ	۱
۳۶	سیّد محمد صاحب شمیؔم ۔ رئیسِ کجوہ	۱
۳۷	مرزا محمد ہادی مرزاؔ ۔ پروفیسر مشن کالج لکھنؤ	۱
۳۸	داروغہ سیّد عبدالوہاب وہاؔب ۔ حیدرآباد	۳

۳۹	کاظم حسین بدرؔ ۔ تعلقہ دار حیدرآباد	۳
۴۰	مصطفیٰ حسن ہلاؔل ۔ رئیسِ حیدرآباد دکن	۲
۴۱	میر واجد علی تسخیرؔ ۔ رئیس لکھنؤ، داروغہ	۱
۴۲	سیّد باقر مہدی مہدیؔ ۔ رئیسِ جرول	۱
۴۳	بلیؔغ	۱
۴۴	شیخ گوہر علی مشیرؔ لکھنوی	۱
۴۵	مرزا فدا حسین فدؔا	۱
۴۶	سلیؔم	۱
۴۷	جان صاحب میرنؔ ۔ رئیسِ لکھنؤ	۱
۴۸	سیّد حسن صاحب حسنؔ ۔ رئیسِ لکھنؤ	۱
۴۹	دوست محمد صاحب فہیمؔ ۔ رئیسِ سارن	۱

چوں کہ مرزا دبیرؔ کے بیشتر سلاموں سے عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی ناواقف ہیں، اس لیے ہم نے اس مجموعے میں مرزا صاحب کے تمام سلام یک جا کر دیے ہیں۔ ''حیاتِ دبیرؔ'' کے مولف نے سلاموں کے عمدہ انتخاب اور اس عظیم ذخیرے میں مخفی کمالات کو ظاہر کرنے کی، کوشش نہ کی اگر چہ اس کا اعتراف انھوں نے خود معذرت کے طور پر یوں کیا ہے: ''مجھے ناظرین معاف فرمائیں گے کہ میں نے سلام بہت کم انتخاب کیے اور جو شخص مرزا صاحب مرحوم کا کلیات دیکھے گا، اس کو بعض موقع پر یہ بھی خیال یا افسوس ضرور ہوگا کہ ثابتؔ نے اچھے اچھے شعر نہیں انتخاب کیے مگر اس کی دو وجہیں ہیں: (۱) کہ خوفِ طول مانع ہے کہ ابھی مرثیوں وغیرہ کا انتخاب شروع ہی نہیں ہوا۔ سمندر میں آدمی کیا کیا انتخاب کرے۔ (۲) میری پسند بھی شاید بعض طبقوں کو ناپسند ہو۔''

کتاب ''المیزان'' جو مرحوم چودھری سیّد نظیر الحسن صاحب فوقؔ نے ''موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ'' کے جواب میں لکھی اور جو ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے، اس میں بھی سلاموں پر چنداں روشنی نہ ڈالی گئی۔ دبیرؔ کے ۱۳۴ سلاموں میں سے صرف بارہ (۱۲) سلاموں کے چند اشعار منتخب کر کے پیش کیے گئے، جو دبیرؔ کے سلاموں کے ساتھ ناانصافی ہے۔ قابل مولف نے سلام

کے متعلق ایک آدھ صفحہ تحریر کرتے ہوئے ان جملوں میں دبیرؔ کے سلاموں کا ریویو کیا ہے: ''بعض شعرا کے کلام میں سلام کے اشعار ایسے رنگین اور دل چسپ ہوتے ہیں کہ غزل کا لطف حاصل ہو جاتا ہے۔ میر مونسؔ صاحب کو اس طرزِ خاص میں شہرت حاصل ہے۔ میر انیسؔ صاحب مرحوم کے سلاموں میں بھی ایسے دل چسپ اور رنگین اشعار پائے جاتے ہیں لیکن مرزا صاحب کے کلام پر از بس کہ مرثیت کا رنگ ہمیشہ غالب رہتا ہے، اس لیے سلاموں میں ان کی توجہ فقط الفاظ کی سادگی و صفائی اور مضمون کی درد انگیزی پر رہتی ہے۔''

بہر حال، جب اپنوں کا یہ حال ہے تو غیروں سے کیا توقع؟ جب دوست اپنی نادانی سے کسرِ شان کر رہے ہوں تو دشمنوں اور رقیبوں سے کیا گلہ؟

ہم ان چند صفحات میں مشتے نمونہ از خروارے صرف چند عمدہ اشعار، علمِ بیان اور علمِ بدیع کی صنعتیں بطورِ مثال پیش کر کے قارئین کی عدالت سے دبیرؔ کا حق طلب کرتے ہیں۔

maablib.org

(۷۲)

بہتّر نوادر

سلاموں سے منتخب نادر اشعار

maablib.org

۱ متفق حُبِّ علیؑ پر ہوں، جو سب اہلِ جہاں
ایک بھی، پھر نہ قیامت میں، گناہ گار ملے

۲ رن میں بازارِ شہادت، جو قضا نے کھولا
سربکف، جنسِ شہادت کے خریدار ملے

۳ زینبؑ نے کہا حُر کی ضیافت میں کروں کیا
فاقے کے سوا، کچھ بھی مرے گھر میں نہیں ہے

۴ سلامی! خاک ہوئے، خاک سے غبار ہوئے
ابوترابؑ کے مرقد پہ یوں نثار ہوئے

۵ سلامی! ذرّہ نہ دوں آفتاب کے بدلے
نہ لوں میں عرش، درِ بوترابؑ کے بدلے

۶ مہماں ہے غمِ شاہؑ، دبیرؔ! اہلِ عزا میں
گو کرب و بلا، ہند کے کشور میں نہیں ہے

۷ زہے سخاوتِ عابدؑ، برہنہ پائی میں
تمام آبلۂ پا، لباسِ خار ہوئے

۸ بڑھایا نقطۂ اشکِ عزا نے رتبۂ چشم
کہ عین پر جو دیا نقطہ تو ہزار ہوئے

۹ ہر ایک دانۂ تسبیحِ کربلا ہے گواہ
کہ بوترابؑ کے سب لال، خاک سار ہوئے

۱۰ صغریٰؑ نسیمِ صبح سے بولی کہ ٹھہر جا!
کیا خوب تجھ سے آتی ہے، بُوئے پدر مجھے

۱۱ کتاب، وصفِ علیؑ میں، اگر لکھوں میں دبیرؔ
بناؤں تارِ شعاعی سے تارِ مسطر

۱۲ سینے میں نیزہ، حلق پہ خنجر، زبان پہ شکر
یہ حلم، جز حسینؑ، بھلا کس بشر میں

۱۳ طوفاں اٹھا ہے آبِ دمِ ذوالفقار سے
ہستی اہلِ ظلم کی کشتی بھنور میں

۱۴ جب دَوا پیتی تھی صغریٰؑ، تو دعا کرتی تھی
باپ کا شربتِ دیدار میسّر ہوئے

۱۵ یہ بولی، دیکھ کے نرگس کو باغ میں، صغریٰؑ
کہ تو بھی کیا، گُلِ زہراؑ کے انتظار میں

۱۶ تاکمالِ چاردہ معصومؑ، روشن سب پہ ہو
چودھویں شب کو رہا کرتی ہے شب بھر چا

۱۷ جب سفیدی، روضۂ شبیرؑ میں ہونے لگی
گرد روضے کے پھری چونے میں مل کر چا

۱۸ مجرئی! فرشِ نجف سے، کب ہو ہمسر، چاندنی
چاندنی جھاڑو تو جھڑتی ہے، زمیں پر، چا

۱۹ ہر مہینے دشمنانِ دیں سے ہے سرگرمِ جنگ
چرخ پر، رکھتی ہے ماہِ نو کا خنجر، چا

۲۰ مال و زر کا کیا بھروسا، چاہیے فکرِ مآل
فی المثل ہے چار دن کی، اے تونگر، چا

۲۱ تھی یاد، سکینہؑ کی جو پیاس، ان کو، تو شہؑ نے
منہ پھیر لیا، جب گئے کوثر کے

۲۲ سینۂ شبیرؑ پر، بیٹھا رہا جب تک شقی — گنبدِ قبرِ رسولؐ اللہ، تھرّایا کیا

۲۳ غُل کر کے قیامت ابھی برپا کرے زنجیر — پر ہے یہ اَدب، بیچ میں عابدؑ کا قدم ہے

۲۴ تسبیحِ حق میں صرف کیا رشتۂ حیات — دیکھو خدا کے واسطے طاعت امامؑ کی

۲۵ مثلِ دو طفل، شمس و قمر آئیں دَرس کو — زیرِ بغل کتاب لیے صبح و شام کی

۲۶ قالب میں شہؑ کے تیر تھے، بعد از وداعِ روح — سورج غروب ہو گیا، باقی کرن رہی

۲۷ تیغ ہے برقِ غضب، شعلہ فشاں، آتشِ قہر — مرگ رہ جاتی ہے جس جا، یہ رَواں ہوتی ہے

۲۸ دبیرؔ! ہو گا خدا مشتریِ گوہرِ اشک — بھلا یہ رتبہ کہاں ہے، ذرِّ عدن کے لیے

۲۹ اکبرؑ کا دیکھ چاہِ ذقن، بول اُٹھے عدو — آبِ حیاتِ شہؑ، اِسی چاہِ ذقن میں ہے

۳۰ عابدؑ، غمِ پدر میں، یہاں تک ہوئے ضعیف — مثلِ حباب کچھ نہیں، ان کے بدن میں ہے

۳۱ کہا زہراؑ نے، شہؑ کی لاش سے، حُر کا نہ غم کھانا! — رِدا زہراؑ نے، بیٹا! اُس کے لاشے پر اُڑھائی ہے

۳۲ جبر رُح سے ہیں پانچ نمازیں، ہوئیں ہم پر — واجب، بخدا پنجتنؑ پاک کا غم ہے

۳۳ شاہؑ کہتے تھے، شہادت کی گواہی کے لیے — دامنِ افلاک پر، کافی ہے اصغرؑ کا لہو

۳۴ دیکھتا تھا انگلیوں پر شمر، واں خنجر کا دم — یاں اُچھلتا تھا گلوے ابنِ حیدرؑ کا لہو

۳۵ کیا غضب ہے! کاٹ کر شہؑ کا گلا، جلّاد نے — جا کے پونچھا چادرِ زینبؑ سے، خنجر کا لہو

۳۶ ذکر شبیرؑ کا، یوں کرتی تھی صغریٰؑ بیمار — جیسے تپ میں کوئی آیاتِ شفا یاد کرے

۳۷ کبریٰؑ پہ خاتمہ ہے حیا کا، کہ رات بھر — مانندِ شمع روتی تھی لیکن صدا نہ تھی

۳۸ ماں سے صغریٰؑ کہتی تھی، مجھ کو چھپا کر لے چلو! — میں منا لوں گی، اگر بابا خفا ہو جائیں گے

۳۹ جلائے لشکرِ ناری نے وہ خیامِ حسینؑ — تھے جن میں رشتۂ ایماں، طناب کے بدلے

۴۰ لقب، رسولؐ کا، اُمّی تھا، پر بہ فضلِ خدا — پڑھا تھا علمِ لدن، ہر کتاب کے بدلے

۴۱ مثال، قبلہ نما کو، جو دل سے شاہؑ کے دوں — قرار قطب کو ہو، اضطراب کے بدلے

۴۲ دودھ کی خاطر نہیں ہوتے ہیں گریاں، شیر خوار — بے زباں اطفال، گویا بہرِ اصغرؑ روتے ہیں

۴۳ زمیں پہ ذرّے نہ کیوں تڑپیں صورتِ اختر — کہ زیرِ خاک، ید اللہ کے ستارے ہیں

۴۴ اے مُجرئی! سکینہؑ بھی کیا کام کر گئی
بابا کے سر پہ سر کو رکھا اور مر گئی

۴۵ فلک کا بخل تو دیکھو کہ بہتے دریا پر
حسینؑ امامؑ کو دی پیاس، آب کے بدلے

۴۶ شہید و بے کس و مظلوم و بے دیار غریب
ہر ایک لفظ یہ، شبیرؑ کے خطاب میں ہے

۴۷ شیرِ خاتونِ قیامت کی جسے دھار ملے
مُجرئی! قہر ہے! اُس حلق سے تلوار ملے

۴۸ نبیؐ مدینۂ علم اور اس مدینہ میں
کُشندۂ درِ خیبر ہے باب کے بدلے

۴۹ صفا رُخ میں وہ ہے، جو سُن لے کسی سے
نہ آئینہ دیکھے سکندر، دوبارہ

ذیل کے اشعار دبیرؔ شناسی، شاعرانہ تعلّی اور صنعتِ حسنِ تخلّص کی عمدہ مثالیں ہیں:

۵۰ فرصت نہیں لکھنے کی دبیرؔ، آج، وگرنہ
مضمون تو کتنے ہی سلاموں کا بہم ہے

۵۱ یہ سلامِ شہِؑ مظلوم کہا خوب، دبیرؔ!
دیکھوں انعام میں، مولاؑ تجھے کیا دیتے ہیں

۵۲ جب تک نہ ہوئے علم سے کچھ بہرہ، اے دبیرؔ!
کوئی نہ ڈالے، مرثیہ گوئی کے فن میں ہاتھ

۵۳ دبیرؔ! سبطِ رسولؐ خدا کے صدقے سے
ترا سلام یہ، نایابِ روزگار ہوا

۵۴ دبیرؔ! اہلِ انصاف شاہد ہیں اس کے
سخن میں نیا ہے قرینہ ہمارا

۵۵ نیا مرثیہ نظم ہوتا ہے، ہر ماہ
دبیرؔ! اس کو سمجھو مہینا ہمارا

۵۶ تا چند کروں، شرحِ دبیرِؔ جگر افگار
اس غم کا ہر اک نکتہ، ہے دفتر کے برابر

۵۷ خوف کیا دشمنِ بے دیں کا، دبیرِؔ غمگیں
آبرو تیری ہے ہر دم، شہِؑ ابرار کے ساتھ

۵۸ خاقانِ سخن ہوں، میں دبیرِؔ جگر افگار
سکّہ ہے، تخلّص مرا، اور نظم دِرم ہے

۵۹ بہرِ ثواب، نظم میں کرتا ہوں، اے دبیرؔ!
افسوس! اب جہاں میں نہ قدرِ سخن رہی

۶۰ جس پہ ہوتی ہے عنایات، شہِؑ دیں کی دبیرؔ!
اس کا مقبول، دوعالم میں سخن، ہوتا ہے

۶۱ گر دعوائے زباں ہے تو جوں شمع، اے دبیرؔ!
درکار خاموشی تجھے، ہر انجمن میں ہے

۶۲ صاحبِ فیض ہوں میں فیضِ شہِؑ دیں سے، دبیرؔ!
دُرِّ شہوار بھی کم، میرے سخن سے، نکلے

۶۳ مقبول کی، یہ نظم، شہِؑ دیں نے، اے دبیرؔ!
شہرت ہوئی اِسی سے، ہمارے کلام کی

۶۵ درِ شہؑ، خوابِ اجل کے لیے، پاؤں جو دبیرؔ!
آنکھ کھل جائے کہ اب طالعِ بیدار ملے

٦٦۔ طالبِ دادِ مضامیں، عقلا سے ہے دبیر — بے خرد سے، نہیں دعوائے ہنر کرتا ہے

٦٧۔ بے سوادوں کو نہیں تمیزِ حسن و قبحِ نظم — جانتا ہے کور، سائے کے برابر چاندنی

٦٨۔ لیتے ہیں شہ سے حلّۂ فردوس، اے دبیر! — کرتا ہے چاک، پنجۂ غم سے، کفن ہمیں

٦٩۔ دبیرِ خستہ کی، ہے عرض شہ سے — سخن سر سبز ہو، باغِ جناں میں

٧٠۔ غمِ حسینؑ سے روشن، عمل ہمارے ہیں — فلک ہے سینہ تو داغِ عزا ستارے ہیں

٧١۔ ہے عزّ و وقار اپنا، دبیر! اہلِ عزا میں — تقدیر میں مدّاحیِ شاہِ شہدا تھی

٧٢۔ طوفِ کعبہ کا تجھے شوق ہے، از بس کہ دبیر! — مضطرب دل، صفتِ قبلہ نما رہتا ہے

maablib.org

عکسِ دبیرؔ آئینۂ سلام میں

اعترافِ دبیرؔ

فرصت نہیں لکھنے کی دبیرؔ آج، وگرنہ
مضمون تو کتنے ہی سلاموں کا بہم ہے

اُمید دبیرؔ

یہ سلامِ شہِ مظلوم کہا خوب! دبیرؔ!
دیکھوں، انعام میں، مولاؑ تجھے کیا دیتے ہیں

انعام دبیرؔ

دبیرؔ! سبطِ رسولؐ خدا کے صدقے سے
ترا سلام یہ، نایاب روزگار ہوا
مقبول کی، یہ نظم، شہِ دیں نے، اے دبیرؔ!
شہرت ہوئی اِسی سے، ہمارے کلام کی

تعلّیِ دبیرؔ

خاقانِ سخن ہوں میں دبیرؔ جگر افگار
سکہ ہے، تخلص مرا، اور نظم دِرم ہے

دعائے دبیرؔ

دبیرِؔ خستہ کی، ہے عرض شہ سے
سخن سرسبز ہو، باغِ جناں میں

نمونۂ
صنائع وبدائع

دبیرؔ کا ایک شاہکار سلام، جو سترہ اشعار پر مشتمل ہے، ایک خاص صنعت اور صنعتِ جمع سے مالا مال ہے، اس سلام کے ہر شعر کے مصرعِ اولیٰ میں چار چیزوں کا ذکر ہے اور دوسرے مصرعے میں اس مضمون کو دلچسپ اور نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ہم بطورِ مثال چند شعر یہاں پیش کرتے ہیں:

ؔ کوفے میں، کربلا میں، بقیعہ میں، طوس میں — مدفوں ہوئے بتولؑ کے دلبر، کہاں کہاں
گُل میں، شفق میں، لعل میں، خورشیدِ صبح میں — ہے رنگِ خونِ کشتۂ خنجر، کہاں کہاں
صفّین میں، جمل میں، اُحد میں، تبوک میں — تنہا لڑے ہیں فاتحِ خیبر، کہاں کہاں
دنیا میں، آخرت میں، سقر میں، بہشت میں — ہے اختیارِ حیدرِ صفدر، کہاں کہاں
خورشید میں، فجر میں، ستاروں میں، برق میں — ہے نورِ آفتابِ پیمبرؐ، کہاں کہاں
غربت میں، گھر میں، قبر میں، محشر میں، اے دبیرؔ! — آئے مدد کو ساقیِ کوثر، کہاں کہاں

ذیل کے سلام کی بحر اور اسی ردیف اور قوافی میں حسرتؔ موہانی مرحوم کی غزل ملتی ہے، جس کے مطلع کا مصرع یہ ہے:

ع: سرکتی جائے ہے رُخ سے نقاب، آہستہ آہستہ

مرزا صاحب کے کچھ اشعار یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

ؔ سلامی! کرتے تھے اکبرؑ خطاب، آہستہ آہستہ — نکالِ ہے زخمِ دل کو، چل عقاب آہستہ آہستہ
کہا زینبؑ نے، دیکھوں اور، بھائی کو، کوئی ساعت — الٰہی ہو طلوعِ آفتاب، آہستہ آہستہ
کہا صغریٰؑ نے رو کر آتشِ فرقت نے اے بابا! — کیا ہے طائرِ دل کو کباب، آہستہ آہستہ

ذیل کے چند اشعار میں حضرت علی اکبرؑ کا سراپا پیش کیا ہے، جو قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ نادر الکلامی کی بھی عمدہ مثال ہے:

رُخ ہے وہ گلشنِ قدرت کہ بوقتِ گُل گشت — دل عنادل کا، نہ اِک گل کی صفا یاد کرے
گر تنگہ خضر کی ہو، چاہِ ذقن سے سیراب — پھر نہ وہ ذائقۂ آبِ بقا یاد کرے
زلف وہ زلف کہ شیرازۂ اجزاے ثواب — ہے خطا یاں، جو کوئی مشکِ خطا یاد کرے
چشم وہ چشم کہ نظارہ کرے اس کا اگر — نرگسِ باغِ جناں کو، نہ صبا یاد کرے

قدِ پُرنور ہے وہ شمع، کہ دیکھے جو کلیم		شجرِ طور، کی ہرگز نہ ضیا، یاد کرے

چاندنی کی ردیف میں چند شعر دیکھیے:

بارہا لکھا ہے شب کو، حُسنِ رخسارِ حسینؑ		روشنائی میں مرتّب کی ہے اکثر چاندنی

احمدِؐ مختار ہیں نورِ خدا کے آسماں		حیدرؑ و زہراؑ قمر، شبیرؑ و شبرؑ چاندنی

مرزا دبیر کا ایک عمدہ سلام، جو چھتیس اشعار پر مشتمل ہے، جس کی ردیف ''دوبارہ'' ہے، اس سلام کے چند اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

جلا خیمۂ شہؑ تو بولے ملائک		نبیؐ کا، جلایا گیا گھر دوبارہ

بِکھری ٹوٹ، بعد از وفاتِ سکینہؑ		پہننے نہ پائی وہ گوہر دوبارہ

چھنا تھا مدائن میں، پھر کربلا میں		لُٹا شہر بانو کا زیور دوبارہ

کہا والدہ نے یہ مرنے کی جلدی		نہ ہچکی بھی لی تم نے اکبرؑ دوبارہ

اجاڑا تھا، اے چرخ! کس طرح تُو نے		بسا جو نہ سادات کا گھر دوبارہ

مرزا دبیر کا ایک طویل، ساٹھ (۶۰) اشعار کا سلام ہے، جس میں عمدہ مکالمہ نگاری ہے اور مکالبہ کی صورت کو مرزا دبیر نے اپنی طبیعت کی جولانی سے پیدا کر کے مصائب کو پیش کیا ہے۔ قطعہ بند اور طویل مکالمہ نگاری دبیر کی اہم شناخت ہے۔ ہم اس موقعے پر صرف چند اشعار پیش کر کے اپنے مدّعا کو ثابت کریں گے کہ سلاموں میں یہ مکالمہ نگاری دبیر ہی کا حق اور فن تھا، جوان ہی کے ساتھ ختم بھی ہوگیا:۔

یثرب میں، آئی خواب میں زینبؑ کے، یوں بتولؑ		ماتھا بھرا تھا خون سے، سر پہ ردا نہ تھی

زینبؑ نے پوچھا کس کے لہو سے جبیں ہے لال؟		تم پر تو آفتِ سفرِ کربلا نہ تھی

رو کر کہا بتولؑ نے، تم یاد تو کرو!		کس وقت، کس جگہ، میں شریکِ عزا نہ تھی؟

روئی تمھارے ساتھ، بہترؑ کی لاش پر		زینبؑ! میں کس شہید کی صاحبِ عزا نہ تھی؟

جھاڑا تھا کس نے بالوں سے، صحرائے کربلا!		ہے ہے! میں کربلا میں شبِ قتل، کیا نہ تھی

تھامی تھی تم نے جس گھڑی، مظلوم کی رکاب		کیا ساتھ ساتھ گھوڑے کے میں ننگے پا نہ تھی

جب تم گری تھیں، بھائی کے مردے پر، اونٹ سے		کیا بال کھولے لاش پہ خیر النسا نہ تھی

یثرب سے تابہ ماریہ، اور واں سے تابہ شام
زینبؑ کہیں حسینؑ سے زہراؑ جدا نہ تھی
زینبؑ نے عرض کی کہ بجا کہتی ہیں جناب!
اے والدہ مجھے خبرِ دست و پا نہ تھی

صنعتِ جمع: گھوڑے کے صفات۔ نادر مضمون

صنعتِ مبالغہ: عنقا ہے یہ مرکب کہ عقابِ علی اکبرؑ
قدرت کا کرشمہ، رگ و ریشہ میں بہم ہے
چھل بل ہے، چھلاوہ ہے، توہم ہے! تصور
اژدر نفس و برق تگ و صاعقہ دم ہے
دریا اثر و شعلہ خواص و شرر آگیں
آہو رم و طاؤس دم و شیرِ شیم ہے
اس رخش کا سایہ ہے ہما، جست ہے بجلی
سیماب پسینہ ہے ہوا گردِ قدم ہے

صنعتِ جمع: رعشہ، ورم، بخار، غشی، ضعف، دردِ سر
عابدؑ کو اتنے عارضے تھے اور دوا نہ تھی

صنعتِ حسن تعلیل: تشنگیِ شہِ دیں، جب میں رقم کرتا ہوں
خشک، ہر حرف پہ، خامے کی زباں ہوتی ہے

صنعتِ حسن تعلیل: ہم کو انجم سے۔ ہے ثابت کہ غمِ مولا میں
آہِ سکّانِ فلک، شعلہ فشاں ہوتی ہے

صنعتِ حسن تعلیل: پیکاں نہیں لگی، اسی حیرت سے مومنو!
انگلی ہر ایک زخم نے، رکھی دہن میں ہے

صنعتِ حسن تعلیل: پیرو، شہِ بے سر کا، ازل سے جو قلم ہے
اس واسطے، مجرائی! سرِ خامہ قلم ہے

صنعتِ حسن تعلیل: مدحِ شہِ دیں لکھنے سے، کب سیر قلم ہے
خالی، بصفتِ گرسنہ، خامے کا شکم ہے

صنعتِ حسن تعلیل: کیا پاس بزرگیِ درِ شاہِ اُمم ہے
مجرائی! فلک دور سے، تسلیم کو خم ہے

صنعتِ حسن تعلیل: کر کر یہ آہِ بار شرر بار، اے دبیر!
تابندہ برق ہوتی ہے اکثر، سحاب میں

صنعتِ حسن تعلیل: گور زہراؑ کے پسر کو نہ ملی، تا چہلم
اس لیے دشت، ہر اک خاک بہ سر کرتا ہے

صنعتِ حسن تعلیل: پا پیادہ جو گلِ فاطمہؑ ہے، اس غم سے
آبلہ زیرِ قدم، چشم کو تر کرتا ہے

صنعتِ حسن تعلیل: مہدیِ دیں ہیں نہاں، فیضِ ہدایت ہے عیاں
چاند جیسے ابر میں، اور جلوہ گستر چاندنی

صنعتِ سوال و جواب کے یہ دو شعر عمدہ مثال ہیں:

- مگر اس شب کو ہے وہ شکلِ پُر خوں
فرشتے کہتے ہیں یا رب! یہ کیا ہے؟

ندا آتی ہے عرشِ کبریا سے　　فرشتو! وقتِ فریاد و بکا ہے

سہلِ ممتنع: کہا والدہ نے یہ مرنے کی جلدی؟　　نہ بھیگی بھی لی تم نے، اکبرؑ، دوبارہ

ان اشعار میں صنعتِ جمع، صنعتِ جمع وتفریق وتقسیم اور صنعتِ لف ونشر کی آرائش ہے:

تم کو، مرے آقا کے شرف، کیا نہیں معلوم
کعبے کی قسم! قبلۂ اربابِ ہمم ہے

خورشیدِ زمیں، بدرِ فلک، شمعِ مدینہ
سردارِ عرب ہے، وہی سلطانِ عجم ہے
کیا حاکمِ شامی کو ہے شبیرؑ سے نسبت
وہ کفر، یہ اسلام، وہ دَیر، حرم ہے
وہ ظلم ہے، یہ عدل، وہ عصیاں، یہ عبادت
وہ رنج، یہ راحت، وہ ستم ہے، یہ کرم ہے

صنعتِ سیاق الاعداد: علیؑ کی تیغ دو سر سے عدو جو چار ہوئے　　یہ ایک وصف تھا اس میں کہ دو کے چار ہوئے

گردشِ میں آسماں ہے کیا شش وپنج، اے دبیر!　　ہے دو عالم میں وسیلہ ہم کو ہشت و چار کا

ہزار و نو صد و پنجاہ و یک جراحت تھے　　خدا کی راہ میں شبیرؑ، جب نثار ہوئے

لاریب، شش جہت میں وہی سر بلند ہے　　جو سر پہ مارتا ہے، غمِ پنجتنؑ میں، ہاتھ

صنعتِ مذہب الکلامی: تعمیر اس لیے کیا کعبہ، خلیلؑ نے　　قابل کوئی ولادتِ حیدرؑ کے، جا نہ تھی

صنعتِ سیاق الاعداد: صنعتِ تکرار، صنعتِ جمع اس شعر میں دیکھیے:

ایک حُر، ایک پسر، ایک غلام، اک بھائی
عاشقِ پنجتنؑ اُس فوج سے، یہ چار آئے

صنعتِ ذوالسانین (فارسی + اُردو)

زہے حسینؑ کہ سازند سبحہ از خاکش　　ہے خاک ذکر میں گویا، جناب کے بدلے

صنعتِ طباق تدبیج: سیاہ پوش حرم اور سرخ پوش حسینؑ　　فلک نے رنگ کیے، انقلاب کے بدلے

قطعہ بند: جناں گھر، مَلَک پاسباں، عرش کرسی — فلک منبر، ہفت زینہ ہمارا
ہمیں فقر و فاقہ، تجھے زر مبارک — یہ دولت تری، وہ خزینہ ہمارا

قطعہ بند: نسیم غنچۂ تسلیم، زیب باغِ نعیم — بہارِ گلشنِ صبر و رضا حسینؑ حسینؑ
صنعتِ ذوالّلسانین: مرادِ کُن فیکوں، شرحِ آیۂ لولاک — چراغِ طاقِ علومِ خدا حسینؑ حسینؑ
حواسِ خمسۂ زہراؑ قرارِ شیرِؑ خدا — امامِ خامسِ آلِ عباؑ حسینؑ حسینؑ
پُلِ صراط سے بے شک، اُتر ہی جائیں گے — زباں سے کہہ کے یہ، اہلِ عزا حسینؑ حسینؑ

قطعہ بند: آفاق دنگ، ابلقِ ایام لنگ تھا — آواز سُن کے دُلدلِ محشر خرام کی
صنعتِ ترصیع: مرحب بڑھا اُدھر سے، اِدھر سے خدا کا شیرؑ — آتے ہی اُس نے ضرب لگائی حسام کی
صنعتِ تضاد: کھینچی اُدھر سے، دستِ خدا نے، جو ذوالفقار — فتنے نے اپنی تیغ، میانِ نیام کی
صنعتِ مراعات النظیر: اک دم میں قصرِ چار عناصر بہا دیا — اللہ رے آبِ تیغ جنابِ امامؑ کی
صنعتِ جمع: انصاف و حلم و علم و دلیری وجُود و زُہد — تجھ پر، خدا نے ساری فضیلت، تمام کی

قطعہ بند: مدّاح سراپا، لبِ انصاف سے سب ہیں — غل ہے، یہ جواں، جانِ عرب، جسمِ عجم ہے
سراپا حضرت علی اکبرؑ: بابا مدنی، ماں عجمی، جد، اسدُ اللہ — خود شکل میں، محبوبِ خدا، میرِ اُمم ہے
صنعتِ مراعات النظیر: وصفِ دہنِ تنگ میں، عیسیٰؑ کی زبان لال — گویا یہ دلیلِ رہِ باریکِ عدم ہے
صنعتِ تنسیق الصفات: قامت ہے وہ قامت کہ حضورؐ اس کے شرف سے — انگشت سے کم، سروِ گلستانِ ارم ہے
صنعتِ لف و نشر مرتب: دیکھو! سر و پیشانی و ابرو کا قرینہ — یہ عرش ہے، یہ لوح، یہ قدرت کا قلم ہے
حق اس کا ہے نقّاش خلیلؑ اس کا ہے معمار — اُبرو کے مقابل، کہاں محراب حرم ہے
کیا رتبۂ یاقوت و شکر پیشِ لبِ سرخ — یہ لعل ہے، وہ سنگ ہے، یہ شہد، وہ سم ہے
حسرت ہے کہ یہ شیرِ قوی، ہاتھ سے کھینچے — ہر وقت کمانِ فلک، اس واسطے خم ہے

ایک اور مقام پر حضرت علی اکبرؑ کا سراپا یوں پیش کیا ہے:

رخ وہ رخ کہ ابھی عکس جو اس کا پڑ جائے — ٹکڑے پوشاکِ قمر، مثلِ کتان ہوتی ہے
لب ہے وہ لعل، کہ بیعانہ بدخشاں جس کا — لال، اس لعل کی مدحت میں، نہاں ہوتی ہے

قطعہ بند کربلا کے دُلھا نوشاہ تو حسنؑ کی طرح سے، ہے کم سخن — مظلومیت حسینؑ کی بالکل، دُلھن میں ہے

دُلھن: پروانہ ساں ہے ایک تو، اک شمع ساں خموش — صحبت عجیب طرح کی دُلھا دُلھن میں ہے

صنعتِ ذوالّلسانین: الا یا عین جودی واسعدنیا — یہی، کلثومؑ کی، اس شب صدا ہے

الافا بکی امیر المومنینا — کہ اس رونے کی، عقبیٰ میں جزا ہے

تلمیع ذوالّلسانین: زعفر جن، مع افواج بہ میدانِ ستم — آیا جس دم مددِ سبطِ پیمبرؐ کے لیے

صنعتِ تضمین: نعرہ کیا حُر نے کہ توکلت علی اللّٰہ — دنیا میں ترا جاہ ہے، محشر میں نہیں ہے

صنعتِ اعداد: اے خوشا طالع! کہ ہے نامِ حسنؑ سے ہم عدد — کیوں نہ ہو روشن دلوں میں، نام آور چاندنی

صنعتِ جمع وتقسیم: شہید و بے کس و مظلوم و بے دیار و غریب — ہر ایک لفظ یہ، شبیرؑ کے خطاب میں ہے

سہلِ ممتنع: اے مجرئی! سکینہؑ بھی کیا کام کر گئی — بابا کے سر پہ سر کو رکھا، اور مر گئی

صنعتِ لف ونشر غیر مرتب:

خلد و طوبیٰ و نہرِ کوثر ہے — کاغذ و خامہ و مدادِ علیؑ

صنعتِ تکرار: حالِ صغریٰؑ نے جو پوچھا، تو یہ زینبؑ نے کہا — دکھ پہ دکھ، غم پہ غم، آزار پہ آزار ملے

صفتِ تلمیح: نبیؐ مدینۂ علم اور اس مدینہ میں — کنندۂ درِ خیبر ہے باب کے بدلے

(کنندۂ درِ خیبر سے مراد حضرت علیؑ ہیں) (باب یعنی دروازہ سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ اس میں مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے)۔

فہرستِ سلام

"دفترِ ماتم" جلد نمبر ۱۶:

نمبر	مطلع		تعدادِ شعر
۱	مسطور اگر کمال ہو، سَرو امام کا	مصرع ہمارا سرو ہو دارالسّلام کا	۱۵
۲	مُجری! گوشہ کو وقتِ ذبح غش آیا کیا	نعرۂ اللہ اکبر پہ وہ فرمایا کیا	۱۶
۳	غم شہ سے ہے داغ، سینہ ہمارا	سلامی! قمر ہے نگینہ ہمارا	۲۴
۴	ولائے علیؑ ہے خزینہ ہمارا	دفینہ ہے، مجرائی! سینہ ہمارا	۱۴
۵	مجرائی گرم نالہ، جو وقتِ بُکا ہوا	آنسو پسند داغِ عزا ہوا	۱۵
۶	مجرا اُسے، مدام جو راہِ رضا میں تھا	خنجر تھا جب گلے پہ، وہ شکرِ خدا میں تھا	۱۷
۷	مُجرئی! موسم عزا آیا	ماتمِ شاہِ کربلا آیا	۳۳
۸	نیساں کی چشم، گر غمِ سرورؑ میں تر نہ ہو	مجرائی! قطرہ لاکھ برس تک گہر نہ ہو	۱۵
۹	اے سلامی! دلِ شبیرؑ میں ہے گھر میرا	خُلد مسکن ہے مرا، حصّہ ہے کوثر میرا	۳۶
۱۰	نانا نے جس کے، مُجری! شق القمر کیا	مثلِ قمر اُسے، شفقِ خوں میں تر کیا	۲۱
۱۱	اے مُجرئی! تو حُر کے مقدّر کو دیکھنا	سر اُس کا اور زانوے سرورؑ کو دیکھنا	۱۸
۱۲	سلامی! خاک ہوا، خاک سے غبار ہوا	ابوترابؑ کی تربت پہ یوں نثار ہوا	۱۹
۱۳	ہوئے جو، مُجرئی! سلطانِ بحر و بر پیدا	کہا فلک نے، زمیں کا، ہوا قمر پیدا	۲۵
۱۴	دل پہ میرے زخم ہے، مجرائی! اُس تلوار کا	جس سے سر زخمی ہوا ہے حیدرِ کرّار کا	۱۸
۱۵	مُجرئی! کیا حوصلہ تھا اصغرؑ بے شیر کا	ہنس دیا، جب حلق پر ناوک لگا بے پیر کا	۳۴
۱۶	جو کہ قربانِ مزارِ علیؑ اکبر ہو گا	مُجرئی! اُس کو ثوابِ حجِ اکبر ہو گا	۲۳
۱۷	شہ سے، مجرائی! ہوا جب کہ علمدارؑ جدا	وہ جدا رونے لگا، سیدِ ابرارؑ جدا	۱۹
۱۸	مجرائی! جب کہ خاتمۂ پنجتن ہوا	تڑپی بتولؑ ایسی کہ ٹکڑے کفن ہوا	۳۰
۱۹	مجرائی! زیرِ خاک، نہ رنج و محن ہوا	شمعِ رہِ بہشت، غمِ پنجتن ہوا	۲۸

۲۰	گو کہ، اے مُجرئی! وہ تشنہ دہن کتنے ہیں	پُرخوش، انصارِ شہنشاہِ زمن، کتنے ہیں	۲۶
۲۱	جو دل میں وِلائے شہِ مرداں نہیں رکھتا	مُجرائی! وہ گنجینۂ ایماں نہیں رکھتا	۲۳
۲۲	صغرٰی نے بھی، اے مُجرئی! غم کھائے ہیں کیا کیا	شبیرؑ وطن میں اُسے، یاد آئے ہیں کیا کیا	۲۲
۲۳	جو سلامی شہِ والا کا ثنا خواں ہو گا	اُس کا ہر ایک سخن گوہرِ غلطاں ہو گا	۱۷
۲۴	مُجرئی! جب ہوا پامال چمن زہراؑ کا	ہو گیا چاک گریبانِ کفن زہراؑ کا	۱۷
۲۵	مدحِ شبیرؑ میں مصرع جو رقم ہوئے گا	مُجرئی! وہ شجرِ باغِ ارم ہوئے گا	۱۶
۲۶	فصلِ خزاں جو گلشنِ شاہِ زمن میں ہے	مُجرائی! گُل دریدہ گریباں، چمن میں ہے	۲۸
۲۷	وقفہ عباسؑ کو، مُجرائی! قضا نے نہ دیا	پانی اولادِ پیمبرؑ کو پلانے نہ دیا	۱۶
۲۸	شبِ عاشور، بھائی کو بَلا میں دیکھ کر زینبؑ	تصدّق کے لیے اے مُجرائی! لائی پسر زینبؑ	۱۶
۲۹	مُجرئی! یوں کوئی باندھے نہ، گنہ گار کے ہاتھ	شمر نے باندھے تھے جس زور سے، بیمار کے ہاتھ	۲۳
۳۰	بی بی اُس سکینہؑ کے باندھے رَسن میں ہاتھ	رہتے تھے جس کے، گردنِ شاہِ زمن میں، ہاتھ	۱۷
۳۱	مُجرئی! بعدِ فنا بھی، نہ اُٹھے واں سے شہید	اُنس رکھتے تھے عجب، گنجِ شہیداں سے شہید	۲۱
۳۲	مُجرائی کہا شہؑ نے کہ یارا نہیں اصغرؑ!	چھوڑیں تمھیں جنگل میں، گوارا نہیں اصغرؑ!	۲۰
۳۳	کیوں نہ پھر آہ! کہ گزریں فلکِ پیر سے تیر	پار، اے مُجرئی! جب ہوں تنِ شبیرؑ سے تیر	۲۰
۳۴	سلام اُس پہ، جو پہنے ہے ناتواں، زنجیر	قدم ہیں جتنے نحیف، اتنی ناتواں زنجیر	۲۹
۳۵	مُجرئی! جب کہ چڑھا، شاہؑ کا سر نیزے پر	آفتاب آیا قیامت کا نظر، نیزے پر	۲۴
۳۶	ہو خاک، سلامی! درِ سرورؑ کے برابر	جس در کا ہر اک ذرّہ، ہے اختر کے برابر	۳۳
۳۷	اے مُجرئی! اس بحر میں وہ شعر سُنا گرم	جو مطلعِ خورشید سے مطلع، ہو ہوا گرم	۲۶
۳۸	مُجرئی! انصار کم تھے شاہِ والا کی طرف	اور لاکھوں اشقیا تھے جمعِ اَعدا کی طرف	۱۴
۳۹	مُجرئی! دامن میں لی، جب کربلا کے بَن کی خاک	گر گئی نظروں سے اپنے، وادیِ ایمن کی خاک	۳۲
۴۰	سوزِ غمِ شبیرؑ میں ہے یہ اثر اب تک	پتّھر سے نکلتے ہیں، سلامی! شرر اب تک	۲۰
۴۱	نام پر شاہؑ کے، پانی جو پلا دیتے ہیں	میرِ کوثر انھیں، مُجرائی! دعا دیتے ہیں	۲۶

۴۲ مُجرائی! پاؤں جہاں شاہِ ہدیٰ رکھتے ہیں — مَلک اُس خاک کو، آنکھوں پہ اٹھا رکھتے ہیں ۱۴

۴۳ غمِ شبیرؑ میں جو اشک بہانے کا نہیں — مُجرائی! وہ چمن خلد میں جانے کا نہیں ۱۳

۴۴ کہے نہ، مُجرائی! کیوں دائما حسینؑ حسینؑ — بتولؑ روتی ہیں کہہ کر سدا حسینؑ حسینؑ ۲۵

۴۵ غمِ آلِ عباؑ ہے، اور میں ہوں — سلامی! یہ عزا ہے اور میں ہوں ۲۶

''دفترِ ماتم'' جلد نمبر ۱۷:

۴۶ جلوہ ہے جو غبارِ درِ بوترابؑ میں — اے مُجرائی! وہ نور کہاں آفتاب میں ۲۴

۴۷ جُز اشک، نخلِ غم میں، سلامی! ثمر نہیں — جس طرح نخلِ شمع، کبھی بار ور نہیں ۱۲

۴۸ مُجرائی! اکبرؑ کے ماتم میں پیمبرؐ روتے ہیں — قبرِ سقائے حرم پر میرِ کوثر روتے ہیں ۲۹

۴۹ ہے عکسِ گیسو و رخِ اکبرؑ، کہاں کہاں — سنبل کہاں کہاں ہے، گلِ تر کہاں کہاں ۱۷

۵۰ مُجرائی! نہ کیوں کرے ہے ماتم، رمضاں میں — عالم سے اٹھا شاہِ دو عالم، رمضاں میں ۱۴

۵۱ عصیاں سے، مُجرائی! نہیں رنج و محن ہمیں — ہے مُہرِ عفو، داغِ غمِ پنجتنؑ ہمیں ۳۴

۵۲ رہے جو، مُجرائی! شہؑ کے فغاں میں — وہ ہو گا حشر کو باغِ جناں میں ۱۲

۵۳ السّلام اے قبرِ زیبائے حسینؑ — نورِ حق، خاکِ شفا، جائے حسینؑ ۲۴

۵۴ کیوں نہ غم سے خشک ہو، سبطِ پیمبرؐ کا لہو — جب شلوکے پر بہے، مُجرائی! اصغرؑ کا لہو ۲۸

۵۵ مُجرائی! شہؑ نے کہا اے مری خواہر! دیکھو! — تیر کو دیکھو! گلوئے علی اصغرؑ دیکھو ۲۰

۵۶ سلامی! کہتے تھے ظالم رلاؤ زینبؑ کو! — کہ ذبح شہؑ کو کرو اور دکھاؤ زینبؑ کو ۲۹

۵۷ غیظ میں جب آ کے، کھینچا شاہؑ نے تلوار کو — مُجرائی! چھپنے کی جا ملتی نہ تھی، کفار کو ۱۸

۵۸ مُجرائی! یہ تشنگی تھی سیدِ ابرار کو — جو پیا خوش ہو کے، آبِ خنجرِ خوں خوار کو ۲۴

۵۹ بیت جنت میں ملے، نظمِ سلام ایسا ہو — روئیں سب، مُجرائی! پر درد کلام ایسا ہو ۱۸

۶۰ سلامی! سجدۂ حق میں کیا مجروح، حیدرؑ کو — جنابِ فاطمہؑ پیٹیں ہوا صدمہ پیمبرؐ کو ۲۴

۶۱ سلامی! کرتے تھے اکبرؑ خطاب آہستہ آہستہ — تکاں ہے زخمِ دل کو، چل عقاب آہستہ آہستہ ۱۹

۶۲ گئے سوئے میداں جو اکبرؑ، دوبارہ — سلامی! ہوا گھر میں محشر دوبارہ ۳۶

۶۳	مُجرئی! شہ کو نہ کیوں، خلقِ خدا یاد کرے	جو خدا کو تہِ شمشیرِ جفا، یاد کرے	۳۶
۶۴	اے مُجرئی! شبیرؑ کو کیا یادِ خدا تھی	سر پر تھی قضا اور نماز ان کی ادا تھی	۴۷
۶۵	جس کے مدفن کی، در شہ پہ بنا ہوتی ہے	خاک اُس مُجرائی! کی، خاکِ شفا ہوتی ہے	۱۵
۶۶	مُجرئی! آیا محرم، خوں بہایا چاہیے	مرثیہ پڑھ کر محبوں کو رُلایا چاہیے	۴۹
۶۷	مُجرائی! قحطِ آب بھی تھا اور غذا نہ تھی	پر بے حواس فاقے میں، فوجِ خدا نہ تھی	۶۰
۶۸	گنہ کے مرض کی دوا چاہیے	سلامی کو خاکِ شفا چاہیے	۳۳
۶۹	پنجتنؑ گر وارِدِ بزمِ عزا ہو جائیں گے	دیدۂ تر مُجرئی! بحر البکا ہو جائیں گے	۳۲
۷۰	جو کہ مصروفِ سلامِ شہداؑ رہتا ہے	گو وہ رہتا نہیں، پَر نام سدا رہتا ہے	۴۵
۷۱	مُجرئی! کہتی تھی صغریٰ یہ، دوا لائے کوئی	خاکِ پا میرے مسیحا کی اُٹھا لائے کوئی	۱۴
۷۲	مُجرائی! شہ کی لاش کو یادِ خدا رہی	قبلے کی سمت صورتِ قبلہ نما رہی	۴۵
۷۳	سر ہا! ہر طرف شورِ بُکا ہے	وداعِ حضرتِ مشکل کشاؑ ہے	۳۹
۷۴	کربلا میں جو، سلامی! شہِ والا آئے	واسطے لڑنے کے، ہر سمت سے اَعدا آئے	۱۵
۷۵	ہر ایک ذرہ کب، اے مُجرئی! احساب میں ہے	کہ سوزِ ماتمِ شبیرؑ، آفتاب میں ہے	۲۹
۷۶	سلامی! ذرہ نہ دوں، آفتاب کے بدلے	نہ لوں میں عرش، درِ بوترابؑ کے بدلے	۴۴
۷۷	بزمِ ماتم میں جو، با چشمِ پُر آب آتا ہے	پیشوا لینے کو، مُجرائی! ثواب آتا ہے	۱۴
۷۸	نبی کو، مُجرئی! غم بے حساب ہوتا ہے	کہ کنبہ فاطمہؑ کا، بے نقاب ہوتا ہے	۲۰
۷۹	جس گھڑی گرمیِ بازارِ قیامت ہو گی	خُلد، اے مُجرئی! ہر اشک کی قیمت ہو گی	۴۸
۸۰	حشر میں جوہریِ اشک، عزادار ملے	مُجرئی! مول میں قصرِ دُرِ شہوار ملے	۴۴
۸۱	مُجرئی! کہتے تھے شہ، حلقِ اکبر کے لیے	ظالمو! پانی دو مجھ کو علی اصغر کے لیے!	۱۸
۸۲	اے مُجرئی! فغانِ حرم عرش پر گئی	پیاسی تڑپ تڑپ کے سکینہؑ جو مر گئی	۳۱
۸۳	کینہ دل، مُجرائی! سروژ میں نہیں ہے	آئینۂ اقلیمِ سکندر میں نہیں ہے	۵۲
۸۴	سلامی! شاہؑ کے غم میں جو اشک بار ہوئے	گُہر سے بھی گہر اشک آبدار ہوئے	۴۵

۸۵	سلامی! ابرِ فلک کیوں نہ اشک بار رہے	غمِ حسینؑ میں جب برق بے قرار رہے	۲۴
۸۶	مُجرائی! لہو کیوں نہ بہے، دیدۂ تر سے	پانی کو، پسرِ ساقیِ کوثرؑ کا، جو ترسے	۱۹
۸۷	مُجرائی! جہاں شہؑ کی تصویر نظر آئی	سر سجدے میں اور سر پر شمشیر نظر آئی	۲۰
۸۸	ہو مُجرائی! نہ خواہشِ اکسیر و زر مجھے	لے جائے بخت، گر درِ شبیرؑ پر مجھے	۱۸
۸۹	غضب، اے مُجرائی! مختار تھے جو کوثر کے	انھیں فلک نے، اُتارا ہے گھاٹ خنجر کے	۱۷
۹۰	اے مُجرائی! بتولؑ عزائے پسر میں ہے	رونے کا شور مرقدِ خیر البشرؐ میں ہے	۱۹
۹۱	ہے شاہؑ کے صدقے میں یہ توقیر ہماری	فردوس ہے، اے مُجرائی! جاگیر ہماری	۱۷
۹۲	سلامی! جب کہ مجھ کو قتلِ سرورؑ یاد آتا ہے	وہ سوکھا حلق و بے آب خنجر یاد آتا ہے	۱۶
۹۳	اُس کو مجرا کہ جو بے کس بھی ہے، دلگیر بھی ہے	قیدیِ ظلم بھی ہے بستۂ زنجیر بھی ہے	۱۷
۹۴	اے مُجرائی! جو اشک مری چشمِ تر میں ہے	ایسا گہر کہاں کسی سلکِ گہر میں ہے	۳۹
۹۵	برگشتہ، سلامی کا مقدر تو نہیں ہے	پر، بے درِ شہؑ دیکھے، یہ باور تو نہیں ہے	۲۰
۹۶	جگرِ چرخ سے جوں تیر گزر کرتا ہے	نالہ، اے مُجرائی! پتھر میں اثر کرتا ہے	۲۲
۹۷	گر رقم، جلوۂ نورِ رخِ سرورؑ ہوئے	ورق، اے مُجرائی! خورشیدِ منوّر ہوئے	۲۳
۹۸	ان میں اے مُجرائی! زینبؑ کے جو دلدار آئے	غُل ہوا: جنسِ شہادت کے خریدار آئے	۱۸
۹۹	پاؤں سجادؑ کا، اے مُجرائی! زنجیر میں ہے	دم گلے میں ہے، گلا طوقِ گلوگیر میں ہے	۲۳
۱۰۰	سلامی! سیر عجب دشتِ کارزار میں ہے	کہ باغِ فاطمہؑ، سب گُل کی بہار میں ہے	۲۵
۱۰۱	مُجرائی! ہوئیں نہ کیوں شہؑ کے جگر کے ٹکڑے	رُو برو ہوئیں جو، اکبرؑ سے، پسر کے ٹکڑے	۱۱
۱۰۲	مُجرائی! شہؑ نے کہا یوں حیدرِ کرار سے:	ہم ہوئے سیراب، آبِ خنجرِ خوں خوار سے	۲۸
۱۰۳	مُجرائی! کہتے تھے سرورؑ، زینبؑ دلگیر سے:	کیا کروں، کچھ بس نہیں چلتا مرا، تقدیر سے	۱۹
۱۰۴	مُجرائی! ہے سوگ وارِ ماہِ حیدرؑ، چاندنی	اشک ہیں شبنم بہا کرتی ہے شب بھر چاندنی	۴۰

"دفترِ ماتم" جلد نمبر ۱۸:

۱۰۵	مُجرائی! بچّے ساقیِ کوثر کے لال کے	کہتے تھے: پانی پانی! زباں میں نکال کے	۲۰

۱۰۶	رمضان، کیوں نہ سلامی کو، محرم ہو جائے	جب کہ در پیش یدُ اللہ کا ماتم ہو جائے	۱۴
۱۰۷	تعریف کی ہے نظمِ رواقِ امامؑ کی	بیت الحرم ہے بیت، ہمارے سلام کی	۲۳
۱۰۸	پیرو، شہؑ بے سر کا، اَزَل سے جو قلم ہے	اس واسطے، مُجرائی! سرِ خامہ قلم ہے	۵۳
۱۰۹	مُجرائی! غلامی میں شہنشاہِ اممؑ کی	رُخ دیکھتا ہے سیر گلستانِ اِرم کی	۱۴
۱۱۰	مدحِ علیؑ میں ہے یہ بلندی کلام کی	عرشِ بریں زمین ہے، ہمارے سلام کی	۵۶
۱۱۱	سلامی! یہ امت کا کیسا ستم ہے	کہ نیزے پہ شبیرؑ کا سر الم ہے	۱۴
۱۱۲	سردارِ وعلم دارؑ کا، مُجرائی کو غم ہے	دل تعزیہ خانہ ہے تو بر آہ علم ہے	۲۹
۱۱۳	صدمے، مُجرائی! عجب شاہِ اممؑ دیکھیں گے	باغِ احمدؐ کو جو آنکھوں سے قلم دیکھیں گے	۷
۱۱۴	گر مرقع میں شبیہِ شہِؑ ذی شاں نکلے	اے سلامی! لبِ تصویر سے افغاں نکلے	۲۳
۱۱۵	دل میں بہارِ داغِ، امامِ زمنؑ رہے	مجرائیوں کو قبر میں سیرِ چمن رہے	۲۲
۱۱۶	مُجرئی! شہؑ کی مصیبت جو بیاں ہوتی ہے	فاطمہؑ سنتی ہے اور اَشک فشاں ہوتی ہے	۲۴
۱۱۷	پڑھوں سلام، محبانِ، پنجتنؑ کے لیے	کہ ایک تحفہ یہ کافی ہے پنجتنؑ کے لیے	۲۶
۱۱۸	السّلام! اے قبلۂ ایماں مرے	بادشاہِ کربلا، سلطاں مرے	۲۷
۱۱۹	وصفِ گلِ زہراؑ میں ہیں رنگیں، سخن ایسے	جنت میں بھی ہوں گے نہ سلامی! چمن ایسے	۲۲
۱۲۰	ٹکڑے، اے مُجرئی! زہراؑ کا چمن ہوتا ہے	مثلِ گُل چاک، پیمبرؐ کا کفن ہوتا ہے	۴۵
۱۲۱	اُس کو مُجرا، نہ جسے خوف تھا شمشیروں سے	تیرِ مژگاں کو بھی جنبش نہ ہوئی تیروں سے	۱۴
۱۲۲	قتلِ شبیرؑ کے تھے، مُجرئی! ساماں کتنے	ایک حلقوم تھا اور خنجرِ بُرّاں کتنے	۱۵
۱۲۳	مُجرئی! گلچینِ قضا شبیرؑ کے گلشن میں ہے	ہر گُلِ باغِ امامت، موت کے دامن میں ہے	۳۳
۱۲۴	مُجرئی! سبطِ نبیؐ جب کہ وطن سے نکلے	جان کیوں فاطمہؑ صغریٰ کی، نہ تن سے نکلے	۲۴
۱۲۵	مُجرئی! مالکِ کوثر کو جو پانی نہ ملے	چشمِ سجّادؑ کو کیوں اشک فشانی نہ ملے	۱۸
۱۲۶	سلامی دو پہر تک، شہؑ کے لشکر کی صفائی ہے	بہتر تن کے اُوپر، لاکھ ظالم کی چڑھائی ہے	۲۲
۱۲۷	قتلِ شبیرؑ کی، اے مُجرئی! تیاری ہے	دیدۂ فاطمہؑ زہراؑ سے لہو جاری ہے	۱۳

۱۲۸	سلامی! شاہ پر شدّت تھی یہ تشنہ دہانی کی	ہوئی تھی گوہرِ نایاب اُن کو، بوند پانی کی	۱۵
۱۲۹	سلامی! اَوجِ فلک پر نہیں یہ تارے ہیں	ہماری آہِ شرر بار کے شرارے ہیں	۲۳
۱۳۰	مُجرئی! یادِ حق ہے یادِ علیؑ	لوحِ دل پر رقم ہے نادِ علیؑ	۲۶
۱۳۱	مُجرئی! ہستی رہے شہؑ اور غم دیکھا کیے	زخمِ تن میں سیرِ گلزارِ ارم دیکھا کیے	۱۳
۱۳۲	انیسویں شب آئی ہے ماہِ صیام کی	ہے شمعِ تربتِ خیرالانامؐ کی	۲۵
۱۳۳	زینبؑ و حالِ تباہش نگرید	گریۂ شام و پگاہش نگرید	۱۲
۱۳۴	درِ شبیرؑ و بجاہش نگرید	سرِ تسلیم گواہش نگرید	۱۵

maablib.org

سلام

۱ سے ۱۳۴ تک ترتیب کے ساتھ

۱

سلام

مسطور اگر کمال ہو، سرِ امامؑ کا
مصرع ہمارا سرو ہو، دارالسّلام کا

حاصل سرِ عمر کو مرصّع کُلاہ، واہ
دردا! سرِ علم، سرِ اطہرؑ امامؑ کا

اَسرارِ طالعِ عمر و حُر کا، وا ہوا
داور کا وہ عدد و ہراوّل امامؑ کا

وہ محرمِ حرم کہ ہو آرامِ دردِ کُل
درد و علم ہو اُس کو دوا و طعام کا

مسطور، حالِ موسمِ سرما ہو کس طرح
سرگرمِ آہ سرد رہا، دل امامؑ کا

صلح و ورع، عطا و کرم، حلم و داد و عدل
واللہ! ہر عمل ہوا اطہر امامؑ کا

اس طرح محوِ حمد رہا، سرورِ اُمم
اعدا کو حوصلہ ہوا، مدحِ امامؑ کا

دردا! لہو امامِ اُمم کا حلال ہو
سہل اس طرح ہو مسئلہ، امرِ حرام کا

ہر سو وہ آمد آمدِ سردارِ دو سرا
اور ہمہمہ وہ اُدہم صَرصَر لگام کا

کہرام مُلک مُلک ہوا، دھوم کوہ کوہ
سوکھا لہو دلِ اسد و گرگ و دام کا

ڈر کر اُدھر کو گم ہوا عمرِ عدو کا ماہ
طالع ہوا ہلال، اِدھر کو، حسام کا

محرومِ گور احمدِؐ مرسل کا لاڈلا
سردارِ دہر، آہ! ولد ہو حرام کا

آرامِ گور کا ہو اگر دل کو مدّعا
ہر سال و ماہ، سوگ رکھا کر امامؑ کا

دردا! دلِ عمر کو ہو آرام اور سُرود
روحِ حرم کو درد ہو، مرگِ امامؑ کا

ہر دم ملا حرم کو، وہ درد و الم کہ آہ
روحِ رسولؐ کو ہوا صدمہ، مدام کا

سروؑ کا مدح گو ہوا، ہر مصرعۂ رسا
"سحرِ حلال" اسم رکھا، اس کلام کا

لامع ہو گر کمال عطاؔرد سرِ سما
مدّاح ہو گا کلکِ عطاؔرد کلام کا

مسطور = (ع) لکھا جائے

مرصّع = (ع) موتی جواہر جڑا ہوا
اطہر = (ع) بہت پاک
داور = (ف) خدا
الم = (ع) غم
ورع = (ع) پرہیزگاری
سرورِ امم = (ع) امتوں کا سردار
ہمہمہ = (ع) گھوڑے کی آواز
اسد = (ع) شیر
ماہ = (ف) مہینا
گور = (ف) قبر
سوگ = (ف) ماتم، غم
مصرعِ رسا = (ف) بلند مصرع

عطاؔرد = دبیرِ فلک، ستارہ

سَرو = (ف) خوبصورت مخروطی درخت جس کو قد سے تشبیہ دیتے ہیں
کُلاہ = (ف) ٹوپی
طالع = (ع) قسمت
ہراول = (ت) آگے کی فوج کا سردار
طعام = (ع) غذا
حلم = (ع) نرم دلی
امرِ حرام = (ع) حرام کا کام
ادہم = (ع) کالا گھوڑا
گرگ = (ف) بھیڑیا
طالع = (ع) طلوع ہونا
دَہر = (ف) دنیا
ازواجِ حرم = (ع) اہلِ بیت
سحرِ حلال = (ع۔ف) فصیح اشعار: دبیر کے جدِ امجد شیرازی کی مشہور مثنوی کا نام
سرِ سما = (ف۔ع) آسمان پر

دارالسّلام = (ع) بہشت

دردا = (ف) افسوس
وا = (ف) کھلنا
محرمِ حرم = (ع) حرم کا رازدار
آہِ سرد = ٹھنڈی ہوا کے ساتھ
داد = (ف) انصاف
دو سرا = (ف) دونوں عالم
صرصر = (ع) آندھی
دام = (ف) چرندے
حسام = (ع) تلوار
حرام کا = حرام زادہ
مُدام = (ع) ہمیشہ
لامع = (ع) چمکنے والا

کلک = (ف) قلم

۲

سلام

مجرئیؔ! گو شہؑ کو وقتِ ذبح غش آیا کیا
نعرۂ اللہ اکبر پر وہ فرمایا کیا

کاٹ کر شہؑ کا گلا دکھلا کے خنجر خوں بھرا
زینبؑ بے کس کو شمر نجس، پٹوایا کیا

جس پہ زہراؑ، بوندیاں پڑنے نہ دیتی تھی کبھی
اس پہ مینہ تیروں کا ابر ظلم، برسایا کیا

لی نہ تو نے بھی خبر، اے ابر رحمت! وا دریغ!
فاطمہؑ کا باغ، بے آبی سے مرجھایا کیا

چشمۂ کوثر لٹائے گا قیامت میں جو، آہ!
لشکرِ ظالم، اسے پانی سے ترسایا، کیا

ہائے! وہ سائل ہوا پانی کا، فوجِ شام سے
جس کے آگے سب زمانہ، ہاتھ پھیلایا کیا

جب تلک پایا سکینہؑ کے نہ مردے نے کفن
لاشۂ عباسؑ بھی دریا پہ تھرایا کیا

صبر کہتے ہیں اسے سجادؑ سب کے سامنے
سر جھکائے، ہاتھوں کو رسّی سے بندھوایا کیا

آلِ احمد کو جو، شیریں نے اڑھائیں چادریں
عابدِ بیمار، کیا غیرت سے شرمایا کیا

کشتگانِ کربلا کی جاں نثاری، جب سنی
جس کو تھی الفت پیغمبرؐ سے، وہ پچھتایا کیا

فاتحہ اس کا، نہ دنیا میں ہوا، چالیس دن
میوہ جس کے واسطے، روح الامیں، لایا کیا

قید میں زینبؑ جو تھی، اس کی تسلی کو مدام
خواب میں ہر شب، علیؑ کا لاڈلا آیا کیا

سینۂ شبیرؑ پر، بیٹھا رہا، جب تک شقی
گنبدِ قبرِ رسولؐ اللہ، تھرّایا کیا

بے کسی مسلم کی ہے، رونے کی قابل مومنو
طائروں نے بھی نہ جس کی، لاش پر سایا کیا

جب فرنگی شاہؑ پر صدقے ہوا، تو دیر تک
شیرِ حق اپنے گلے سے، اس کو لپٹایا کیا

پاک کر دے گا وہ تجھ کو، معصیت سے، اے دبیرؔ!
جس پر نازل، حق نے ہے، تطہیر کا آیا کیا

۳

سلام

غم شہؑ سے ہے داغ، سینہ ہمارا
سلامی! قمر ہے نگینہ ہمارا

پے داغِ، مولاؑ ہے سینہ ہمارا
یہ خاتم ہے اور وہ نگینہ ہمارا

تجلّی ہے داغ غم پنجتنؑ کی
نہ کیوں طورِ سینا ہو، سینہ ہمارا

چلے شہ تو روحِ پیغمبرؐ پکاری
ہوا بے چراغ اب، مدینہ ہمارا

کہا شاہؑ نے: اتنا تڑپو نہ اکبرؑ!
وہ بولے کہ زخمی ہے سینہ ہمارا

قطعہ

علیؑ کو خبر دی نبیؐ نے کہ مدفن
نجف ہے تمھارا، مدینہ ہمارا

مگر کربلا وہ زمیں ہے کہ سارا
وہیں دفن ہوگا، خزینہ ہمارا

ہوا موج زن، جوشِ غم کے جو کوثر
علیؑ بولے: ڈوبا سفینہ ہمارا

کہا شہؑ نے، ہاتھوں کی پڑھ کر لکیریں:
تو ماتم کرے گی، سکینہ! ہمارا

دمِ کوچ سن کر فغاں، بولے سرورؑ:
یہ روتا ہے ہم پر، مدینہ ہمارا

ہوا غش، جو گنجِ شہیداں میں قاصد
کہا شہؑ نے: دیکھا خزینہ ہمارا

قطعہ

یہ نازاں ہوئے، دوشِ احمدؐ پہ سرورؑ
شرف دیکھو! اہلِ مدینہ! ہمارا

گواہی دی مہرِ نبوّت نے حقا
یہ نامِ خدا، ہے نگینہ ہمارا

کہا شاہؑ نے: پاؤں رکھیو سمجھ کر!
پیمبرؐ کا سینہ، ہے سینہ ہمارا

عمر سے یہ فرمایا شہؑ نے، کہ بتلا!
نہیں جد ہے، شاہِ مدینہ، ہمارا؟

جناں گھر، ملک پاسباں، عرش کرسی
فلک، منبرِ ہفت زینہ ہمارا

تو باطل کا خواہاں ہے، ہم حق کے طالب
وہ شیوہ ترا، یہ قرینہ ہمارا

ہمیں فقر و فاقہ، تجھے زر مبارک
یہ دولت تری، وہ خزینہ ہمارا

کیا دو پہر میں، گھر احمدؐ کا خالی
بھرا تھا ترے دل میں، کینہ ہمارا

یقین ہے کہ آلِ نبیؐ، بے ردا ہوں
کہ دشمن ہے، تجھ سا کمینہ، ہمارا

ہوئے خلق حیدرؑ تو کعبہ پکارا
کہ بالکل تہی ہے، خزینہ ہمارا

قطعہ

کہا ہندنے: تم میں یثرب کی بُو ہے
اسیرو! دھڑکتا ہے سینہ ہمارا

پکارے حرم: اب تو پھرتے ہیں در در
وطن تھا کبھی، ہاں! مدینہ، ہمارا

صدا روز عاشور کہتی تھیں ہوئیں
لٹا تھا اس دن خزینہ ہمارا

دبیرؔ! اہلِ انصاف، شاہد ہیں اس کے
سخن میں نیا ہے، قرینہ ہمارا

maablib.org

۴

سلام

ولائے علیؑ ہے خزینہ ہمارا
دفینہ ہے، مجرائی! سینہ ہمارا

دمِ کوچ، اِک اک سے کہتے تھے حضرت
چھٹا ہم سے بس اب، مدینہ ہمارا

صدا آتی ہے رستے میں، سرِ شہؑ کے
بہت غم نہ کھاؤ! سکینہؑ! ہمارا

قطعہ

عجب یاس سے بولے اکبر کہ امّاں!
نہیں قابلِ بخیہ سینہ ہمارا

جو فرصت ہو فدوی کے ماتم سے تم کو
کفن ہاتھ سے اپنے سینہ ہمارا

صدا دی دلِ شہؑ نے، اے شمر اتر تو
پیمبرؐ کا سینہ، ہے سینہ ہمارا

کہا حلق نے: شیرِ زہراؑ پیا ہے
سمجھ کر، لہو، تیغ پینا ہمارا

کہا ماں نے زنداں میں: سو جاؤ! واری!
ہے آغوش حاضر، سکینہؑ! ہمارا

صدائے حسیں آئی نیند آئے کیوں کر
کہ آنکھوں میں پھرتا ہے سینہ ہمارا

کہا بانو نے ڈھونڈیے لاشِ اکبرؑ
شہاؑ! غم سے گھائل ہے، سینہ ہمارا

وہ بولے: دکھائی نہیں دیتا رستہ
ہے اللہ، دانا و بینا ہمارا

کہا شہؑ نے عباسؑ دم توڑتے ہو
اب اک دم بھی مشکل ہے، جینا ہمارا

ندا قبرِ زہراؑ سے آئی: دہائی!
یہ، دو داغ رکھتا ہے، سینا ہمارا

کیا باغیوں نے قلم، اک چمن کو
اور اِک باغ یثرب میں، چھینا ہمارا

وصیت ہے شہ کی، کہ جی بھر کے رونا
محرّم ہے، شیعو! مہینا ہمارا

نیا مرثیہ نظم ہوتا ہے ہر ماہ
دبیرؔ! اس کو سمجھ تُو، مہینا ہمارا

۵

سلام

مجرائی! گرم نالہ، جو وقتِ بکا ہوا
آنسو پسند مجرِ داغِ عزا ہوا

مجرائی! حر جو شاہِ اُممؑ پر فدا ہوا
ممنون پنجتنؑ ہوئے، راضی خدا ہوا

لُوٹا یہ باغیوں نے، طلوعِ سحر سے، آہ!
برباد ظہر تک، چمنِ مرتضیٰؑ، ہوا

ہیہات! دونوں ہاتھ بندھے ریسمان سے
یوں دستگیر، نائبِ مشکل کشا ہوا

قاسمؑ کی والدہ نے کہا جائے شکر ہے
فضلِ خدا سے لال مرا، کتخدا ہوا

اکبرؑ جو آئے رَن میں تو، سب کی زباں پر
جاری ادب سے، کلمۂ صلِّ علیٰ ہوا

قطعہ

اللہ رے دبدبہ! کہ نہ کھنچتی تھی تیغِ فتح
بسمل، ہر اِک دلیرِ عرب تھا پڑا ہوا

سب نے کہا کہ مانگو پنہ اس کے قرب سے
نازل انھی کے جدّ کے لیے لا فتیٰ ہوا

گر مشرقِ نیام سے نکلے گی صبحِ تیغ
پھر دیکھنا کہ شام کا لشکر فنا ہوا

پُرسے کی جا، یزید نے، عابدؑ سے یہ کہا
شکرِ خدا! پدر کا ترے سر جدا ہوا

بانو یہ بین کرتی تھی، اصغرؑ کی یاد میں
گم کس طرف تُو، اے مرے یوسف لقا! ہوا

اکبرؑ کی لاش خیمے میں لائے جو شاہِ دیں
گھر میں شفیعِ حشر کے، محشر بپا ہوا

کاٹوں گا بے دریغ، گلوے امامؑ کو
کہتا تھا شمر، سینۂ شہؑ پر چڑھا ہوا

سر ہو گیا جدا، تو کہا شہؑ کی لاش نے
شکرِ خدا! کہ وعدے سے بندہ ادا ہوا

مر کر سوے بہشت نہ دیکھوں گا اے دبیرؔ!
لطفِ خدا سے گر، سفرِ کربلا ہوا

۶

سلام

مُجرا اسے مدام، جو راہِ رضا میں تھا
خنجر تھا جب گلے پہ، وہ شکرِ خدا میں تھا

عابدؑ نے دفن کرکے شہیدوں کو، یہ کہا
حصہ نہ اس مریض کا، خاکِ شفا میں تھا

پیاروں کی موت، گھر کی تباہی، عطش کی دھوم
کیا شاہؑ پر وفورِ بلا، کربلا میں تھا

شربت بھی بھیجا، مُشکیں بھی قاتل کی کھول دیں
یہ فیضِ خاص، حصہ مشکل کشاؑ میں تھا

عباسؑ نے بھی خوب نبھائی، حسینؑ سے
جو عشق اِبتدا میں، وہی اِنتہا میں تھا

دربار میں، یزید نے جس دِن طلب کیا
کیا، دل نبیؐ کے آل کا، خوف و رجا میں تھا

کوفہ کو جب حسینؑ چلے، پڑھ کے فاتحہ
رونے کا شور، مرقدِ خیرالورا میں تھا

قطعہ

مِل کر گلے سکینہؑ کے، صغراؑ نے یہ کہا
یہ تو میں سمجھی، تم پہ ستم، کربلا میں تھا

یہ کیا، مرے گلے سے، نہ پانی اترتا تھا
مجھ پر عجیب سانحہ، ماہِ عزا میں تھا

رو کر وہ بولی ہائے! محرّم ہی میں بہن
ہفتم سے، قحط پانی کا، آلِ عبا میں تھا

ناداری بتولؑ پہ، ہوتا ہے ٹکڑے دل
پیوند، آہ! یک رطب کا رِدا میں تھا

عابدؑ کو غم یہی تھا کہ بابا ہیں بے کفن
دل حسرتِ شفا میں، نہ جگرِ دوا میں تھا

سینے پہ شہؑ کے شمر چڑھا، ہائے! کس گھڑی
جب سر، کنارِ حضرتِ خیرالنسا میں تھا

اے چرخ! کیوں حسینؑ کا خیمہ اُٹھا دیا
دریا تو مہرِ حضرتِ خیرالنسا میں تھا

پانی دیا کسی نے نہ، اصغرؑ کو، بوند بھر
کیا رحم دل، نہ ایک بھی، اہلِ وغا میں تھا

کافر نہ اس طرف تھا، بجز سارباں، کوئی
مومن، سوائے حُر، نہ کوئی، اشقیا میں تھا

افسوس! اے دبیرؔ! نہ طالع رسا ہوئے
دل اِس برس بھی، آرزوے کربلا میں تھا

۷

سلام

مُجرئی! موسمِ عزا آیا
ماتمِ شاہِؑ کربلا آیا

شور تھا، وقتِ آمدِ اکبرؑ
دیکھو! ہم شکلِ مصطفیٰؐ آیا

بولے شامی ہے زلف، سورہ قدر
رُخ ہے قرآن، نور کا آیا

نزع میں شہؑ سے کہتے تھے نوشاہ
زور، اَعدا کو، میں دِکھا آیا

ہو کے رخصت جو شاہؑ سے عباسؑ
صفِ روبہ پہ، شیر سا آیا

ناریوں کو لبِ فرات تلک
سرد کرتا ہوا، چلا آیا

کیا قیامت ہے، رُو بہ روئے یزید
کنبہ زہراؑ کا بے رِدا آیا

جا کے بولا عمر سے ابن نمیر
شکل احمد کی، میں مٹا آیا

قطعہ

لاش اکبرؑ پہ کہتی تھی زینبؑ
کھا کے برچھی، تو دلربا آیا

غسلِ میت کی اب نہیں حاجت
خون میں اپنے، تو نہا آیا

بولے نانا سے خُلد میں شبیرؑ
کلمہ گویوں کو بخشوا آیا

لاش شہؑ کہتی تھی شتربان سے
رحم تجھ کو نہ، بے حیا! آیا

ہاتھ کاٹے، جو بعد ذبح، مرے
اے شقی! ہاتھ تیرے کیا آیا

جب دکھایا علیؑ نے زور اپنا
یاد، ہر بندے کو، خدا آیا

سب سے، زنداں میں، کہتے تھے سجادؑ
قبر بابا کی، میں بنا آیا

بے کفن، خاک پر پڑا تھا بدن
تن سے، سر شاہ کا، ملا آیا

لپٹی زینبؑ جو لاشِ سرورؑ سے
لرزے میں، عرشِ کبریا آیا

بارگاہِ خدا میں سرورؑ کا
تن جدا آیا، سر جدا آیا

یہ خبر دی کسی نے، صغرآؑ کو
لشکرِ شاہِ کربلا آیا

بولی نانی سے: لو مبارک ہو
بی بی! فرزندِ مرتضیٰؑ آیا

بولی اصغرؑ سے خُلد میں، زہرآؑ
کیا گیا تُو، جہاں میں کیا آیا

قافلہ لے کے درمیانِ وطن
جبکہ بیمارِ کربلا آیا

پوچھا صغراؑ نے کیا سبب اس کا
نہ پدر آئے نے چچا آیا

ننھا بھائی مرا تو خیر سے ہے
کیوں نہ گھر میں وہ مہ لقا آیا

بولے سجادؑ لٹ گئے سجادؑ
یک بیک لشکرِ قضا آیا

نہ ستارے رہے، نہ شمس و قمر
سب کو میں خاک میں ملا آیا

راہِ حق میں جنابِ حیدرؑ نے
وہ عطا کی کہ ہلاتا آیا

اُمِّ سلماؑ کے خواب میں اک شب
یوں شہنشاہِ انبیا آیا

ہاتھ دونوں بھرے تھے خاک سے، آہ!
دھیان ان کو حسینؑ کا آیا

رو کے پوچھا تو مصطفیٰؐ نے کہا
قبر پیارے کی میں بنا آیا

شام سے دشتِ کربلا کے قرین
جبکہ ناموسِ مصطفیٰؐ آیا

آئی عابد کو بوے خونِ حسینؑ
لب پہ نوحہ یہ برملا، آیا

اُونٹ سے اترو، اے پھوپھی زینبؑ!
مقتلِ شاہِ کربلا آیا

غُل ہو، گر کربلا میں جائے دبیرؔ:
شاعرِ آلِ مصطفیٰؐ آیا

maablib.org

۸

سلام

عیساں کی چشم، گر غمِ سرورؑ میں تر نہ ہو
مجرائی! قطرہ لاکھ برس تک گُہر نہ ہو

قاتل سے شاہؑ کہتے تھے: کر ذبح جلد جلد!
ظالم! میری بہن کو کہیں یہ خبر نہ ہو

کہتی تھی رو کے ہند کی بیٹی، سکینہؑ سے:
بھینا! تمھارے سِن میں کوئی بے پدر نہ ہو

اکبرؑ سے بولے شاہؑ: نکالوں میں کس طرح
نیزے کی نوک میں کہیں، تیرا جگر نہ ہو

کٹ کر گلوے شاہؑ نے یہ شِمر سے کہا:
اَب بھی پلا دے پانی، گناہ کچھ اگر نہ ہو

لکھا قضا نے، شاہؑ کی قسمت میں آبِ تیغ
یعنی گلوے خشک، کسی طرح تر نہ ہو

عیساں: وہ بارش جس کے قطرات سے موتی بنتے ہیں/قضا: تقدیر

کہتی تھی بانوؔ: تیر گلے سے نکال لوں
اصغرؑ! تمھاری روح کو صدمہ اگر نہ ہو

کوفے گئی، دمشق گئی، شام میں گئی
زینبؑ کی طرح سے تو کوئی دَر بدر نہ ہو

کہتے تھے شہؑ کفن نہ ملے، مجھ کو ہے قبول
یارب! بہن حسینؑ کی، پر ننگے سر نہ ہو

کانٹا اُٹھا کے پاؤں میں عابدؑ نے رکھ لیا
تا، اَور راہ گیروں کو اُس سے ضرر نہ ہو

تھی شہؑ کی یہ دعا: نہ چلے تیغ حلق پر
جب تک مرا، بتولؑ کی گودی میں سر نہ ہو

کہتے تھے اپنے حالِ پریشاں پہ اہلِ بیتؑ:
پردیس میں حقیر، کوئی اِس قدر نہ ہو

سر پیٹنے کی جا ہے کہ کہتے تھے اہلِ ظلم:
لاشے پہ شاہِ دیں کے، کوئی نوحہ گر نہ ہو

آنکھوں سے اب تُو چل! درِ سرورؑ پہ اے دبیرؔ!
ابتر جوارِ ہند میں، مثلِ نظر نہ ہو

راہ گیر: مسافر/ضرر: نقصان/ابتر: خراب، بدحال

۹

سلام

اے سلامی! دلِ شبیرؑ میں ہے گھر میرا
خلد مسکن ہے مرا، حصّہ ہے کوثر میرا

شہؑ کو اک رات کی مہلت جو ملی، بولا شمر:
تم پہ احساں ہے یہ، اے بسطِ پیمبرؐ! میرا

جاؤ! اس شب کو عزیزوں کے گلے سے مل لو!
کل گلا آپ کا ہے اور یہ خنجر میرا

شاہؑ کہتے تھے کہ کیا تیر عدو نے مارا
کہ نہ اک بار بھی تڑپا علی اصغرؑ میرا

شمر سے بولی سکینہؑ کہ طمانچے نہ لگا
پھوپھی زینبؑ سے اُتروا لے تُو گوہر میرا

ہاتھ بندھوا کے رسن میں، یہ کہا کبراؑ نے:
کیوں فلک؟ تھا یہی کیا بیاہ کا زیور میرا

لبِ دریا پہ لرز جاتی تھی عباسؑ کی لاش
رو کے شہؑ کہتے تھے جب: ہائے! برادر میرا!

شمر کہتا تھا کہ یہ خشک تھا حلقومِ حسینؑ
ذبح کے وقت جو رُک رُک گیا خنجر میرا

قطعہ

دخترِ ہند سے کہتی تھی سکینہؑ رو کر:
اے بہن! ڈھانک نہ چادر سے ابھی سر میرا

کفن اصغرؑ کو میں پہنا کے رِدا اُوڑھوں گی
بے کفن ہے ابھی، شش ماہہ برادر میرا

شمر سینے پہ چڑھا شاہؑ کے یہ کہتا ہوا:
کب سے اس حلق کا مشتاق تھا خنجر میرا

شہؑ نے لاشوں کو دِکھا کر یہ کہا قاصد سے:
میں حسینؑ ابنِ علی ہوں یہ ہے لشکر میرا

بانُوؑ کہتی تھی کہ ساتھ ان کے مجھے دفن کرو
لوگو! تربت میں ڈرے گا علی اصغرؑ میرا

شاہؑ کہتے تھے: نہیں بخت میں آبِ دریا
آج کا روزہ کھلے گا لبِ کوثر میرا

کہتی تھی فاطمہؑ: یہ ظلم نیا ہے یا ربّ!
ذبح ہوتا ہے مری گود میں دلبر میرا

شاہؑ کہتے تھے کہ بخشش ہو گنہ گاروں کی
خوں بہا ہے یہی، یا ربّ! دمِ محشر میرا

گوہر: موتی رنجت: قسمت ر خوں بہا: قصاص

۱۰

سلام

نانا نے جس کے مجرئی شق القمر کیا
مثل قمر اُسے شفقِ خوں میں تر کیا

ہمراہ شہؑ کے مجرئی جس نے سفر کیا
گھر تو چھٹا پہ فاطمہؑ کے دل میں گھر کیا

قتل حسینؑ کی جو خبر نامہ بر نے دی
صغرا کو اس خبر نے بہت بے خبر کیا

کس دل میں الفت پسر مرتضٰی نہیں
گھر کو لٹا کے شہؑ نے ہر اک دل میں گھر کیا

کہتا تھا شمر میرے کلیجے کو دیکھنا
میں نے بزیر تیغ نبیؐ کا جگر کیا

یہ ظلم کیا ہے ظلم تو یہ ہے کہ خیمے میں
مشکل کشا کی بیٹیوں کو ننگے سر کیا

مارا طمانچہ کان کو چیرا گہر لیا
بے رحم نے سکینہؑ ظلم اس قدر کیا

برسے جو ابر لاکھ برس اب حصول کیا
اس نے لب حسینؑ تو رن میں نہ تر کیا

وقتِ زوال آتے ہی بس آ گیا زوال
تاراج باغ فاطمہؑ کا دوپہر کیا

پنجاہ و پنج سال سکینہؑ تری حیات
پر زندگی کو باپ کے غم بسر کیا

گر پوچھتا تھا کوئی کہ کیا سن تھا آپ کا
برباد جب لعینوں نے زہراؑ کا گھر کیا

کہتی تھی رو کے وہ کہ مجھے خوب یاد ہے
جو تھا برس تھا جبکہ مجھے بے پدر کیا

پردیس میں فلک نے پیمبرؐ کی آلؑ کو
قیدی کیا اسیر کیا در بدر کیا

بیمار کے قدم پہ ورم تھا فلک بتا
زین العبا نے شام کا کیونکر سفر کیا

سیّد تھا بے گناہ تھا مظلوم تھا حسینؑ
امت نے اس کے خوں سے نہ مطلق حذر کیا

باچھوں میں دودھ گلے میں، جھنڈلے بال
اصغرؑ نے یوں بہشت بریں کا سفر کیا

باندھا رسن سے بازوئے زینبؑ کو شمر نے
کچھ آہ فاطمہؑ کا نہ ظالم نے ڈر کیا

اکبرؑ کے بعد کہتے تھے کفار سے حسینؑ
دیکھو تو تم نے مجھ پہ ستم کس قدر کیا

فرزند کس کا مارا تھا میں نے جو تم نے آہ
اٹھارہ سال کا مرا ٹکڑے پسر کیا

مدت سے آرزو ہے پر افسوس اے دبیرؔ
اب تک نہ ہم نے شاہؑ کے در پر گزر کیا

زندان شام میں حرم شہؑ نے اے دبیرؔ
نوحہ غم حسینؑ سے شام و سحر کیا

۱۱

سلام

اے مُجرئی! تُو حر کے مقدر کو دیکھنا
سر اُس کا، اور زانوے سرورؑ کو دیکھنا

مُجرائی! بوسہ گاہِ پیمبرؐ کو دیکھنا
اور شمرِ بد خصال کے خنجر کو دیکھنا

مُجرائی! ظلمِ چرخِ ستم گر کو دیکھنا
بلوے کو اور آلِ پیمبرؐ کو دیکھنا

کہتا تھا شمر روتا ہوں، آتا ہے جبکہ یاد
وہ بے کسی سے، شاہؑ کا خنجر کو دیکھنا

شہؑ بولے: شوقِ مرگ ہے، سنِ شباب میں
اِس آرزو کو، اور علی اکبرؑ کو دیکھنا

دو کام تھے مدینے میں، صغرا کی چشم میں
یا رونا شہؑ کی یاد میں، مادر کو دیکھنا

قطعہ

کہتی تھی بانو شہؑ سے، جب اکبرؑ تھے شیر خوار:
کیا پیاری شکل ہے، مرے دلبر کو دیکھنا

فرماتے تھے حسینؑ کہ ہو گے بہارِ عمر
اٹھارویں برس علی اکبرؑ کو دیکھنا

عباسؑ نامور کو علم دے کے بولے شاہؑ
اے دوستو! حسینؑ کے جعفر کو دیکھنا

گہ شام و کوفہ میں، تو گہے ملکِ شام میں
آوارگیِ آلِ پیمبرؐ کو دیکھنا

صغراؑ سے بولے شہؑ کہ ہمیں صبر کیجیو
جنبش میں جب ضریحِ پیغمبر کو دیکھنا

کہتی تھی بانو: گنجِ شہیداں میں سوتے ہیں
اے لوگو! ہمتِ علی اصغرؑ کو دیکھنا

زینبؑ پکاری: شیرِ خدا کی میں جائی ہوں
اے شمر! چشمِ بد سے نہ چادر کو دیکھنا

لاشیں دکھا کے کہتے تھے زہراؑ سے جبرئیلؑ:
کیسا لُٹا ہے، گلشنِ حیدر کو دیکھنا

برچھی ہے اِس کے سینے میں، اُس کے گلے میں تیر
اکبرؑ کو دیکھنا، علی اصغرؑ کو دیکھنا

سیراب اہلِ کوفہ، نبی زادہ تشنہ لب
برگشتگیِ چشمِ ستم گر کو دیکھنا

فرماتے تھے حسینؑ کہ کیا کیا جوان ہیں
زینبؑ! قلیل سے مرے لشکر کو دیکھنا

سیرِ بہشت جانیو تُو اُس کو، اے دبیرؔ!
گر شاہؑ کی ضریحِ منوّر کو دیکھنا

سلام

سلامی خاک ہوا، خاک سے غبار ہوا
ابوترابؑ کی تُربت پہ یوں نثار ہوا

ہجومِ غم میں، سلامی! جو اشک بار ہوا
ہر ایک تارِ مژہ، موتیوں کا ہار ہوا

سلام اُس پہ، رہِ حق میں جو نثار ہوا
جدا بدن سے ہوا سر، تو وصلِ یار ہوا

قطعہ

پدر کو خواب میں، صغرأ نے اس طرح دیکھا
کمر خمیدہ بدن ہے نحیف و زار ہوا

پکاری کب سے جھکی ہے کمر، تو رو کے کہا
شہید جب سے کہ عباسؑ نامدار، ہوا

گلے میں باپ کے، باہیں تھیں لاشِ اصغرؑ کی
خزاں ہوا جو وہ گل، تو گلے کا ہار ہوا

حسینؑ جب ہوئے پیدا تو یہ ندا آئی
کہ تھا جو پردۂ قدرت میں، آشکار ہوا

بلند کیوں نہ ہوا آفتابِ محشر، آہ!
علیؑ کے لال کا، نیزے پہ سر سوار ہوا

کھلے ہیں دیدۂ صغریٰ ہنوز، بہر حسینؑ
مزار میں بھی نہ موقوف انتظار ہوا

سر حسینؑ نے کٹ کر کہا یہ قاتل سے
میں رستگار ہوا، تو گنہ گار ہوا

گئی جو کوفے میں سر ننگے، دخترِ زہراؑ
نجف میں، مرقدِ حیدر کو اضطرار ہوا

بتولؑ، سینہ و سر اپنا پیٹتی نکلی
لعیں جو سینہ شبیرؑ پہ سوار ہوا

گلا بندھا جو رسن میں، تو خوش ہوئے عابدؑ
کہ حق کے شیر کا میں آج ورثہ دار ہوا

یہ بھوک پیاس کی مرغوب سیّدالشہداؑ
کہ چھے مہینے کا سن تھا، جو روزہ دار ہوا

ہوئی نہ شمع میسر، جو شہؑ کی تُربت کو
تو داغِ دل، چراغِ سرِ مزار ہوا

کٹا کے ہاتھ لب نہر، کہتے تھے عباسؑ
الٰہی! شکر! میں دریائے غم سے پار ہوا

قطعہ

یہ پوچھا حضرت ام البنینؑ نے قاصد سے
مرے پسر کا بتا، کیا مآل کار ہوا

وہ بولا سجدۂ شکرِ خدا کر! اے بی بی
سرِ حسینؑ پہ، بیٹا ترا نثار ہوا

دبیرؔ! سبطِ رسولؐ خدا کے صدقے سے
ترا سلام یہ، نایابِ روزگار ہوا

۱۳

سلام

ہوئے جو مُجرئی! سلطانِ بحر و بر پیدا
کہا فلک نے زمیں کا ہوا قمر پیدا

سلامی! اشک میں، ہے تابش گہر پیدا
یہ رفتہ رفتہ، کیا چشم نے اثر پیدا

چھپا زمین میں، ہے ہے! مہِ بنی ہاشم
فلک پہ کس لیے ہوتا ہے اَب، قمر پیدا

دعائے فاطمہؑ تھی یہ، شبِ شہادت کو
الٰہی! حشر تلک، ہو نہ اب سحر پیدا

حسینؑ کہتے تھے سب راہِ حق میں کٹوا دوں
برنگِ شمع جو کٹ کٹ کے ہوئیں سر پیدا

لگا جو سینۂ اکبرؑ میں نیزہ، شہؑ بولے
ہوا تھا واسطے برچھی کے، یہ جگر، پیدا

ہوا جو شہؑ کے قریں، قہرِ حق سے دور ہوا
تمام ہو گئے فطرس اس کے بال و پر پیدا

بنا بنائے لحد شہؑ کی پیٹتی تھی بتولؑ
صدائے نوحہ رہی رن میں، رات بھر پیدا

قطعہ

کہا یہ شہؑ نے لعینوں سے ہے خدا قادر
کیا ہے حضرتِ عیسیٰؑ کو، بے پدر پیدا

اسی کی دی ہوئی قدرت پہ ہے کہوں تو ہو
زمین خشک سے کوثر و چشم تر پیدا

شہید ہو پسر نوجوان جب، شہؑ کا
خمیدگی نہ کرے کس طرح، کمر پیدا

دکھا کے نیزے کے پھل، شہؑ نے یہ نبیؐ سے کہا
ہوئے ہیں نخل جوانی میں، کیا ثمر پیدا

چمن کو آب، جو اشکِ غمِ حسینؑ سے دو
سوائے لختِ جگر، ہوں نہ پھر ثمر پیدا

حسینؑ امام سا بے کس، ازل سے آج تلک
ہوا ہے کوئی، نہ ہو گا کوئی بشر پیدا

ہوا جو خاتمۂ پنجتنؑ ملک بولے
الٰہی! آج ہی دنیا میں کر حشر پیدا

رکھی جو گردن عابدؑ پہ تیغ ظالم نے
تو سامنے سے ہوئے سیّدالبشر پیدا

کہا: نہ کاٹ گلا! جانشینِ احمدؐ کا
مقام اپنا جہنم میں تو نہ کر پیدا

پدر کی لاش پہ سجادؑ یاں تلک پیٹے
ہوا، بخار میں بےکس کو، دردِ سر پیدا

شبِ شہادتِ، شبیرؑ کا نہ منہ دیکھا
ہوئے فلک پہ ستارے، نہ رات بھر پیدا

سرِ بتولؑ ہے اب تک کھلا، غم شہؑ سے
نہ کیوں فلک پہ ہو، خورشید ننگے سر پیدا

سرِ حسینؑ سے سجادؑ نے کہا، رو رو:
کیا ہے راہ کی ایذا نے دردِ سر پیدا

کبھی رسن میں، کبھی طوق میں، کبھی تپ میں
ہوا ہے بندہ اسی واسطے مگر پیدا

جو دیکھتا قدِ اکبرؑ، وہ یہ بیاں کرتا
نشانِ صنعِ الٰہی ہیں سربسر پیدا

شکستہ، گوہرِ دندانِ مصطفیٰؐ، جو ہوا
تو سوزِ غم سے ہوئے سنگ میں شرر پیدا

سکینہؑ کہتی تھی: بابا کا خوں بہا مانگوں
اگر جہاں میں ہو کوئی دادگر پیدا

عجب نہیں ہے، اگر شہؑ کے سوزِ غم سے، دبیرؔ
مرے مزار سے، جوں سبزہ، ہوں شرر پیدا

۱۴

سلام

دل پہ میرے زخم ہے، مجرائی! اُس تلوار کا
جس سے سر زخمی ہوا ہے حیدرِ کرّار کا

اے سلامی! دیکھ رتبہ حیدرِؑ کرار کا
ہاتھ ہے غفار کا ، سر احمدِؐ مختار کا

نحس ۔ ماہِ مبارک میں، کیا خون علیؑ
مٹ گیا نام و نشاں، سادات کی سرکار کا

عید سے نو روز پہلے، شیعوں کو محزوں کیا
ظلم تازہ دیکھو، ابنِ ملجم خوں خوار کا

بے ادب نے عین سجدے میں، حضورِ ذوالجلال
خون مسجد میں بہایا، قبلۂ ابرار کا

مومنوں کے سر سے اُٹھتے ہیں، امیرِ مومناں
سر کھلا ہے سوگ میں ہر شیعۂ دیں دار کا

دست ماتم سے نہ کیوں شیعوں کے ہوں، سینے فگار
ہو گیا بازو شکستہ، احمدِؐ مختار کا

ہائے حیدرؑ کہہ کے، سینے پیٹتے ہیں حیدری
نعرہ یہ گھر گھر ہے، احمدؐ کے علم بردار کا

بدلے آبِ تیغ کے، جلّاد کو شربت دیا
وقت جب دیکھا سخی نے، روزے کے افطار کا

وا علیاؑ! وا علیاؑ! وا علیاؑ! وا علیؑ!
آج کل یہ ورد ہے، زہرؑا جگر افگار کا

خون سر سے، ریش اس کی، روسیہ نے سرخ کی
جس کا نقشِ پا تھا، طرّہ عرش کی دستار کا

قطعہ

ہے روایت جب کہ مسجد سے علیؑ کو لے چلے
تھا درِ دولت پہ مجمع عترتِ اطہار کا

آ کے رستے میں، کہا حیدرؑ سے یہ جبریلؑ نے
ہل رہا ہے عرشِ اعظم، حضرتِ غفّار کا

ننگے سر روتی ہیں در پر دخترانِ فاطمہؑ
سنتے ہیں رہ گیر، نالہ، زینبؑ ناچار کا

سن کے یہ بولے علیؑ: ہاں! جلد جاؤ! اے حسنؑ!
واسطہ دو سب کو، روحِ احمدِؐ مختار کا

ایک دن تھا یہ ادب، اور ایک دن تھا یہ غضب!
پھرتا تھا بلوے میں کنبہ، حیدرِؑ کرّار کا

اُونٹ پر سر ننگے زینبؑ، اُور سناں پر شہؑ کا سر
طوق آہن میں گلا تھا، عابدِؑ بیمار کا

گردشِ مہ آسماں سے، کیا شش و پنج، اے دبیرؔ!
ہے دو عالم میں وسیلہ، ہم کو ہشت و چار کا

۱۵

سلام

مُجرئی! کیا حوصلہ تھا اصغرِؑ بے شِیر کا
ہنس دیا، جب حلق پر ناوک لگا بے پِیر کا

دیکھ کر لب خشک، ہر دَم غنچۂ تصویر کا
یاد آتا ہے سلامی کو، گلا شبیرؑ کا

گر لکھوں حال، اے سلامی! طاعتِ شبیرؑ کا
ہو صریرِ خامہ سے نعرہ عیاں، تکبیر کا

ہائے! اصغرؑ کا گلا اور تیرِ ظالم، اے فلک!
پائے زین العابدینؑ اور سلسلہ زنجیر کا

شاہؑ کہتے تھے نہیں پانی کے ملنے کا اَلَم
اب تلک منہ میں مزہ ہے، فاطمہؑ کے شِیر کا

کہتے تھے عابدؑ جو سکھلاؤں اسے اندازِ صبر
نالہ، حلقے سے نہ باہر ہو کبھی، زنجیر کا

عرشِ حق ہلنے لگا جس دم، تو بولے جبرئیلؑ
اثر فاطمہؑ کی آ ُ تاثیر کا

پھول اُس جا پر کہاں ہے، جُز گلِ زخمِ بدن
قبر پر اصغرؑ کے، شہؑ نے رکھ دیا، پھل تیر کا

گہ نظر تھی سوے خیمہ، گہ سوے محرابِ تیغ
ہر طرح سوے حرم ہی، منھ رہا شبیرؑ کا

قطعہ

شہؑ نے قاصد سے کہا کہہ دیجیو صغراؑ سے تُو
کٹ گیا پیاسا گلا، میدان میں شبیرؑ کا

رکھیو میرے نام پر! اے بیٹی! پانی کی سبیل
نام پر اصغرؑ کے، پلوانا تُو، کوزہ شیر کا

شمر نے پوچھا کہ کیوں، لب آپ کے جنبش میں ہیں
شہؑ نے فرمایا: مزا لیتا ہوں میں، شمشیر کا

ہونٹ اصغرؑ کے ہلے، کھا تیر، تو شہؑ نے کہا
کیا تم، اے پیارے! مزہ لیتے ہو آبِ تیر کا

سر جھکا کر زیرِ خنجر، بولے شہؑ، پڑھتے نماز
ہے کھڑا بالیں پہ قاتل، وقت ہے تکبیر کا

ہو گیا جب، کربلا میں پنجتنؑ کا خاتمہ
سر کھلا بلوے کے اندر، صاحبِ تطہیرؑ کا

کودکانِ مومنیں رونے لگے، فردوس میں
دیکھ کر حلقوم میں اصغرؑ کے، روزن تیر کا

اپنا رتبہ آپ کرتے ہیں بیاں، سبطِ نبیؐ
مصحفِ ناطق نہیں محتاج ہے، تفسیر کا

ذبح جب شبیرؑ ہوتے تھے، تو کہتے تھے علیؑ
حلق یوں پیاسا نہیں کٹتا، کسی نخچیر کا

کیا شجاعت ہے، کٹا جب دستِ عباسِؑ علی
ہاتھ میں غازی کے تب بھی، حلقہ تھا شمشیر کا

ہو گئے، میدان میں مذبوح، شاہؑ دو جہاں
بعد ان کے ہے یہ رتبہ، عابدِؑ دل گیر کا

ہتھکڑی کو یہ تمنا ہے، کہ بیعت کیجیے
ہوجیے پابوس، یہ ارمان ہے زنجیر کا

پڑھ کے خط صغراؑ کا، قاصد سے یہ سرورؑ نے کہا:
کہیو اس سے تھا یہی لکھا ہوا، تقدیر کا

کیا تعجب ہے، غمِ شبیرؑ میں، بہرِ فغاں
لب اگر ہو جائے گویا، بُلبلِ تصویر کا

یاد آتے تھے شہیدوں کو، جب اپنے نونہال
دم بہ دم منھ چومتے تھے، اصغرؑ بے شِیر کا

کہتے تھے زندان میں عابدؑ یہ کیا بے داد ہے
شور سنتا ہے سرانے کوئی، غُلِ زنجیر کا

دخترِ زہراؑ کی چادر، شمر نے جب چھین لی
کانپ اُٹھا رَن میں لاشہ، حضرتِ شبیرؑ کا

دیکھ کر سجادؑ کے بازو بندھے، بولا یزید
اے امیرو! ہے یہ پوتا، شاہِ خیبرؑ گیر کا

لاشِ شہؑ کہتی تھی پانی تو پلانا وقتِ ذبح
ہے مری گردن پہ احساں، خنجرِ بے پیر کا

سینۂ اکبرؑ پہ جب نیزہ لگا، بولے حسینؑ:
سچ ہے یہ، مٹتا نہیں لکھا ہوا تقدیر کا

قبر میں روئے بہت، مشکل کُشا، سر پیٹ کر
جب بندھا رسی سے بازو، زینبؑ دل گیر کا

حرفِ اشک آلودہ خط پڑھ پڑھ کے سرورؑ نے کہا:
کہیو اس سے: تھا یہی لکھا ہوا، تقدیر کا

حُر سے پوچھا شاہؑ نے: کس بات کا طالب ہے تُو؟
عرض کی اُس نے کہ شاہا! خُلد کی جاگیر کا

کم تھا کیا بارِ یتیمی، جو مِلا عابدؑ کو، آہ!
طوق کا گردن کو بوجھ اور پاؤں کو زنجیر کا

آرزو ہے، خاکِ قبرِ شاہؑ آنکھوں سے مَلوں
اے دبیرؔ خستہ! میں طالب نہیں اکسیر کا

۱۶

سلام

جو کہ قربانِ مزارِ علی اکبرؑ ہو گا
مُجرئی! اُس کو. ثوابِ حجِ اکبر ہو گا

جب عیاں سیّدِ مظلوم کا لشکر ہو گا
مجرئی غرق نہ خوں، دامنِ محشر ہو گا

نوجواں قتل جو، اے مجرئی! اکبرؑ ہو گا
خُلد میں چاک گریبانِ پیمبرؐ ہو گا

بانوؑ، اکبرؑ کے لڑکپن میں بلائیں لے کر
کہتی تھی: نامِ خدا! خوب یہ دلبر ہو گا

شاہؑ کہتے تھے: نہ دل اس سے لگاؤ! بانو!
قتل اٹھارویں سال، آپ کا دلبر ہو گا

بولی صغرئؑ کہ میرے دیکھنے کی حسرت میں
دم تو اٹکا مرے بابا کا، مکرّر، ہو گا

شہؑ نے اَعدا سے کہا، لاشۂ اصغرؑ کو دکھا:
کہو! دو گز کفن، اس کو میسر ہو گا

بانو کہتی تھی لحد میں، مرے ہونٹوں پر
علی اکبرؑ، علی اکبرؑ، علی اکبرؑ ہو گا

قبرِ عباسؑ پہ کہتی ہے سدا، روحِ حسینؑ
ایسا کوئی نہ، وفادار برادر ہو گا

بالے پن میں جو ہوئی رانڈ دُلھن قاسم کی
بانو کہتی تھی کہ جینا ترا کیوں کر ہو گا

شہ نے زینبؑ سے کہا تم نہ کہیں جی کھونا
سر مرا، آپ کے اشتر کے برابر ہو گا

فاقے دو دن کیے، چوبیس پہر پیاسے رہے
بے کسی میں، نہ کوئی شہؑ کے برابر ہو گا

شہؑ نے فرمایا نہ رکھ تو میرے سینے پہ قدم
دیکھ! بدنام، تُو اے شمرِ ستم گر ہو گا

خلق میں ہو گا عیاں، ظلم ترا، صبر مرا
نہ تو ہم ہوں گے، نہ تُو ہو گا، نہ خنجر ہو گا

شاہؑ کہتے تھے کہ وہ بے سروسامان ہوں میں
دفن لاشہ بھی مرا، خاک میں، بے سر ہو گا

عشرۂ ماہِ محرّم کو، یہ آتی تھی صدا
آج ویران، پیمبرؐ کا بھرا گھر، ہو گا

موت کہتی تھی نظر کر کے رخِ اکبرؑ پر
صاد اس رخ پہ، شہادت کا، مقرر ہو گا

شہ نے اعدا سے کہا قتل نہ اکبرؑ کو! کرو
پھر نہ ایسا کوئی، ہم شکلِ پیمبرؐ ہو گا

شہؑ نے زینبؑ سے کہا فاتحہ دینا میرا
کہا زینبؑ نے کہ پانی جو میسر ہو گا

اس لیے گورِ غریباں پہ نہ روئی بانوؑ
کہ خفا، سُن کے صدا رونے کی، اکبرؑ ہو گا

شاہؑ کہتے تھے نہ کر ذبح تُو، مجھ پیاسے کو
ارے ظالم! ترا خنجر بھی، نہیں تر ہو گا

شہدا کہتے تھے زنداں میں ہے سجّادِ حزیں
اب کفن، دیکھیے کب ہم کو میسّر ہو گا

خوف کر تشنگیِ حشر کا، ہرگز نہ، دبیرؔ!
کہ سخی ابنِ سخی، مالکِ کوثر ہو گا

۱۷

سلام

شہؑ سے، مجرائی! ہوا جب کہ علمدارؑ جدا
وہ جدا رونے لگا، سیدِ ابرار جدا

یاد کر درد کو صغراؑ کے، یہ عابدؑ نے کہا:
حیف ہے! ہو گیا، بیمار سے بیمار، جدا

لاش اس طرح سے قاسمؑ کی، پڑی تھی رن میں
تن جدا سر سے تھا اور سر سے تنِ زار جدا

کٹ گئے دستِ حنابستہ، جو اس دولھا کے
ہاتھ سے تو بھی، نہ اس کے ہوئی، تلوار جدا

قتل جب قاسمؑ و عباسؑ ہوئے میداں میں
مجتبیٰؑ روئے جدا، جعفرِؑ طیار جدا

شاہؑ فرماتے تھے، رو رو کے، غم اکبرؑ میں
چشمِ خوں بار جدا ہے، جگر افگار جدا

لے چلے شہؑ، علی اصغرؑ کو تو بانوؑ نے کہا
اس کو تم کیجیو، سینے سے نہ زنہار، جدا

شکر کرتے تھے، لبِ زخم سے، ہر دم سرورؑ
زخم سے ہوتی تھی جس وقت کہ، تلوار جدا

توام اس طرح سے، غم شادی قاسمؑ میں رہا
گل سے، جس طرح سے ہوتا ہے نہیں، خار جدا

ہو کے شمشیر بکف، عونؑ و محمدؑ نے کہا
مل کے ہم دونوں، کریں گے سرِ کفار جدا

مرکب شاہؑ جو گھرتا تھا صفِ اعدا میں
جست جب کرتا تھا، ہو جاتا تھا ہر بار جدا

رنگ فق ہو گیا، شبیرؑ کے چہرے کا وہیں
جس گھڑی ہونے لگا، اکبرؑ دلدار جدا

شہؑ نے فرمایا: قیامت میں ملیں گے تُم سے
اب جو ہم ہوتے ہیں، اے فاطمہؑ بیمار! جدا

کہا زینبؑ نے یہ: کیا کینہ وری ہے، اے چرخ!
کردیا مجھ کو عزیزوں سے، جو اک بار، جدا

لاش پر شیر علمدارؑ کے، روتے تھے کھڑے
مصطفیٰؐ غم سے جدا حیدرِؑ کرار جدا

قطعہ

جب نہ آیا کوئی لینے تو، صغراؑ نے کہا
کیسی ساعت سے، ہوئے تھے مرے غم خوار، جدا

ہجر میں ان کے، میری زندگی ہووے کیوں کر
ہوں میں بیمار جدا، طالبِ دیدار جدا

شہؑ نے فرمایا کہ وہ، آنکھوں کے آگے ہوئے قتل
ایک دَم، مجھ سے نہ ہوتے تھے، جو غم خوار جدا

شہؑ کا ہاتھ آئے اگر تیرے درِ پاک دبیرؔ!
اس سے، تا زیست، نہ تُو ہو یو، زنہار جدا

maablib.org

۱۸

سلام

مُجرائی! جبکہ خاتمۂ پنجتنؑ ہُوا
تڑپی بتولؑ ایسی کہ ٹکڑے کفن ہُوا

محشر میں مُجرئی کو، نہ رنج و محن ہُوا
بہرِ نجات، داغِ غم پنجتنؑ ہُوا

روزِ ازل، ثوابِ شہادت تھا جس قدر
تقسیم درمیانِ حسینؑ و حسنؑ ہُوا

گردن پہ تیغ، سینے پہ قاتل، زباں پہ شکر
کس شان سے شہید، امامِ زمنؑ ہُوا

گرمی کی فصل، اَور پسر چھوٹے چھوٹے ساتھ
کس وقت میں حسینؑ، غریب الوطن ہُوا

چہلم کو، آ کے رَن میں، یہ کہتی تھی فاطمہؑ
اب تک حسینؑ کو، نہ میسّر کفن ہُوا

پانی کا قحط، پیاس کی شدّت، بدن پہ زخم
کیا کیا، حسینؑ امام پہ، رنج و محن ہُوا

دم ایک سے رُکا تو گلا ایک سے چھلا
سجادؑ پر یہ صدمۂ طوق و رَسن ہُوا

ہر عشرے کو، یہ کہتے تھے عابدؑ، دمِ زوال
یہ وقت تھا، جو خاتمۂ پنجتنؑ ہُوا

سیّد غریب، بے کس و مظلوم، بے دیار
کیا کیا خطاب، سبطِ رسولِؐ زمن ہُوا

قربان اُن شہیدوں کی غربت پہ جن کو، آہ!
کافور خاک دامنِ صحرا کفن ہُوا

وہ بولا مہر بخشو! یہ بولی بجل کیا!
قاسمؑ میں اور دُلھن میں، فقط یہ سخن ہُوا

رہتے تھے پاؤں مُہرِ نبوت پہ، جس کے، آہ!
گھوڑوں سے پائمال، اسی کا بدن ہوا

اٹھارہ سال کا پسر نوجواں اُٹھا
برگشتہ، کیا، حسینؑ سے چرخِ کہن ہُوا

جُز فاطمہؑ، نہ تھا کوئی، لاشِ حسینؑ پر
بے کس ہوا، نہ ایسا کوئی بے وطن ہُوا

کنگنا بندھا تھا ہاتھ میں کبراؑ کے، جس جگہ
شادی کی صبح کو وہ مقامِ رَسَن ہوا

کس ظلم سے کیا تھا قلَم، باغیوں نے، آہ!
سر سبز، پھر نہ، شیرِؑ خدا کا چمن ہُوا

جس کا لباس حلّہٗ جنت تھا، بارہا
قدرت خدا کی دفن وہی بے کفن ہُوا

جنبش جو کربلا کو ہوئی، بولے اہلِ بیتؑ
کہ اے زمیں! خاتمہٗ پنجتنؑ ہُوا

اُس روز سے حرام ہے، شمشاد پہ خرام
جب سے فتادہ، سروِ رسول زمن، ہُوا

اہلِ وطن سے کہتے تھے عابدؑ، ہزار حیف!
تم سے میرے پدر کا، نہ غسل و کفن ہُوا

خالِ رُخِ حسینؑ سے، نسبت کہاں اسے
خوشبو ہزار، نافہٗ مشکِ ختن، ہُوا

کیا قہر ہے کہ شمر یہ کہتا تھا فخریہ
خنجر سے میرے، خاتمہٗ پنجتنؑ ہُوا

اکبرؑ تھا، وقتِ مرگ، یہ پیاسا کہ باپ سے
پانی ہی مانگا، بند نہ جب تک، دَہن ہُوا

نازک گلا، رسن میں، سکینہؑ کا، جب بندھا
آ کر گلے پہ شیرِؑ خدا، بوسہ زن ہُوا

پانی پلا کے پیاسوں کو، کہتے تھے اہلِ بیتؑ
ہے اس کی نذر، قتل جو، تشنہ دَہن ہُوا

گھبرا کے، قید خانے میں، کہتے تھے اہلِ بیتؑ
افسوس! آج زندہ نہ، خیبر شکن ہُوا

بھائی کے قتل ہوتے ہی، زینبؑ ہوئی اسیر
سوئم ہوا، نہ چہلمِ شاہِ زمنؑ ہوا

سجادؑ بولے: کاش! نکل جائے رُک کے دم
ایسا نہ تنگ، حلقۂ طوق و رسن ہُوا

اب، اے دبیرؔ! ایک سلام اور نظم کر
تیرا سخن قبولِ امامِ زمنؑ ہوا

۱۹

سلام

مُجرائی! زیرِ خاک نہ رنج و محن ہُوا
شمعِ رہِ بہشت، غمِ پنجتنؑ ہُوا

تسبیحِ خاکِ پاک جو ہو سرخ، کیا عجب
آلودہ اس میں خونِ امامِ زمنؑ ہُوا

سر نخلِ بخششِ اُمت ہوا تب ایک
جب خشک سب رسولِ خدا کا چمن ہُوا

اکبرؑ کی لاش لائے تو اصغرؑ کو لے چلے
حضرت پہ دُکھ پہ دکھ تو محن پر محن ہُوا

کیوں شش جہت، نہ ہو گئی نابود، اُس گھڑی
جب دوپہر کو خاتمۂ پنجتنؑ ہُوا

دنیا میں، کیوں نہ لعل و زمرد کی قدر ہو
ہے سبز و سرخ، رنگِ حسینؑ و حسنؑ ہُوا

آلودہ زہر میں تھی، وہ شمشیر، مومنو!
جس سے شگافتہ، سرِ خیبر شکن، ہُوا

قطعہ

وارث پدر کے، ارث کے دونوں پسر، ہوئے
بے جان جب وصیِ رسولِؐ زمن ہُوا

حصّے میں دی وہ تیغ، ازل نے، حسینؑ کو
باقی رہا جو زہر، نصیبِ حسنؑ ہُوا

ظاہر میں زیرِ تیغ کٹا، اِک سرِ حسینؑ
گویا ادا، حسینؑ سے قرضِ حسن، ہُوا

مارا غزالِ چمنِ امامت کو بے خطا
پر خوں، اس سے نافۂ مشکِ خُتن، ہُوا

قاسمؑ نثار ہو کے یہ کہتا تھا یا حسینؑ!
گویا اَدا غلام سے، قرضِ حسن ہُوا

اکبرؑ کو پھل نہ، باغِ جوانی کا، کچھ ملا
اِس غم سے میوہ دار، نہ سرو و چمن ہُوا

آ کر دُلھن نے سوگ بڑھایا، مزار پہ
مدفون، زیرِ خاک جب ابنِ حسنؑ، ہُوا

اصغرؑ کے بھی گلے میں، شلوکا تھا، وقتِ دفن
نایاب، اے فلک! یہ جہاں سے، کفن ہُوا

آب و طعام بند رہا، گو کہ تین دن
پُر بند، شکرِ حق سے، نہ شہؑ کا دہن ہُوا

طِفلی میں ناگوار تھا، ہیکل کا جس کو بوجھ
زیور اُسی کا حلقۂ طوق و رسن ہُوا

نفریں نہ کی بتولؑ نے اُمّت کو، گو کہ قتل
محسنؑ ہوا، حسینؑ ہوا، اور حسنؑ ہُوا

لپٹے جو حُر سے شاہؑ، دمِ مرگ، بولا حُر
مجھ کو یہ پیار، مرہمِ زخمِ بدن، ہُوا

کہتے تھے شاہؑ خشک ہو! اے نہرِ علقمہ!
پانی سے تیرے تر، نہ ہمارا دہن ہُوا

پانی پہ شہؑ کا فاتحہ، ہوتا ہے آج تک
ایسا نہیں جہان میں، تشنہ دہن ہُوا

شیرانِ دشت کہتے تھے مارا گیا حسینؑ
جس دم نجف میں شیرِ خدا، نعرہ زن ہُوا

آلِ یزید پردے میں، بلوے میں اہلِ بیتؑ
کیا تجھ کو انقلاب یہ، چرخِ کہن ہُوا

جہاں بنایا تھا، مادر نے رات کو
واں روزِ عِقد ماتمِ ابنِ حسنؑ ہُوا

چالیس سال، باپ کا، عابدؑ نے، غم کیا
گہ نوحہ گر ہوا، تو کبھی سینہ زَن ہُوا

اب بادشاہِ عصر نے، چہلم کی کی بِنا
آقا کا وہ چلن تھا، یہ اِس کا چلن ہُوا

کیوں کر نہ ہو جہاں میں، رواجِ غمِ حسینؑ
شاہِ جہاں، محبتِ حسینؑ و حسنؑ ہُوا

ہم عمرِ خضرؑ ہووے علیؑ حیدر، اے دبیرؔ!
مقبولِ بارگاہِ خدا، یہ سخن ہُوا

۲۰

سلام

گو کہ، اے مُجرئیؔ! وہ تشنہ دہن کتنے ہیں
پُر خوش، انصارِ شہنشاہِؑ زمن، کتنے ہیں

بھانجے فوج میں در آئے، تو بولے شبیرؑ
یہ جَری، نامِ خدا! دیکھو بہن! کتنے ہیں

سُرخ منہ دیکھ کے قاسمؑ کا، کہا مادر نے:
بعد مرنے کے خوش ابنِ حسنؑ کتنے ہیں

عید کا روز جو آیا تو کہا صغرٰیؑ نے:
آج یاد آتے ہمیں، شاہِؑ زمن، کتنے ہیں

کہا زہراؑ نے: خزاں ہو گیا، اِک میرا ہی
ورنہ دنیا میں تو سر سبز، چمن کتنے ہیں

بانو زینبؑ سے یہ، زنداں میں بیاں کرتی تھی:
مجھ کو یاد آتے میرے غنچہ دہن، کتنے ہیں

در آنا = داخل ہونا

کہا عباسؑ نے: مشکیزہ کا حافظ اللہ!
مجھ اکیلے پہ، یہاں تیر فگن کتنے ہیں

کہا بانو نے: خدا خیر کرے اصغرؑ کی
شہِؑ دلگیر پہ اب، تیر فگن کتنے ہیں

آیا بشاش، بنا رن میں، تو یوں بولی قضا:
آپ خوش مرنے پہ، اے ابنِ حسنؑ، کتنے ہیں

شاہؑ کہتے تھے: بھلا دے گا غم اکبرؑ، سب
گو کہ سینے پہ میرے، داغِ کہن کتنے ہیں

آیا فردوس میں جب حُر، تو کہا زہراؑ نے
میرے پیارے! یہ کہو رنج و محن کتنے ہیں

کہا عابدؑ نے کہ بابا تو گئے جنّت کو
اور ہمیں یہاں، الم و طوق و رسن کتنے ہیں

کہا قاصد نے کہ پہچانی نہیں جاتی شکل
بولے شہؑ: ہم پہ ہوئے رنج و محن کتنے ہیں

یوں ملک کہتے تھے، ہر زخم پہ: ہے شکرِ خدا
دیکھو! راضی برضا، شاہِؑ زمن، کتنے ہیں

اہلِ کیس کہتے تھے: اللہ رے حواس و جرات
متصل شاہؑ یہ ہفتاد و دوتن، کتنے ہیں

شاہؑ کہتے تھے: کب عہدہ بر آئی ہو گی
اُن کے نزدیک یہ ہفتاد و دو تن، کتنے ہیں

حُر سے مصعب نے کہا: عہدہ برآ ہوں کیوں کر
تیغ زن کتنے ہیں یاں، تیر فگن کتنے ہیں

کہا عابدؑ نے سرِ شہؑ سے، زباں دیکھ کے خشک
بابا صاحب میرے، اب تشنہ دہن کتنے ہیں

سُن کے یہ بات، سرِ شاہؑ نے عابدؑ سے کہا:
تم کہو اپنی، تمھیں رنجِ رسن کتنے ہیں؟

وار رد کرتے جو عباسؑ، تو کہتا تھا شمر:
یاد کیا جانے اُنھیں جنگ کے فن، کتنے ہیں

شاہؑ کہتے تھے: وفادار ہیں کیا، یاں کے لوگ
میرے جانے سے حزیں، اہلِ وطن کتنے ہیں

شہؑ نے زینبؑ سے کہا: نام پہ ہوتے ہیں فدا
مجھ پہ عاشق، تیرے فرزند، بہن! کتنے ہیں

ہفتاد و دو: بہتر (۷۲) ، عہدہ برآئی ہونا: کام تمام کرنا، جو سپرد کیا گیا ہو

لاشِ قاسمؑ سے صدا آئی، جو کبریٰؑ آئی
اب تلک مجھ کو ترے رنج دُلھن! کتنے ہیں

پڑھ اِسی طرح کا تو، ایک سلام اور دبیرؔ!
بیٹھے مشتاق یہاں، اہلِ سخن کتنے ہیں

جز ضمیرؔ، اور بھلا کون ہے، بتلا تو دبیرؔ!
ہاں! مگر کہنے کو، یوں اہلِ سخن کتنے ہیں

حُر جو آیا تو کہا اُس سے، علی اکبرؑ نے:
تیرے مشتاق، شہنشاہِ زمن، کتنے ہیں

۲۱

سلام

جو دل میں ولائے شہِؑ مرداں نہیں رکھتا
مجرائی! وہ گنجینۂ ایماں نہیں رکھتا

جو چشم غمِ شاہؑ میں گریاں نہیں رکھتا
مُجرائی! وہ کچھ مرہمِ عصیاں نہیں رکھتا

گر شکل ہی رونے کی بنے، خلد ہو واجب
یہ گریہ کسی شکل سے، نقصاں نہیں رکھتا

قطعہ

حضرتؑ نے کہا حر سے، کہ بھائی تجھے کیا دوں
دولت کوئی، جز گنج شہیداں، نہیں رکھتا

وہ بولا دعا دو، کہ رضامند ہوں زہراؑ
کچھ اور ہوس آپ کا مہماں، نہیں رکھتا

مسلم کے یتیموں نے کہا، کھا کے طمانچے
حارث! ہمیں دو دن بھی تُو مہماں نہیں رکھتا

سینے پہ نبی زادے کے اسوار ہوا شمر
یہ ظلم روا، کوئی مسلماں، نہیں رکھتا

زہراؑ نے کہا لاش سے مجرا کرو شبیرؑ
لاشے نے کہا ہاتھ میں، اماں! نہیں رکھتا

اکبر نے کہا، رکھ کے انگوٹھی کو دہن میں
ہے یہ تو وہ خاتم، کہ سلیماں نہیں رکھتا

جب ذبح ہوئے سجدے میں، دو روز کے پیاسے
شہؑ بولے کہ اب دل میں، کچھ ارماں نہیں رکھتا

صدقے رفقا ہوتے ہیں، شہؑ دیتے ہیں جنت
گردن پہ سخی، ایک کا احسان نہیں رکھتا

عابدؑ نے کہا چاک کروں کیا، غم شہؑ میں
دامن نہیں رکھتا، میں گریباں نہیں رکھتا

حاکم جو ہنسا، رونے پہ زینبؑ کے، وہ بولی
ہے ہم کو یقیں یہ کہ تو ایماں نہیں رکھتا

رکھا ہے سر مصحف ناطق کو تہِ تخت
یوں بے ادبی سے کوئی، قرآں نہیں رکھتا

اِک روز وہ تھا، چادرِ تطہیر تھی مجھ پاس
اک دن یہ ہے، چادرِ سرِ عریاں نہیں رکھتا

کیا ہنستا ہے، زینبؑ کی تباہی پہ ستم گر!
اِنسان کے دن ایک سے، یزداں، نہیں رکھتا

گریاں رہے چالیس برس، عابدؑ بیمار
یوں سوگ پدر کا، کوئی انساں نہیں رکھتا

زینبؑ نے کہا شمر سے شہؑ کو تو کیا ذبح
گردن پہ مرے، خنجرِ برّاں نہیں رکھتا

عابدؑ نے کہا دفن کروں باپ کو کیوں کر
یہ غم مجھے ایسا ہے، کہ پایاں نہیں رکھتا

مرقد ہے نہ تابوت ہے، نہ گور و کفن ہے
ساماں کوئی، میں بے سر و ساماں، نہیں رکھتا

بانوؑ، غمِ اکبرؑ میں، یہ کہتی تھی تڑپ کر
یہ درد ہے وہ درد، کہ درماں نہیں رکھتا

عابدؑ نے کہا لختِ جگر کیا مرے کم ہیں
میں پھول، سرِ گورِ غریباں، نہیں رکھتا

جنت میں دبیرؔ، آپ کی خدمت میں ہو، یا شاہؑ!
بس اور تمنا، یہ ثنا خواں، نہیں رکھتا

maablib.org

۲۲

سلام

صغراؔ نے بھی، اے مُجرئی! غم کھائے ہیں کیا کیا
شبیرؔ وطن میں اُسے، یاد آئے ہیں کیا کیا

قاسم کی دُلھن کہتی تھی، رنڈسالا پہن کر:
قسمت نے تماشے مجھے دکھلائے ہیں کیا کیا

فارغ ہوئے سجّادؔ جونہی دفنِ پدر سے
آغوش میں لے قبر کو چلّائے ہیں کیا کیا

کانٹوں پہ چلے، طوق پڑا، اونٹوں کو کھینچا
عابدؔ نے اسیری کے مزے پائے ہیں کیا کیا

قطعہ

زنداں میں سکینہؔ ہوئی بیدار تو بولی:
الطاف، پدر نے مجھے فرمائے ہیں کیا کیا

فرماتے تھے، دکھلا کے مجھے میوۂ جنّت:
سوغات ترے واسطے ہم لائے ہیں کیا کیا

مقتل میں پیمبرؐ سے یہی کہتی تھی زہراؑ:
دیکھو! مرے فرزند نے دُکھ پائے ہیں کیا کیا

بیٹے موئے بھائی موئے، غمخوار ہوئے قتل
شکر اس پہ بھی شبیرؑ بجا لائے ہیں کیا کیا

عابدؑ جو چلے کانٹوں پہ، رو رو پُکارے:
دیکھو کہ ہمیں مرحلے پیش آئے ہیں کیا کیا

رو رو کے حسینؑ ابن علیؑ کہتے تھے کیوں چرخ
تو نے مرے گل، خاک میں مِلائے ہیں کیا کیا

کوثر پہ کہا، ساقیِ کوثرؑ سے یہ شہؑ نے:
گو پیاس نے صدمے ہمیں دکھلائے ہیں کیا کیا

وہ خشک گلا اور وہ خنجر کا اٹکنا
پوچھو میرے دل سے کہ مزے پائے ہیں کیا کیا

جب لوٹنے کو فوجِ لعیں آئی تو اُس وقت
ناموسِ نبیؐ خیمے میں تھرّائے ہیں کیا کیا

جب کوفیوں کو شہؑ نے دکھائے خط مُہری
تھے مستعدِ قتل پہ، شرمائے ہیں کیا کیا

دیکھا جو سکینہ نے علم، تعزے کے پاس
عباسؑ دلاور اسے یاد آئے ہیں کیا کیا

لاشِ پسرِ شیرِؑ خدا بر لبِ دریا
ہر رات کو شیر ان کے، چلّائے ہیں کیا کیا

دی فاطمہؑ کی بیٹی کو شیریں نے جو چادر
سجادؑ حزیں اُس گھڑی شرمائے ہیں کیا کیا

رسّی میں بندھا عابدؑ بےکس کا جو بازو
تب شیرِؑ خدا قبر میں تھرّائے ہیں کیا کیا

سرورؑ کو دعا امتِ عاصی کی نہ بھولی
ہم ان کو دمِ ذبح بھی یاد آئے، ہیں کیا کیا

صغراؑ نے کہا، دیکھ کے عابد کی ہتھیلی:
پردیس میں دکھ آپ نے بھی پائے ہیں کیا کیا

وہ بولا: فقط اونٹ ہی کھینچا نہیں ہم نے
مردے بھی انھیں ہاتھوں سے دفنائے ہیں کیا کیا

یہ شعر رقم کر کے دبیرِؔ جگر افگار
مینھ خامے نے بھی اشکوں کے برسائے ہیں کیا کیا

۲۳

سلام

جو، سلامی! شہِؑ والا کا ثنا خواں ہو گا
اس کا ہر ایک سخن، گوہرِ غلطاں ہو گا

جو نبی زادے کے سینے پہ چڑھا، تیغ بہ کف
مجھ کو حیرت ہے، کہ وہ کیسا مسلماں ہو گا

بولے عباسؑ سے شہؑ پانی پلاؤ! حُر کو
بھائی! اک دن شہِؑ بےکس کا، یہ مہماں ہو گا

مومنو! گر غمِ عباسؑ میں تم روؤ گے
بخدا! روحِ سکینہؑ پہ یہ احساں ہو گا

لے کے زینبؑ کی ردا، شمر نے ہنس کر یہ کہا
اب تو محبوبِ خدا، چاک گریباں ہو گا

شاہؑ کہتے تھے کہ ہے سب کو، شہادت کی خوشی
علی اصغرؑ بھی ترا، کشتۂ پیکاں ہو گا

کربلا میں ہوئے وارد، جو پیمبرؐ، تو کہا
یہیں، شبیرؑ تہِ خنجرِ بُرّاں ہو گا

کہتی تھی مادرِ قاسم یہ خبر تھی نہ مجھے
بیاہ میں مرنے کا، نوشاہ کو ارماں ہو گا

عرش سے آئی ندا، جب ہوئے پیدا شبیرؑ
یا محمدؐ! یہ پسر شاہِ شہیداں ہو گا

بانوؑ کہتی تھی میں ہوں اس لیے مشتاقِ بہشت
کہ مجھے ڈھونڈتا، واں، اصغرِؑ ناداں، ہو گا

کہا مسلمؑ نے میری قبر پہ بجز شمع و چراغ
کون غم خوار ہے، جو بیٹھ کے گریاں ہو گا

سحرِ قتل، یہ فردوس میں کہتے تھے مَلک
آج تاراج، پیمبرؐ کا گلستاں، ہو گا

ذبح قاسم کو جو، بے خوف کِیا، اَعدا نے
یہ نہ سمجھا کہ حسنؑ خون کا خواہاں ہو گا

شاہؑ نے لاشۂ اصغرؑ کو لٹا کر، یہ کہا
آ کے اب، شیرِ خدا، تیرا نگہباں ہو گا

جب تولد ہوئی زینبؑ، تو علیؑ نے یہ کہا
اس کا سر بلوۂ بازار میں عریاں ہو گا

حُر کی لیتی تھیں بلائیں، شبِ عاشور، بتولؑ
یعنی یہ، صبح، میرے لال پہ قرباں ہو گا

عزّت و قدر ہماری، وہی سمجھے گا، دبیرؔ!
صدقِ دل سے جو، غلامِ شہِؑ مرداں، ہو گا

maablib.org

۲۴

سلام

مجرئیؔ! جب ہوا پامال، چمن زہراؑ کا
ہو گیا چاک گریباں، کفن زہراؑ کا

کہا احمدؐ نے کہ شبیرؑ پہ وہ ظلم ہوا
کہ مجھے بھول گیا، رنج و محن، زہراؑ کا

کہا زینبؑ نے کہ شبیرؑ کا کیوں داغ دیا
غم تھا مجھ کو ابھی، اے چرخِ کہن! زہراؑ کا

قطعہ

جب نبیؐ بولے: چلو جلد! تو یوں بولی بتولؑ:
بابا صاحب! ذرا سُنیے تو سخن زہراؑ کا

میرا شبیرؑ تو ہے یاں، میں چلوں واں کیوں کر
گھر یہی اب تو ہے، اور ہے یہ وطن زہراؑ کا

کہا کلثومؑ سے زینبؑ نے، ہوئے ذبح جو شاہؑ
خُلد میں ہوئے گا کیا حال، بہن زہراؑ کا

شاہ فرماتے تھے زینبؑ سے وہی ہے گفتار
تجھ میں، واللہ کہ! ہے صاف چلن زہراؑ کا

اپنے، گر زورِ یدِ الٰہی پہ، آ جاتا وہ
ہوتا شوہر، نہ گرفتارِ رسن، زہراؑ کا

روحِ زہراؑ یہی کہتی تھی، بہ سرورؑ سے
تم بھی کچھ دیکھتے ہو! رنجِ محنؑ، زہراؑ کا

دیکھ کر خشک زباں تیری، ہر اک دم، ہر آن
حال متغیر ہے، اے غنچہ دہن! زہراؑ کا

کہا زینبؑ نے نہ کیوں سم ہو مجھے شربت زیست
یعنی فرزند ہو، جب تشنہ دہن، زہراؑ کا

دھوم تھی شام میں، ہاں بہرِ تماشہ آؤ
کنبہ آتا ہے، گرفتارِ رسن، زہراؑ کا

شہؑ نے زینبؑ سے کہا شکر ہی کیجو، ہر دم
ہاتھ سے دیجیو نہ تم اپنے چلن زہراؑ کا

لاشیں میداں میں لرز جاتی تھیں، اُن کے غم سے
رونا جب سنتے تھے، ہفتاد دوتن زہراؑ کا

لاشِ اکبرؑ پہ نبیؐ آئے تو یوں بولی بتولؑ
یہ بڑا پوتا ہے، اے شاہِ زمن! زہراؑ کا

حوضِ کوثر پہ یہی کہتی تھی، حیدرؑ سے بتولؑ
کیا کروں، پیاسا ہے اب، غنچہ دہن زہراؑ کا

پی کے سم گلشن جنت کو سدھارا وہ، دبیرؔ!
تھا بڑا سب سے، جو فرزند حسنؑ زہراؑ کا

۲۵

سلام

مدحِ شبیرؑ میں مصرع جو رقم ہووے گا
مُجرئی! وہ شجرِ باغِ اِرم ہووے گا

جس کو اے مُجرئی! عباسؑ کا غم ہووے گا
حشر میں، وہ تہ دامانِ علم ہووے گا

بولے عباسؑ، سکینہؑ سے میں ہوں شرمندہ
سر مرا نوک پہ نیزہ کے بھی، خم ہووے گا

شاہؑ کہتے تھے کہ غم کھانے سے راحت ہے مجھے
خون کم ہووے گا، رتبہ تو نہ کم ہووے گا

آیا کوثر پہ جو حُر بولے علیؑ پانی پی
اِک اسی جام سے، کوثر تو نہ کم ہووے گا

حُر نے کی عرض کہ میں پیاس بجھاؤں کیوں کر!
میرے آقا کا گلا، خشک، قلم ہووے گا

نام پہ شہؑ کے، جو گھر بار لٹا دیوے گا
حشر میں اس کے لیے جاہ و حشم ہووے گا

شاہؑ کہتے تھے وہی ہو گا تصدق مجھ پر
جس کے اُوپر، مرے مولا کا کرم ہوے گا

قطعہ

شہؑ نے عابدؑ سے یہ رو کر، شبِ عاشور، کہا
صبح کو کوچ مرا، سوئے عدم ہوے گا

کل خدا دے گا مجھے، شاہِ شہیداں کا خطاب
اور تو قافلہ سالارِ حرم ہوے گا

بولے سجادؑ کہ پیادہ جو چلوں گا، بابا!
پنڈلیوں تک، مرے پاؤں میں وِرم ہوے گا

ہو گی نعلین بھی، پاؤں میں ہمارے کہ نہیں
بولے شہؑ خار ہر اِک، زیرِ قدم ہوے گا

قطعہ

کہا زہراؑ نے پیمبرؐ سے کہ روے گا کون؟
یا نبیؐ! جب سرِ شبیرؑ قلم ہوے گا

عرش سے آئی صدا ہم ہیں عزادارِ حسینؑ
تیرے بیٹوں کا فرشتوں کو اَلَم ہوے گا

خلق میں خلق میں اک ایسے کروں گا پیدا
جن کے دل میں، تری اولاد کا غم ہوے گا

شکر کر شکر کہ شبیرؑ کے صدقے سے، دبیرؔ!
مدح گویوں میں ترا نام رقم ہوے گا

۲۶

سلام

فصلِ خزاں، جو گلشنِ شاہِؑ زمن میں ہے
مُجرائی! گُل، دریدہ گریباں، چمن میں ہے

صغرؑیٰ بہ انتظارِ امامِؑ زمن میں ہے
وا اُس کی چشم، مُجرئی! اب تک کفن میں ہے

کہتے تھے شہؑ: ہم کو عدن میں ملے گا چین
آرام، از برائے مسافر، وطن میں ہے

عشقِ حسینؑ و الفتِ زینبؑ سے فاطمہؑ
زندانِ شام میں ہے کبھی، گاہ رن میں ہے

پھولوں سے کیوں نہ دامنِ صحرا بھرے تمام
گلچینِ قضا، رسولؐ خدا کے چمن میں ہے

اے مومنو! بلند کرو شور و شین کو!
زہراؑ کی روح، پیٹ رہی انجمن میں ہے

دریدہ گریباں: پھٹے گریباں/روا: کھلی رہنا/عدن: جنت/گلچین: پھول توڑنے والا

اکبرؑ کا دیکھ چاہِ ذقن، بول اُٹھے عدو:
آبِ حیاتِ شہؑ! اِسی چاہِ ذقن میں ہے

پانی بتولؑ لائی تو اصغرؑ اشارے سے
بولا کہ آبِ تیر کی لذّت، دہن میں ہے

کیا احتیاج، گورِ غریباں پہ شمع کی
روشن چراغِ داغِ جگر، ہر کفن میں ہے

کہتی تھیں گلشنِ شہداؑ میں یہ، قمریاں:
سروِ ریاضِ فاطمہؑ بھی، اس چمن میں ہے

زینبؑ یہ بولی، شاہؑ گھرے جب سپاہ میں:
خورشیدِ آسمانِ امامت، گہن میں ہے

پامال، لاشِ سبطِ نبیؐ جو ہوئی ہے، آہ!
جنّت میں، درد شیرِؑ خدا کے بدن میں ہے

مت ذبح کر! یہ شمر سے کہتے تھے مصطفیٰؐ
باقی یہ اِک حسینؑ فقط، پنجتنؑ میں ہے

چاہِ ذقن: ٹھوڑی کا گڑھا/ گورِ غریباں: پردیسیوں کا قبرستان/ سروِ ریاض: باغ کا سرو کا درخت

(قطعہ)

ارماں بیاہ کا بھی ہے، اور شوقِ مرگ، آہ!
کیا کیا نہ آرزو، دلِ ابنِ حسنؑ میں ہے

پروانہ ساں ہے ایک تو، اِک شمع ساں خموش
صحبت عجیب طرح کی، دُلھا دُلھن میں ہے

نوشاہ تو، حسنؑ کی طرح سے ہے کم سخن
مظلومیّت حسینؑ کی، بالکل دُلھن میں ہے

سِبطِ نبیؐ پہ ہاتھ اٹھاتے ہیں کلمہ گو
روزن پہ روزن، ابنِ علیؑ کے بدن میں ہے

عابدؑ کو دیکھ، مجلسِ حاکم میں بولے سب:
شمعِ حرم "لم یزلی" انجمن میں ہے

(قطعہ)

دیکھا جو شہؑ نے مڑ کے سوے خیمہ، وقتِ ذبح
سمجھا یہ شمر، کچھ دلِ شاہِ زمن میں ہے

ساں: صا/روزن: زخم/لم یزلی: جس کو زوال نہیں

پوچھا شقی نے: دیکھتے ہو کس لیے اُدھر؟
شہؑ نے کہا کہ دھیان ہمارا بہن میں ہے

مشکل کشائی کیجیے! سجادؑ نے کہا
یا مرتضیٰؑ علی! مری گردن رسن میں ہے

صغریٰؑ یہ بولی: آئی ہے قاسمؑ پہ کچھ بلا
رونے کا غلغلہ، جو مزارِ حسنؑ میں ہے

رومال جو بتولؑ کا، ہے حلق پر بندھا
بوے ردائے فاطمہؑ، حُر کے کفن میں ہے

کہتے تھے شہؑ: سَند ہے شہادت کی، روزِ حشر
خوں جا بجا لگا، جو مرے پیرہن میں ہے

پَیکاں نہیں لگی، اِسی حیرت سے مومنو!
اُنگلی، ہر ایک زخم نے، رکھی دہن میں ہے

عابدؑ، غمِ پدر میں یہاں تک ہوئے ضعیف
مثلِ حباب کچھ نہیں، ان کے بدن میں ہے

زلفوں کو دیکھ عارضِ اکبرؑ پہ، بولے سب
دیکھو کہ آفتاب، لباسِ گہن میں ہے

گر دعوائے زباں ہے، تو جُوں شمع، اے دبیرؔ!
درکار خاموشی، تجھے ہر انجمن میں ہے

۲۷

سلام

وقفہ عبّاسؑ کو، مجرائی! قضا نے نہ دیا
پانی، اولادِ پیمبرؐ کو پلانے نہ دیا

اُس کو مُجرا ہے، وطن میں جسے، جانے نہ دیا
سر، جو سجدے میں تھا، قاتل نے اُٹھانے نہ دیا

رنجِ شیریں کو یہی تھا، کہ مجھے اَعدا نے
سر پہ سادات کے، چادر کو اُڑھانے نہ دیا

کہا زہراؑ نے کہ رنج اتنا ستم گر نے دیا
مجھے شبیرؑ کو چھاتی سے لگانے نہ دیا

کہا بانوؑ نے مجھے بے سر و سامانی نے
رنڈسالا بھی کبرا کو پہنانے نہ دیا

قطعہ

شاہؑ کہتے تھے: ہوا قتل، جواں اکبرؑ، ہائے!
آکے پُرسا مجھے، محبوبِ خدا نے، نہ دیا

آئی آوازِ نبیؐ: دردِ جگر نے، پیارے!
باغِ فردوس سے، تم تک مجھے، آنے نہ دیا

بولی زینبؑ کہ ماں جائے کا چہلم کرتی
اتنا مقدور مجھے، ہائے! خدا نے نہ دیا

شہؑ کو، لاشہ حسنؑ خستہ کا، مظلوموں نے
پہلوے قبرِ پیمبرؐ میں، لِٹانے نہ دیا

مالکِ حشر کیا، سرورِ کونین کیا
کون سا رتبہ شہِؑ دیں کو، خُدا نے نہ دیا

رحم، اُس لشکرِ بے پیر کو، آیا نہ ذرا
کون سا واسطہ، شاہِ شہدا نے، نہ دیا

دفن کرتا تھا جو، مُردوں کو غریبوں کے، سدا
اُس کے بیٹے کو کفن، اہلِ جفا نے نہ دیا

ہاتھ سجادؑ کے رسی سے لعیں، نے باندھے
لاشہ بیمار کو سیّد کا، اُٹھانے نہ دیا

مجھ کو حیرت ہے کہ کیوں، گل ہیں چمن میں خنداں
غم کا پیغام، مگر اُن کو، صبا نے نہ دیا

ذبح پیاسا کیا، اور لاش پہ گھوڑے دوڑائے
شاہؑ کو، کون سا دُکھ اہلِ جفا نے نہ دیا

کربلا، دیکھیے! کس روز پہنچتے ہیں دبیر
اب تلک تو، ہمیں تقدیر نے جانے نہ دیا

maablib.org

۲۸

سلام

شبِ عاشور، بھائی کو بلا میں دیکھ کر زینبؑ
تصدق کے لیے اے مُجری! لائی پسر زینبؑ

ادا حق دودھ کا کرنا، کٹانا رَن میں سر پیارو!
جگر گوشوں کو سمجھاتی رہی یہ، تا سحر زینبؑ

اگر لاشے تمھارے آئیں گے، چھاتی لگاؤں گی
رہے جیتے تو دیکھے گی نہ صورت عمر بھر زینبؑ

قطعہ

کہا زینب سے شہؑ نے: جب کٹے گا رن میں سر میرا
پھرے گی شام میں تُو سر برہنہ، در بدر زینبؑ!

جلائیں گے عدو خیمہ کو، لُوٹیں گے زر و زیور
تیری پازیب چھینیں گے، سکینہؑ کے گُہر زینبؑ!

برہنہ اونٹ پر تُو ہوگی اور سر میرا نیزے پر
مہار اُشتر کے کھینچے گا، مرا بے کس پسر زینبؑ!

کمر خم دیکھ کر شہ کی، کہا یہ بنتِ زہراؑ نے:
کہو تو حال مجھ سے، ہوئے قرباں آپ پر زینبؑ

کہا شہ نے کہ ہم پر گزرے دو صدمے بڑے پیہم
کہوں کیا حال اپنا تجھ سے، اے خستہ جگر زینبؑ!

شکستہ ہو گیا بندِ کمر، عباسؑ کے غم سے
علیؑ اکبر کے مرنے سے، گیا نورِ نظر زینبؑ!

وہاں تھا حلق پر خنجر، یہاں تھی دل پہ تیغِ غم
اُدھر مذبوح ہوتا تھا برادر اور اِدھر زینبؑ!

قطعہ

پھوپھی سے عرض کی اکبرؑ نے: دیجیے گر رضا مجکو
فدا میں بھی کروں بابا پہ، جا کے رَن میں سر زینبؑ!

کیے سب نے لبِ خشک اپنے تر، جامِ شہادت سے
ولیکن اب رہا جاتا ہوں میں تشنہ جگر زینبؑ!

سنی جب ہند کی آمد، کہا یہ رو رو زینبؑ نے:
بتاؤ بیبیو! زنداں سے جائے اب کدھر زینبؑ!

کروں کیا، موت بھی آتی نہیں، میں سخت حیراں ہوں
گذر ہے ہند کا اور قید میں ہے ننگے سر زینبؑ

خزاں باغِ زہراؑ یاد تھی جو اے دبیرؔ! اس کو
رہی مانندِ شبنم، اشک ریزاں، عمر بھر زینبؑ

maablib.org

۲۹

سلام

مُجرئی! یُوں کوئی باندھے نہ گنہ گار کے ہاتھ
شمر نے باندھے تھے جس زور سے، بیمار کے ہاتھ

لاشِ اکبرؑ پہ کھڑے سینہ و سر پیٹتے تھے
کون تھا، تھام لے جو سیدِ ابرار کے ہاتھ

ماتمِ شاہِ شہیداں کی بزرگی دیکھو
فاطمہؑ چومتی ہے آکے، عزا دار کے ہاتھ

شہؑ کا سر کاٹا، سکینہؑ کو طمانچے مارے
ہو گئے خشک نہ کیوں، شمرِ ستم گار کے ہاتھ

ہتھکڑی پہنی امامت ہوئی جب ان کو نصیب
پہلی بیعت یہ لگی، عابدِؑ بیمار کے ہاتھ

شمر سے کم تھا، شتربان بھی نہ، جلادی میں
اس نے سر کاٹا اور اس نے شہِؑ ابرار کے ہاتھ

آکے حیدرؑ نے عجب واقعہ دیکھا رَن میں
نہ علمدارؑ کے تھے ہاتھ، نہ سردارؑ کے ہاتھ

شہؑ کا نقشہ، قلمِ صنع نے، بے سر کھینچا
یدِ قدرت نے بنائے نہ علمدارؑ کے ہاتھ

قطعہ

عرض کی حُر نے دمِ نزع کہ روکا تھا تمھیں
باندھ دو! اے شہِؑ دیں! اپنے گنہ گار کے ہاتھ

جا کے جنت میں کہوں گا میں، شہِ مرداں سے
یا علیؑ! کھول دو اس بے کس و نا چار کے ہاتھ

شہؑ نے فرمایا میرے دوست! یہ کیا کہتا ہے
کوئی بھی باندھتا ہے، یارِ وفادار کے ہاتھ

کھا کے پیکاں، بہت آغوش میں تڑپا، لیکن
شہؑ کی گردن میں رہے، اصغرِؑ دلدار کے ہاتھ

سر کے بالوں سے بھی، منھ کو نہ چھپانے پائیں
شمر نے باندھے تھے، سب عترتِ اطہار کے ہاتھ

یدِ قدرت نے جو عباسؑ کی کھینچی تصویر
کچھ سمجھ کر، کیے موقوف علمدارؑ کے ہاتھ

دستِ عباسِؑ علی کاٹ کے بولا نوفل:
لو، قلم میں نے کیے، حیدرِؑ کرّار کے ہاتھ

رو کے کہتی تھی سکینہؑ: میں بلائیں لوں گی!
کوئی دریا سے اٹھا لائے علمدارؑ کے ہاتھ

بعد اکبرؑ کے، تڑپتا تھا جو دل، سینے میں
بس جگر ہی پہ رہے، بانوے ناچار کے ہاتھ

بھوکے پیاسے رہے زنداں میں حرم! واہ رے صبر!
پر نہ پھیلایا کبھی، سامنے کفار کے، ہاتھ

پھر جو باندھا تو انھیں، اور بھی کس کر باندھا
شِمر نے کھولے بھی، گر عابدِؑ بیمار کے ہاتھ

قبر ننھی سی، جو اصغرؑ کی، بنائے رَن میں
کفن اتنا بھی نہ آیا، شہِؑ اَبرار کے ہاتھ

ننھی سی قبر پہ، اصغرؑ کے، چھڑکتے پانی
پانی اتنا بھی نہ آیا شہِؑ اَبرار کے ہاتھ

شِمر سینے پہ چڑھا جب تو دعا کی خاطر
طرفِ قبلہ اُٹھے، سیّدِ اَبرار کے ہاتھ

خوف کیا دشمنِ بے دیں کا، دبیرِؔ غم گین
آبرو تیری ہے ہر دم، شہِؑ اَبرار کے ہاتھ

۳۰

سلام

مجرائی! اس سکینہ کے باندھے رسن میں ہاتھ
رہتے تھے جس کے، گردنِ شاہ زمنؑ میں ہاتھ

جس کا رہے سلام امام زمنؑ میں ہاتھ
بہرِ دُعا بلند کریں، شہؑ کفن میں ہاتھ

اے مجرائی! بندھیں جو حرم کے رسن میں ہاتھ
مشکل کشا، نہ غم سے ملیں کیوں کفن میں ہاتھ

صغراؑ نے خط میں شاہؑ کو تاکید یہ لکھی:
کھانا سفر میں کھانا تو، دھونا وطن میں ہاتھ

رونے کی جا ہے، شادی کبریٰؑ کا انقلاب
کنگنے میں شب کو ہاتھ تھا، دن کو رسن میں ہاتھ

لاریب! شش جہت میں وہی سر بلند ہے
جو سر پہ مارتا ہے، غم پنجتنؑ میں ہاتھ

کھینچی ازل کے روز، جو عباسؑ کی شبیہ
نقاش صنع نے نہ بنائے بدن میں ہاتھ

کنگنا بندھا جو ہاتھ میں کبریٰ کے، بولی مرگ:
واحسرتا! بندھیں گے یہی، کل رن میں ہاتھ

بزمِ یزید میں گئے، شانے بندھے حرم
کیوں کر ملیں نہ شیعہ، ہر اک انجمن میں، ہاتھ

بولی بتولؑ: عرش نہ جب تک ہلاؤں گی
ہرگز قرار سے نہ رہیں گے، کفن میں ہاتھ

سجادؑ بولے: شکر و دعا کس طرح کروں
طوقِ گراں میں میرا گلا ہے، رن میں ہاتھ

کہتے تھے شانہ چوم کے، عباسؑ کا، علیؑ
کٹوائیو! غلامیِ شاہ زمنؑ میں، ہاتھ

پانی، سرشکِ صاحب ماتم سے، دیں اگر
پیدا ہوں شاخِ گل کے عوض، ہر چمن میں ہاتھ

آتی تھی نوجوانی، اکبرؑ جو ان کو یاد
سب نوجوان ملتے تھے، روکر وطن میں، ہاتھ

عابدؑ کے ہاتھ کی یہ، لکیروں میں تھا لکھا
اک روز بے گناہ، بندھیں گے، رن میں ہاتھ

سجادؑ بولے: خلق خدا لعن کرتی ہے
کس کس کے، اے یزید! تو دے گا دہن میں ہاتھ

جب تک نہ ہوئے علم سے، کچھ بہرہ، اے دبیر
کوئی نہ ڈالے، مرثیہ گوئی کے فن میں، ہاتھ

۳۱

سلام

مُجرئی! بعدِ فنا بھی نہ اُٹھے واں سے، شہید
انس رکھتے تھے عجب، گنجِ شہیداں سے، شہید

روزِ محشر میں شہادت کی سند ہووے گی
اس لیے خون چھڑاتے نہ تھے داماں سے، شہید

بہرِ تعظیمِ نبیؐ جبکہ اُٹھی، لاشِ حسینؑ
معجزہ دیکھ کے یہ، ہو گئے حیراں سے، شہید

بنتِ زہراؑ کو جونہی باسرِ عُریاں دیکھا
روئے مقتل میں، عجب نالہ و افغاں سے، شہید

لاشِ شہؑ سے یہ حسنؑ بولے اگر ہم ہوتے
ہونے دیتے نہ تمھیں خنجرِ بُرّاں سے شہید

خشک تھا حلق، نہ خنجر کی زباں بھی ہوئی تر
اور سیراب ہوئے، خنجرِ برّاں سے، شہید

پھینک ساغر کو زمیں پر، یہ حسنؑ کہنے لگے
بھائی تم ہو گئے، عجب ظلمِ فراواں سے شہید

چشمِ زخم آئے نہ شبیرؑ پہ، اے بارِ خدا!
یہ دعا مانگتے تھے پنجۂ مژگاں سے شہید

روزِ عاشور کو، وہ عید کا دن سمجھے تھے
سرِ شبیرؑ پہ قرباں ہوئے سَو جاں سے، شہید

ہر لبِ زخم سے آتی تھی صدا یا سرورؑ
رَن میں، حُر ہوتا تھا جب، تیروں کے باراں سے، شہید

دفن کرنے لگی لاشوں کو جونہی، قومِ اسد
راہِ اعجاز سے بولے، دلِ سوزاں سے شہید!

دستِ کفار سے مدفوں نہ ہوئے ہم، صد شکر!
شکر ہے! دفن ہوئے دستِ مسلماں سے، شہید

تیرِ غم سیکڑوں، سرورؑ کے کلیجے پہ لگے
علی اصغرؑ جو ہوا، تیر کے پیکاں سے شہید

ساتھ زہراؑ کے، ہر ایک حور جو روتی آئی
رَن میں بیدار ہوئے نالہ و افغاں سے، شہید

ہو کے یاور، رہے، شبیرؑ کے ہم، تشنہ دہن
حوضِ کوثر پہ یہ بولے شہؑ مرداں سے، شہید

کپڑے تو خوں میں بھرے، ہاتھوں پہ سر اپنا دھرے
حشر میں، آئیں گے، اس طرح کے ساماں سے، شہید

سر کٹا کر تو سبک بار ہوئے وہ، رَن میں
پر گراں بار ہوئے، رحمتِ یزداں سے، شہید

ہم کو کچھ فخر نہیں، آپ کے آگے، واللہ!
خُلد میں کتنے تھے، یہ اصغرؑ ناداں سے، شہید

قطعہ

شہؑ نے قاصد سے کہا: فاطمہؑ سے کہہ دینا
ہو گیا باپ ترا، خنجرِ برّاں سے، شہید

بھائیوں کی جو خبر پوچھے، تو دینا یہ خبر
اِک سِناں سے ہوا، اِک تیرِ کے پیکاں سے، شہید

تُجھ کو بخشائے گا خالق سے، وہ محشر میں دبیرؔ!
کربلا میں جو ہوا خنجرِ برّاں سے، شہید

۳۲

سلام

مجرائی! کہا شہؑ نے کہ یارا نہیں اصغرؑ!
چھوڑیں تمھیں جنگل میں، گوارا نہیں اصغرؑ!

عباسؑ ہوئے قتل سدھارے علی اکبرؑ
تم بھی موئے، اب کوئی ہمارا نہیں اصغرؑ

گہوارے میں پھر جا کے جو میت کو لٹایا
ماں بولی کہ اب ضبط کا یارا نہیں اصغرؑ

اے لال مرے! کس کی نظر لگ گئی تم کو
دنیا کا جو، اب تم کو، نظارا نہیں اصغرؑ

میت کو بھی چھاتی سے، لگائے ہوئے رکھوں
پر زندوں میں مردے کا، گزارا نہیں اصغرؑ

پھر لاش کو لپٹا کے کلیجے سے، یہ بولے:
واللہ! ترا ہجر گوارا نہیں اصغرؑ

بو قبر کی آتی ہے، ترے مردے سے، اور آہ!
تربت میں ابھی تجھ کو اتارا نہیں اصغرؑ

کس طرح سے بابا تجھے مقتل میں لٹا دے
جنگل کو تو بانو نے بہارا نہیں اصغرؑ

تم گھٹنیوں صغرئ کے لیے جاتے، و لیکن
قابو میں، کوئی پاؤں تمھارا، نہیں اصغرؑ!

بے کس کہوں، سید کہوں یا بے کفن، اے لال!
نام اتنے ہیں، اک نام تمھارا نہیں، اصغرؑ!

ظالم نے کلیجے پہ مرے، تیغ پھرائی
یہ تیر، گلے پر ترے مارا نہیں اصغرؑ

کیا جھولا جھلاؤں تمھیں ہو خوابِ اجل میں
تابوت ہے، گہوارہ تمھارا نہیں اصغرؑ!

نے دودھ بڑھایا، نہ تیری سالگرہ کی
نکلا، کوئی ارمان، ہمارا نہیں اصغرؑ!

پانی کے عوض ماں سے کفن مانگتے اس دم
پر کیا کرو یاد اس کا اشارا نہیں اصغرؑ

کرنا نہ گلا تیر سے ماں نے نہ بچایا
کیا میرا گنہ، تم نے پکارا نہیں اصغرؑ

پانی کو تیرستا ہوا بے شیر، جہاں سے
تم سا کوئی کم عمر، سدھارا نہیں اصغرؑ!

نہلاؤں تیری چھوٹی سی میت کو میں کیوں کر
کوثر کا، تو نزدیک کنارا، نہیں اصغرؑ!

پیاسے رہے، مارے گئے، اَب لاش ہے بے گور
قسمت کے لکھے سے، کوئی چارا نہیں، اصغرؑ!

دو لاش مری گود میں، لپٹاؤں گلے سے
ب تم نہ کرو پیار تمھارا نہیں اصغرؑ!

تھا ورد یہ بانوؑ کا، دبیرؔ جگر افگار!
تم مر گئے، اب کوئی سہارا نہیں اصغرؑ

۳۴

سلام

کیوں نہ پھر، آہ! کہ گزریں فلک پیر سے تیر
پار مجرئی! جب ہوں، تن شبیرؑ سے تیر

چل رہے تھے یہ پیاپے صف بے پیر سے تیر
جا کے مل جاتا تھا، اے مجری! جو تیر سے تیر

شہؑ سے اصغرؑ نے اشارہ کیا، زخمی ہو کر
ہے فزوں ذائقے میں ذائقۂ شیر سے تیر

چھے مہینے کا تو سن اور جدائی ماں کی
وا دریغا! کہ ملا گردن بے شیر سے تیر

شاہ کہتے تھے: ہوئے روزِ ازل، جب تقسیم
میرے لشکر کو ملے، لشکر بے پیر سے تیر

ہم کو شمشیر ملی، نیزہ علی اکبرؑ کو
ہاتھ اصغرؑ کے لگا، خواہش تقدیر سے، تیر

ب موتی رقضا: موت رفراق: جدائی رپاسبانی: نگہبانی رلاغر: دبلا ررفاقت: دوستی رخستہ: تھکا ماندہ

سینہ نیزوں کی طرف چشم کماں داروں پر
شاہؑ کھاتے تھے عجب عزت و توقیر سے تیر

رفقا کہتے تھے: دیتے ہیں یہ پیغام بہشت
بخدا! خوب ہیں ہم کو زر و جاگیر سے تیر

مومنو! شوقِ جراحت یہ، دل شاہ میں تھا
نہ گرا خاک پہ کوئی، تن شبیرؑ سے تیر

بولی زہراؑ کہ کیا جسم یہ سارا غربال
کیا، نہ آگہ تھے؟ میرے لال کی توقیر سے، تیر

بولے عابدؑ کہ مرے ہاتھ نہ باندھو! یارو!
کہ نکالوں گا میں، لاشِ شہِؑ دلگیر سے، تیر

آئی آواز کہ واری! نہ کرو فکر ذرا!
فاطمہؑ کھینچ رہی ہے تنِ شبیرؑ سے تیر

تنِ شبیرؑ پہ ناوک یہ لگے تھے پیہم
کہ جگہ بیٹھنے کی مانگتا تھا تیر سے تیر

شمر سے کہتے تھے عابدؑ، کہ مرے نالے سے
ہوں مقابل نہ مرے، آہ کی تاثیر سے، تیر

جا بجا اس میں، یہ سوراخ نہیں ہیں، ظالم!
ہیں مری آہ کے گزرے، دلِ زنجیر سے تیر

جبکہ مشکیزہ چھدا، تب یہ پکارے عباسؑ
حیف ہے! رک نہ سکا، پنجۂ تقدیر سے تیر

شاہؑ کہتے تھے، کہ انگشتِ شہادت ہیں یہ
آگہی رکھتے ہیں، کفار کی تقصیر سے، تیر

شہؑ نے فرمایا: لکھوں عرضِ صغریٰؑ کا جواب
گر نہ برسیں کوئی دم، لشکرِ بے پیر سے تیر

گو سیاہی نہیں، ہیں زخم دواتِ شنجرف
خامے کی طرح تراشوں، ابھی شمشیر سے، تیر

سینۂ دشمنِ حیدرؑ کو، یہ کرتے ہیں فگار
اے دبیر! اب تو تجل ہو، مری تقریر سے تیر

بھائی کا سر دکھاتی ہے، دَر دَر پھراتی ہے
زینبؑ کو فوجِ ظلم ہے، کیا کیا ستا رہی

اُٹھتے ہیں تعزیے شہؑ دیں کے، جو اے دبیرؔ!
کیا کیا ہر اِک مکاں پہ، اداسی ہے چھا رہی

۷۳

سلام

(شہادتِ حضرت علیؑ)

سلامی! ہر طرف شور و بُکا ہے
وداعِ حضرتِ مشکل کشاؑ ہے

غمِ حیدرؑ میں جو آنسو بہا ہے
وہ، اے مُجرائی! دُرِّ بے بہا ہے

وداعِ مرشدِ جبریلؑ ہے آج
وداعِ نائبِ خیرالورا ہے

محبّو! روؤ! ماتم ہے علیؑ کا
عزادارو! عزائے مرتضاؑ ہے

کہو تم: وا علیاؑ! وا علیاؑ!
یہی غُل، درمیانِ انبیاؑ ہے

تزلزل مسجدِ کوفہ میں ہے آج
ستونِ کعبۂ ایماں گرا ہے

گلا جس کا بندھا تھا رِیسماں میں
وہی مظلوم، اب زخمی ہوا ہے

کہا تھا "دمکَ دمّی" نبیؐ نے
علیؑ کا خون مسجد میں بہا ہے

اٹھے گا صبح کل، تابوتِ حیدرؑ
فقط اِک شب کا مہماں، مرتضاً ہے

الایا عین جودی واسعد نیا
یہی کلثومؑ کی اس شب صدا ہے

الا فابکی امیر المومنینا
کہ اس رونے کی، عقبیٰ میں جزا ہے

پڑھے گا کون خطبہ عید کے روز
شبِ بست و یکم شہؑ کی قضا ہے

قطعہ

محبّو! پہلوے عرشِ خدا میں
عیاں تصویرِ شاہِؑ لافتا ہے

مگر اس شب کو ہے وہ شکلِ پُرخوں
فرشتے کہتے ہیں: یا رب! یہ کیا ہے؟

ندا آتی ہے عرشِ کبریا سے:
فرشتو! وقتِ فریاد و بُکا ہے

علیؑ ابنِ ابی طالب مرا شیر
ابھی تلوار سے زخمی ہوا ہے

یہ سُن کے روتے ہیں سارے ملائک
بہ زیرِ عرش، سامانِ عزا ہے

علیؑ کا مرثیہ پڑھتا ہے جبریلؑ
علیؑ کا صاحبِ ماتم، خدا ہے

سر اپنا پیٹ کر کہتی ہیں حوریں
عزائے شوہرِ خیرالنساءؑ ہے

قطعہ

کہیں گے، کعبے میں کل آ کے جبریلؑ
کہاں ہے؟ تجھ میں جو پیدا ہوا ہے

صدا کعبے سے، یہ ہوئے گی پیدا
نجف کی خاک میں وہ دُر چھپا ہے

قطعہ

کسی نے، بجز علیؑ قاتل کو اپنے
دمِ افطار شربت بھی دیا ہے ؟

علیؑ ایسے سخی تھے، وا دریغا!
حسینؑ ابن علی پیاسا موا ہے

قطعہ

پکڑ کر ابنِ ملجم کو جو لائے
کہا اصحاب نے: اَب حکم کیا ہے؟

بہ شفقت پوچھا قاتل سے علیؑ نے
خطا ہے میری یا تیری خطا ہے ؟

کیا بن باپ کا، بچّوں کو میرے
یہی احسان کا میرے صلا ہے؟

دیا زینبؑ کو، کیوں داغِ یتیمی؟
لحد میں نعرہ زن خیرالنساءؑ ہے

سزا وارِ امامت، کیا نہ تھا میں؟
علیؑ سا اور کوئی پیشوا ہے؟

لگایا زخم وہ تو نے کہ جس کا
نہ بخیہ ہے، نہ مرہم، نے دوا ہے

کہا قاتل نے: ہو تم پاک و معصومؑ
جو کچھ تعذیر ہو، مجکو بجا ہے

علیؑ کو آ گیا اِک جوشِ رحمت
یہ اندازِ رحیمی بھی جدا ہے

کہا: کھولو مرے قاتل کی مشکیں
امیرالمؤمنیں مشکل کشا ہے

علیؑ نے ہاتھ قاتل کے بھی کھلوائے
سو ان کی آل پر تازہ جفا ہے

رسن میں بازوے کلثومؑ و زینبؑ
کمند و گردنِ زین العباؑ ہے

قطعہ

شبِ بست و یکم کا حال یارو!
مفصّل یوں روایت میں لکھا ہے:

دیا دستِ حسنؑ میں ہاتھ سب کا
کہا: تو وارثِ آلِ عباؑ ہے

نہ کی عباسؑ کی پر کچھ سفارش
حرم حیراں تھے، یہ کیا ماجرا ہے

پھرایا منہ جو حیدرؑ نے تو دیکھا
سرِ عباسؑ، زانو پر جھکا ہے

یہ چپکے چپکے وہ کہتا ہے ماں سے :
بھلا امّاں! مری تقصیر کیا ہے ؟

نہ سونپا کیوں مجھے، بھائی حسنؑ کو
مجھے ہم چشموں سے شرم و حیا ہے

مگر عباسؑ کم رتبہ ہے سب میں
یا وہ بابا مرا، مجھ سے خفا ہے

کہا حیدرؑ نے: اے عباسؑ پیارے!
سنیں تو ہم بھی، تو کیا کہہ رہا ہے

نہ سونپا اس لیے تجکو حسن کو
ترا مالکِ شہیدِؑ کربلا ہے

کہا شبیرؑ سے: بیٹا! خبردار!
تمھیں عباسؑ کو، ہم نے دیا ہے

یہ تم پر کربلا میں ہو گا صدقے
بہادر ہے بڑا، اہلِ وفا ہے

یہی سترٌ دو تن کا ہے علمدارؑ
یہی سقائے آلِ مصطفیؐ ہے

صدا، ناگاہ، زہراؑ کی یہ آئی:
ابھی سے فاطمہؑ اس پر فدا ہے

جزاہ اللہ فی الدارین خیرا
جو کوئی عاشقِ آلِ عبا ہے

دبیرِ خستہ دل! خاموش! خاموش!
دعا کر حق سے، یہ وقتِ دُعا ہے

maablib.org

۴۷

سلام

کربلا میں جو، سلامی! شہؑ والا آئے
واسطے لڑنے کے ہر سمت سے اَعدا آئے

آیا فردوس میں اصغرؑ، تو کہا حُوروں نے:
کیا گئے عالمِ فانی میں، بھلا کیا آئے

یوں قضا بولی کہ محنت ہے تمھاری برباد
جب کہ عباسؑ علی، برلبِ دریا آئے

غش کے عالم میں بھی کہتی تھی یہ صغریٰؑ: صد حیف!
نہ تو اکبرؑ ہی پھرے، اور نہ بابا آئے

کوئی صغریٰؑ کو جگاتا، تو یہ کہتی اٹھتی
لوگو! بتلاؤ کہ کیا کوفے سے بابا آئے؟

غش سے ہوش آیا جو قاسمؑ کو، تو سرورؑ سے کہا:
میں نے دیکھا کہ ابھی خلد سے بابا آئے

پیٹھ پہ ہاتھ مری پھیر کے بولے شاباش!
خوب تم کام مرے، اے مرے بیٹا! آئے

زیرِ خنجر بھی یہ تھا خوف، شۂ مضطر کو
کہیں میداں میں نہ ہمشیر مبادا آئے

شاہؑ کہتے تھے کہ راحت میں سمجھتا ہوں اُسے
راہِ حق میں جو میری سمت کو اِیذا آئے

قطعہ

حُر، دمِ نزع یہ کہتا تھا کہ چوموں میں قدم
یا الٰہی! کہیں جلدی مرا مولاؑ آئے

اتنے میں آئے شۂ دیں، تو یہ حُر کہنے لگا
کیا مری یاد پہ تم، اے مرے آقا! آئے؟

کہا صغریٰؑ سے سکینہؑ نے، حنا بندی کے وقت:
دھیان، اے بی بی! تمھارے مجھے کیا کیا آئے

قطعہ

لاشِ شہؑ نے کہا جبریلؑ سے: تم کہہ دیجو!
لیعنی، اب تک نہ مری لاش پہ نانا آئے

اتنے میں احمدِؐ مرسل جو وہاں آئے، دبیرؔ!
بولے جبریلؑ: نبیؐ! آپ ہی اس جا آئے

۷۵

سلام

ہر ایک ذرّہ کب، اے مُجرئی! حساب میں ہے
کہ سوزِ ماتمِ شبیرؑ، آفتاب میں ہے

سلامی! ابنِ علیؑ تو سوالِ آب میں ہے
زبانِ تیغ سے، ہر اک عدو، جواب میں ہے

کہاں حسینؑ کا لشکر، کہاں سپاہِ یزید
کہ وہ ثواب میں ہے اور یہ عذاب میں ہے

جو کربلا میں مُوا، وہ نکیر و منکر سے
سوال میں ہے، نہ اندیشۂ جواب میں ہے

حسینؑ امام تو پیاسے رہے، نہ برسا یہ
عجب ہے یہ کہ تَری کس لیے سحاب میں ہے

قطعہ

زہے حسینؑ! کہ عمرِ عزیز زائر کی
جو صرفِ آمد و شد ہو نہیں حساب میں ہے

گئے ہیں جو، وہی آگاہ ہیں کہ کیا حشمت
عیاں رواقِ امامِ فلک مآب میں ہے

دخیل ہو کوئی زائر تو بولتے ہیں مَلک
خموش باش! کہ سبطِ رسولؐ خواب میں ہے

شہید، اصغرؑ غنچہ دہن ہوا، سو ہنوز
حجاب سے دہنِ غنچہ، سو نقاب میں ہے

حسینؑ کہتے تھے: اے ذوالجناح! ٹھہر کے چل!
کہ روحِ فاطمہؑ زہراؑ مری رکاب میں ہے

بنی تو روتی تھی گھونگھٹ میں، خلق کہتی تھی:
بنا تو قتل ہوا اور دُلھن حجاب میں ہے

پسینہ پونچھتے اصغرؑ کا اور یہ کہتے تھے شاہؑ:
جو اس میں بُو ہے، یہ نکہت نہیں گلاب میں ہے

کہا بتولؑ نے: شاید حسینؑ پیاسے ہیں
کہ موجِ چشمۂ کوثر کی پیچ و تاب میں ہے

براتی قاسمِؑ نوشہ کے، کہتے تھے لبیک
کہ ہے جو خون میں سرخی، وہی شباب میں ہے

حسینؑ امام نے رو کر کہا یہ اکبرؑ سے
کہ آرزو تمھیں مرنے کی، اس شباب میں ہے

فلک! زمیں پہ تُو اس وقت، گِر نہیں پڑتا
سرِ امامِ زماں، مجلسِ شراب میں ہے

بیادِ تشنگیِ شہؑ، اُلٹ گیا ساغر
بجز ہوا، نہیں کچھ کاسۂ حباب میں ہے

حرم تو بلوے میں، پردے میں دخترانِ یزید
زمانہ، دیکھو کہ کس درجہ انقلاب میں ہے

میں ورثہ دارِ علیؑ ہوں، پکارتے تھے حسینؑ
کہ آج ریش، مرے خون کے خضاب میں ہے

جو رَن میں آتی تھی بُو، جسم سے شہیدوں کے
کہا وہ نکہتِ جاں بخش، مشکِ ناب میں ہے

زہے حسینؑ کہ کہتے تھے: ٹھہر ٹھہر! اے شمر!
عجب مزہ، تری تیغِ رواں کے آب میں ہے

حرم سے، صبحِ شبِ قتل، شاہؑ کہتے تھے:
مری سکینہؑ کو چونکانا مت! کہ خواب میں ہے

جلے جو معرکۂ کربلا میں دل سب کے
اُسی سے سوز و گداز، آج تک کباب میں ہے

کسی نے شہؑ کے پسینے سے دی ہے جو تشبیہ
یہی سبب ہے جو خوشبو بہت گلاب میں ہے

خیالِ غارتِ اہلِ حرم جو گزرا ہے
تنِ حسینؑ، پس از قتل، اضطراب میں ہے

شہید و بے کس و مظلوم و بے دیار و غریب
ہر ایک لفظ یہ، شبیرؑ کے خطاب میں ہے

قطعہ

درِ خیام سے گھوڑا جو چل کے ٹھیر گیا
پکارے شہؑ: تو رُکا کیوں؟ رہِ صواب میں ہے

تو ذُوالجناح نے رُو کر کہا: چلوں کیوں کر
سکینہؑ آپؑ کی، لپٹی ہوئی رکاب میں ہے

نگاہِ مہر کر، اے شاہؑ! مدح گویوں میں
دبیرؔ بھی ترے اربابِ انتخاب میں ہے

۷۶

سلام

سلامی! ذرّہ نہ دوں، آفتاب کے بدلے
نہ لوں میں عرش، درِ بوترابؑ کے بدلے

زہے حسینؑ کہ سازند سبحہ از خاکش
ہے خاک، ذکر میں گویا، جناب کے بدلے

نہ ٘رزو کوئی باقی تھی شاہؑ کو، دمِ ذبح
کہ آبِ تیغ ہی کافی تھا، آب کے بدلے

پہ شوقِ ذکرِ خدا تھا سو اب بذکرِ خدا
تراب ہے، خلفِ بوترابؑ کے بدلے

ہے قطع فاطمہؑ پہ جامۂ عزاداری
نہ کپڑے، بعدِ رسالتؐ مآب کے، بدلے

عرقِ گل، رخِ سرورؑ کا، عیدِ عاشورا
شہید عطر تھے ملتے گلاب کے بدلے

جگہ کسی نے بھی قاتل کو دی ہے سینہ پہ
یہ خُلقِ شہؑ تھا عدو سے، عتاب کے بدلے

چھپاری ہے فلک گنبدِ رواقِ حسینؑ
ظہور شمس کا ہے، آفتاب کے بدلے

فلک کا بخل تو دیکھو کہ بہتے دریا پر
حسینؑ امام کو دی پیاس، آب کے بدلے

ہوئی جو ماتمِ اکبرؑ میں، شہؑ کی ریش سفید
لگایا خونِ پسر کا، خضاب کے بدلے

وہ ریگِ گرم، وہ تپتی ہوئی زمیں، وہ دھوپ
یہ فرش شہؑ کو ملا، فرشِ خواب کے بدلے

جلائے لشکرِ ناری نے، وہ خیامِ حسینؑ
تھے جن میں رشتۂ ایماں، طناب کے بدلے

سیاہ پوش حرم اور سُرخ پوش حسینؑ
فلک نے رنگ کیے، انقلاب کے بدلے

دعا حرم کی یہ پچھلے پہر سے تھی، شبِ قتل
عیاں ہو نیرِ حشر، آفتاب کے بدلے

دُلھن سے کہتا تھا، بلوے میں یہ سرِ نوشہؑ:
چھپالو بالوں سے منہ کو، نقاب کے بدلے

طناب: رسّی

یہ آیہ ہے کہ نہ ہوئے قصاص خونِ حسینؑ
جو قتل ہوں ثقلین، اُس جناب کے بدلے

کہا امامؑ نے: حجت میں ختم کرتا ہوں
لعینو! تیر نہ مارو! جواب کے بدلے

یہ کہہ کے اُٹھتی تھی سوتے سے، صبح دم صغریٰؑ
میں دیکھوں باپ کا منہ، آفتاب کے بدلے

اُٹھا یہ غُل کہ ہے معراجِ احمدِؐ ثانی
چلے جو مرنے کو اکبرؑ، جناب کے بدلے

پہنا کے پیرہنِ مصطفیٰؐ، کہا ماں نے:
بُراق چاہیے اسپ عقاب کے بدلے

دیا جو قاصدِ صغریٰؑ نے خط تو شہؑ نے کہا:
پیامِ مرگ ہے بھائی! جواب کے بدلے

کہا حسینؑ نے اکبرؑ کے رخ پہ دیکھ کے خط
خزاں رقم ہے، بہارِ شباب کے بدلے

کہا سکینہ کے سقّے نے گو نہ آب ملا
پر آبرو تو ملی ہم کو، آب کے بدلے

احمدِ ثانی: احمد کی مثال (مراد حضرت علی اکبرؑ) / بُراق: برقی سواری جس پر حضورؐ نے معراج کا سفر کیا

اُدھر تو لشکرِ اعدا تھا صرفِ مے خواری
ادھر تھی بادۂ کوثر، شراب کے بدلے

قمر صفت تھا فلک سیر ذوالجناحِ حسینؑ
اِدھر اُدھر مہ نو تھے، رکاب کے بدلے

جو بے ولائے ائمہ ہیں، صرفِ صوم و صلوٰۃ
عذاب اُن کو ملے گا، ثواب کے بدلے

شفیعِ روزِ قیامت کے آلؑ اور محبوس
نہ حشر کیوں ہوا، اس انقلاب کے بدلے

یہ قید میں تھی شکوہِ سواریِ سجادؑ
سپاہِ غم، رُفقائے جناب کے بدلے

عنانِ صبر بکف، مرکبِ رضا تہِ ران
قدم میں بیڑی کا حلقہ، رکاب کے بدلے

جو قتل ہوتا تھا پیاسا، بہت تڑپتا تھا
یہ صبر شہؑ نے کیا، اضطراب کے بدلے

پکاری فاطمہ صغریٰؑ! حسینؑ قتل ہوئے
لہو فلک سے جو برسا، سحاب کے بدلے

مے خواری: شراب نوشی۔ مہِ نو: پہلی کا چاند

عمر سے حالِ شہیداں جو پوچھا، حاکم نے:
تو گن کے سر دیے، فردِ حساب کے بدلے

سکینہؑ بلوے میں، اپنا پھٹا ہوا کُرتا
اُلٹ کے رکھتی تھی منہ پر، نقاب کے بدلے

امامِؑ عرش نشیں گھوڑوں سے ہوا پامال
فلک نہ گر پڑا، اس انقلاب کے بدلے

چڑھے جہاد پہ جو صبح، غازیانِ مُسن
تو رنگِ عکسِ شفق تھا، خضاب کے بدلے

مثال، قبلہ نما کو، جو دل سے شاہؑ کے دوں
قرار قطب کا ہو، اضطراب کے بدلے

لقب رسولؐ کا اُمّی تھا، پر بفضلِ خدا
پڑھا تھا علمِ لدُن، ہر کتاب کے بدلے

نبیؐ مدینۂ علم اور اُس مدینہ میں
کنندۂ درِ خیبر ہے، باب کے بدلے

دلِ بتولؑ پر اُنّیس سَو اور ایک ہیں داغ
جراحتِ تنِ شہؑ کے حساب کے بدلے

غازیاں مُسن: بڈھے غازی (مجاھد) خضاب: رنگ جو بالوں میں لگاتے ہیں/ علمِ لدن: الٰہی علم/ کنندہ: اکھاڑنے والا/
باب: دروازہ/ جراحت: زخم

سکینہؑ، باپ سے چُھٹ کر، نہ ایک دم سوئی
پَر آیا خواب اجل، اُس کو خواب کے بدلے

نہ کیوں، حسینؑ کے روضہ میں ہو دعا مقبول
کہ نصب بابِ اجابت ہے، باب کے بدلے

کیا جو حُر کو ہراول امامؑ نے اپنا
تو اُس نے سر دیا، نذرِ خطاب کے بدلے

دبیرؔ! مجھ کو جو آٹھوں بہشت دے رضواں
نہ لوں میں ایک درِ بوترابؑ کے بدلے

اجل: موت/مقبول: مستجاب/ بابِ اجابت/دعا کے دروازے

۷۷

سلام

بزمِ ماتم میں جو با چشمِ پُر آب آتا ہے
پیشوا لینے کو، مجرائی! ثواب آتا ہے

کہتی تھی فاطمہؑ، شبیرؑ کو کچھ دُکھ پہنچا
آج تربت میں جو مجکو، نہیں خواب آتا ہے

شاہؑ نے حُر سے کہا: روک لے گھوڑے کی عناں
شیرِؑ حق، تھامے ہوئے تیری رکاب آتا ہے

بولی زینبؑ کہ بُنا جاتا ہے، منہ سے بولو!
کہا کبریٰؑ نے اشارے سے: حجاب آتا ہے

رات کو کہتی تھی کبریٰؑ کہ کروں کیا نالے
نہ قضا آتی ہے، نے آنکھوں میں خواب آتا ہے

فضہ دیتی تھی سکینہؑ کو دلاسا کہ نہ رو
لے کے عمّو ترا مشکیزۂ آب آتا ہے

پیشوا: رہبر، امام/ تربت: قبر/ عناں: مہار/ بنا: دولھا/ نالے: رونے کی آواز/ قضا: موت

دیکھ کر چودھویں کا چاند، یہ زینبؑ نے کہا:
یاد اکبرؑ کا مجھے عہدِ شباب آتا ہے

روزِ عاشور صدا آتی تھی یہ دریا سے:
آلِ احمدؐ سے مجھے، آج حجاب آتا ہے

کربلا کو جو کوئی جاتا ہے، کہتے ہیں ملک
لُوٹنے کو یہ دوعالم کا ثواب آتا ہے

حوروں سے کہتا تھا رضواں کہ بہار و جنّت!
آج جنّت میں شہِ عرش جناب آتا ہے

حُر نے یہ ساقیِ کوثر سے کہا، کوثر پر:
مرے مولاؑ کو میسّر نہیں آب، آتا ہے

دیکھ کر زخم تنِ شہؑ پہ، کہا زہراؑ نے:
اتنے زخموں کا، نہیں مجکو حساب آتا ہے

کہا کبریٰؑ نے نہیں بولتے ہم سے زنہار
خواب میں بھی مرے دُلھے کو حجاب آتا ہے

یا حسینؑ ابن علیؑ! آپ کے روضے پہ دبیر
یاد فرماؤ اگر ہم تو، شتاب آتا ہے

زنہار: ہرگز۔ شتاب: جلدی

۷۸

سلام

نبیؐ کو، مُجرائی! غم بے حساب ہوتا ہے
کہ کنبہ فاطمہؑ کا بے نقاب ہوتا ہے

رقم جو مرتبہؑ بوترابؑ ہوتا ہے
ہر ایک شعرِ سلام، آفتاب ہوتا ہے

رواں یہ، چشمِ سلامی سے، آب ہوتا ہے
کہ قطرے قطرے سے سائل، سحاب ہوتا ہے

یہ کربلا کا شرف ہے، جو دفن ہو اُس جا
لحد میں اُس پہ نہیں، کچھ عذاب ہوتا ہے

چلے حسینؑ سفر کو تو کہتی تھی صغریٰؑ:
دُہائی حق کی! مدینہ خراب ہوتا ہے

قطعہ

کہا حسینؑ نے: رہ رہ کے کر نہ ذبح مجھے
کہ صدمہ دل پہ مرے، بے حساب ہوتا ہے

دُہائی: فریاد

تو شمر ہنس کے یہ بولا کہ اے شہِؑ بے کس
بتولؑ روتی ہے، مجھ کو ثواب ہوتا ہے

بوقتِ ذبح، صدا آئی: مژدہ باد حسینؑ!
کہ تیرا شاہِ شہیداں خطاب ہوتا ہے

بہا کے اشک کی تسبیح کو شمار کیا
پہ زخمِ شہؑ کا نہیں کچھ حساب ہوتا ہے

حسینؑ ہوتے تھے جب ذبح، کہتی تھی زینبؑ:
قضا کا وقت نہیں، انقلاب ہوتا ہے

کہا یہ طوعہ سے مسلمؑ نے: کوچ ہو گا سحر
تمھارے گھر میں مرا پا تراب ہوتا ہے

ہلا جو مرقدِ حیدرؑ، مجاوروں نے کہا:
شہید اب، پسرِ بوترابؑ ہوتا ہے

کہا یہ شمر سے زینبؑ نے: لے رِدا نہ مری
کہ سر برہنہ رسالت مآبؐ ہوتا ہے

جھکایا سر تہِ خنجر جو حُر نے، شہؑ بولے:
نبیؐ کے مُجرے سے تو باریاب ہوتا ہے

رسولؐ زادیوں کو دیتی ہے ردا، شیریں
سرِ حسینؑ کو کیا کیا حجاب ہوتا ہے

کہا یہ ہند کی بیٹی نے: اے سکینہؑ! نہ رُو!
کہ تیرے غم میں مرا زہرا آب ہوتا ہے

کہا سکینہؑ نے: سوتی تھی شہؑ کے سینے پر
اور اب تو خاک پہ سر، وقتِ خواب ہوتا ہے

بتولؑ کہتی تھی رَو رَو کے، لاشِ اکبرؑ پر
کسی کا یوں نہیں ضائع شباب ہوتا ہے

دبیرؔ! روضۂ شہؑ میں جو ہوئے مستدعی
ہر ایک مقصدِ دل، مستجاب ہوتا ہے

۷۹

سلام

جس گھڑی گرمیِ بازار، قیامت ہو گی
خلد، اے مُجرئی! ہر اشک کی قیمت ہو گی

مُجرئی! شہؑ کی، جو میداں میں شہادت ہو گی
کیسی ناموسِ پیمبرؐ پہ مصیبت ہو گی

غمِ شبیرؑ سے محشر میں شفاعت ہو گی
مُجرئی! وہ تو کلیدِ درِ جنّت ہو گی

بولے شہؑ! مُجرئی: گر میری شہادت ہو گی
عاصیوں کی تو قیامت میں شفاعت ہو گی

مُجرئی! کہتے تھے شہؑ: ہم پہ وہ آفت ہو گی
جو کوئی اُس کو سنے گا، اُسے رقت ہو گی

حُر نے یہ دل میں کہا: شہؑ کو اگر قتل کیا
حشر میں، تجھکو پیمبرؐ سے ندامت ہو گی

کلید: کنجی/ عاصیوں: گناہ گاروں

کہا عباسؑ نے: مت تیر لگاؤ! یارو!
ورنہ برباد، یہ ساری مری محنت ہو گی

کہا اَعدا نے: تو دَو مَشک ہمیں، تب یہ کہا:
مَشک دوں گا تو امانت میں خیانت ہو گی

کہا عابدؑ نے: جو میں طوقِ گراں پہنوں گا
مجھ میں، واللہ! کہ اٹھنے کی نہ طاقت ہو گی

تیغ عباسؑ نے کھینچی تو عمر کہنے لگا
اب عیاں حیدرِؑ صفدر کی شجاعت ہو گی

بولی بیٹوں سے یہ زینبؑ: جو نہ تم قتل ہوئے
مجھ کو زہراؑ و پیمبرؐ سے خجالت ہو گی

تب قیامت میں، عجب ہو گی قیامت برپا
داد خواہ آ کے جو خاتونِ قیامت ہو گی

پیار اکبرؑ کو جو شہؑ کرتے، وہ یہ کہتا تھا:
ہم جو مر جائیں گے، کیا آپ کی حالت ہو گی

لاشِ شبیرؑ سے عابدؑ نے کہا، مقتل میں:
میں نہ سمجھا تھا کہ یہ مجھ پہ مصیبت ہو گی

بیڑیاں پا میں پڑیں، طوقِ گراں گردن میں
اور ابھی راہ کی بھی، مجھ پہ مشقت ہو گی

حشر تک نام رہے گا، رفقا کہتے تھے
ہم کو دولت یہ، شہادت کی بدولت ہو گی

شہؑ نے زینبؑ سے کہا: دیکھ لو جی بھر کے مجھے
یہ ملاقات ہماری، بہ قیامت ہو گی

ایک شب کی یہ ملاقات غنیمت سمجھو
صبح، میدانِ شہادت میں شہادت ہو گی

دیکھ سر زانوے سرورؑ پہ، یہ حُر کہنے لگا:
مجھ کو معلوم نہ تھا یہ مری قسمت ہو گی

جا کے کوثر پہ کہا شاہؑ نے یہ کوثر سے:
آبِ خنجر سے فزوں، تجھ میں نہ لذّت ہو گی

دیکھ اکبرؑ کو لڑکپن میں، یہ کہتے تھے حسینؑ:
ہائے! اٹھارویں سال آپ کی رحلت ہو گی

قتل کی اپنے خوشی تھی، پہ یہ غم تھا شہؑ کو
دوزخی، ہائے! مرے نانا کی اُمّت ہو گی

عیاں: ظاہر رخجالت: شرمندگی رفزوں: زیادہ

دیکھ کر فاطمہؑ کو خواب میں سَر کھولے ہوئے
پوچھا زینبؑ نے کہ کیا صبحِ قیامت ہو گی

کہا زہراؑ نے کہ زینبؑ تجھے معلوم نہیں
کل ترے بھائی کی، میداں میں شہادت ہو گی

سجدۂ شکرِ خدا کر کے، تہِ تیغ حسینؑ
بولے: اب نیزے پہ قرآں کی تلاوت ہو گی

شہؑ کو زینبؑ نے دیا جامہ تو بیٹوں نے کہا:
ہم کو بھی آخری پوشاک عنایت ہو گی

ہند سے کہتی تھی زینبؑ: مجھے چادر نہ اُڑھا
بے کفن مردہ ہے شہؑ کا، مجھے خجلت ہو گی

بانو کہتی تھی کہ تم تو گئے مارے، اکبرؑ!
اب مدینہ میں، کہو کس کی زیارت ہو گی

مرگ کہتی تھی کہ تیغوں کو نہ بے آب رکھو!
آج، اے اہلِ ستم! پیاسوں کی دعوت ہو گی

نیزے والے سے یہ عباسؑ کا سر کہتا تھا:
جا سکینہؑ کے نہ آگے! مجھے خجلت ہو گی

جامہ: لباس، خجلت: شرمندگی

ننگے سر کہتی تھی بانو: نہ وطن چھوڑتی میں
گر سمجھتی کہ یہ پردیس میں ذلّت ہو گی

شمر سے شہؑ نے کہا: چڑھ نہ مرے سینے پر
سینہ مجروح ہے، زخموں میں اذیّت ہو گی

جب کہ پیدا ہوئے اصغرؑ تو کہا بانو نے
اب مرے گھر میں علیؑ کی بھی زیارت ہو گی

موج زن چشمۂ کوثر جو ہوا، بولے علیؑ:
میرے شبیرؑ پہ اب پیاس کی شدّت ہو گی

سینے کے زخم پہ ہاتھ اس لیے اکبرؑ نے رکھا
یعنی دیکھیں گے جو بابا، اُنھیں رِقّت ہو گی

جب سکینہؑ کو لگی پیاس تو بولے عباسؑ:
اب عنایت ہمیں سقّائی کی خدمت ہو گی

کٹ کے بولا سرِ شہؑ، دیکھ مدینہ کی طرف
اب تو، یا ختمِ رُسلؐ! بخششِ اُمّت ہو گی

شہؑ نے فرمایا: یہاں بند ہے دانہ پانی
باغِ فردوس میں، اے حُر! تری دعوت ہو گی

تیغ جب شاہؑ نے کھینچی تو فرشتوں نے کہا:
اب عیاں، فاطمہؑ کے شیر کی طاقت، ہو گی

بارہ رگڑوں میں گلا، شمر نے شہؑ کا کاٹا
کسی جلّاد میں ایسی نہ شقاوت ہو گی

لاشا شبیرؑ کا بے گور ہے، کہتی تھی زمین:
کیا نبیؐ سے مجھے، محشر میں خجالت ہو گی

شہؑ کے لاشے نے کہا: مجھ کو نہ پامال کرو
ورنہ شق، حیدرِؑ کرار کی تربت ہو گی

آئیں گے جب صفِ محشر میں حسینؑ ابنِ علیؑ
گود میں اصغرِؑ معصوم کی میّت ہو گی

شکر! صد شکر! ترے نامۂ عصیاں پہ دبیرؔ!
صدقۂ فاطمہؑ سے مہرِ شفاعت ہو گی

خوفِ محشر نہیں، دل میں مرے زنہار، دبیرؔ!
ہے یقیں، شاہؑ کے صدقے سے شفاعت ہو گی

کس طرح حشر میں ہوئے گی نجات اُس کی، دبیرؔ!
جس شقی کو شہِؑ مرداں سے عداوت ہو گی

عیاں: ظاہر/شیر: دودھ/شقاوت: بے رحمی/شق: پھٹنا/تربت: قبر/عصیاں: گناہ/زنہار: ہرگز/شقی: مردود/عداوت: دشمنی

۸۰

سلام

حشر میں، جوہریِ اشک، عزا دار ملے
مُجرئی! مول میں قصرِ دُرِ شہوار ملے

شیرِ خاتونِ قیامت کی جسے دھار ملے
مُجرئی! قہر ہے، اُس حلق سے تلوار ملے

یوں تو ایک ایک سے رخصت ہوئے مِل مِل کے حسینؑ
پر سکینہؑ کے گلے، رو کے کئی بار ملے

دی جگہ آبلوں میں، تا نہ خلش غیر کو ہو
پائے سجادؑ کو، رستے میں جہاں خار ملے

سرِ شہؑ دیکھا، چھڑی ہونٹوں کے اُوپر دیکھی
رَنج زینبؑ کو، نہ کیا کیا، سرِ دربار ملے

متفق حُبِّ علیؑ پر ہوں جو سب اہلِ جہاں
ایک بھی، پھر نہ قیامت میں گُنہ گار ملے

دُرِ شہوار: بڑا قیمتی موتی۔ آبلہ: چھالا۔ خلش: جلن

حشر میں نذرِ غمِ شاہؑ کا بدلا ہوا خواب
جس نے یاں اشک دیے، واں دُرِ شہوار ملے

شاہؑ کہتے تھے کہ سقائے حرم، سیفِ خدا
تم کو کیا کیا لقب، اے بھائی علمدارؑ! ملے

قطعہ

بولے سجادؑ، سپاہِ پسرِ حیدرؑ کو
جامِ کوثر کے ملے، خلد کے گلزار ملے

شکوہ لازم نہیں، مقسوم یہ اپنا اپنا
بیڑیاں ہم کو ملیں، طوق ملا، خار ملے

کان مجروح ہوے اور طمانچے کھائے
غم سکینہؑ کو یہ، بعد از شہِؑ اَبرار ملے

دردِ سر، فاقہ کشی، بے پدری، دَربدری
ہائے! پردیس میں عابدؑ کو یہ آزار ملے

بانو کہتی تھی: ترا فاتحہ دلواؤں گی
دودھ کے کوزے، گر اے اصغرِؑ دلدار! ملے

مقسوم: قسمت کا لکھا۔ مجروح: زخمی

آسماں رُوے زمیں پر، جو ابد تک ڈھونڈے
کوئی شبیرؑ سا مظلوم، نہ زنہار ملے

سرِ شبیرؑ سے کوفے میں یہ آتی تھی صدا:
پیار کر لوں، جو کہیں مسلمؑ غم خوار ملے

ہند آئی جو محل سے سرِ دربارِ یزید
اک رَسَن میں کئی سادات گرفتار ملے

اب تلک خاک اُڑاتی ہے وہاں آ کے بتولؑ
ہیں یہاں خاک میں شبیرؑ کے گلزار ملے

کیوں نہ گُل چاک گریباں ہوں زمیں سے پیدا
خاک میں، فاطمہؑ زہرا کا جو گلزار ملے

بدھیاں زخموں کی پہنے تھے جوانانِ حسینؑ
بیاہ میں قاسمِؑ نوشاہ کے یہی ہار ملے

شہداؑ کہتے تھے: قربانِ حسینؑ و عباسؑ
ایسے کس فوج کو، سردارؑ و علمدارؑ ملے

باپ کے سوگ میں سجادؑ، سدا زینبؑ کو
کبھی بے ہوش ملے اور کبھی ہشیار ملے

شام تک، راہ میں عابدؑ کو تمنا یہ رہی
دم میں لے لوں، جو کہیں سایۂ دیوار ملے

رَن میں بازارِ شہادت، جو قضا نے کھولا
سربکف، جنسِ شہادت کے خریدار ملے

دونوں فوجوں کو جو تقدیر نے دیکھا، دمِ جنگ
شہداؑ نور ملے، اہلِ جفا نار ملے

کیوں فلک! خیمہ سے گھبرا کے جو نکلی زینبؑ
حلق پر شہؑ کے، رواں خنجر خونخوار ملے

اب تلک تربتِ صغرائؑ نے فغاں ہے یہ بلند
ایسے بچھڑے کہ نہ پھر سیدِ اَبرار ملے

قطعہ

شہؑ سے صغرائؑ نے کہا یہ دمِ تسلیم: وداع!
جیتے جی خاک میں، اے کاش! یہ بیمار ملے

لونڈیوں کو بھی لیا، قبلۂ حاجات نے ساتھ
اک ہمیں درد جدائی کے سزاوار ملے

لاشِ اکبرؑ پہ یہ چلّاتے تھے، جھک جھک کے حسینؑ
ہو نہ بینائی، تو کیا لذتِ دیدار ملے

لائے اصغرؑ کو جو مولاؑ تو گلا چومنے کو
تیر، کھولے ہوئے رن میں، لبِ سوفار ملے

وصلِ معبود، ہم آغوشئ زہراؑ و رسولؐ
کیا مرے شہؑ کو، تہِ خنجرِ خوں خوار ملے

قطعہ

حُر جدا ہو کے عمر سے، جو چلا سوے حسینؑ
پشت پہ بہرِ مدد، حیدرِ کرار ملے

فوجِ اسلام میں آیا تو پکارا ہاتف:
ہو سروکار جو حق سے تو یہ سرکار ملے

بیٹا اٹھارہ برس کا جو چُھٹا، بولے حسینؑ:
جلد، اب میرے بھی حلقوم سے تلوار ملے

پاؤں عابدؑ کے جو منزل پہ، حرم نے دیکھے
ایک اک آبلہ میں، آہ! کئی خار ملے

حال صغرئؑ نے جو پوچھا تو یہ زینبؑ نے کہا:
دکھ پہ دکھ، غم پہ غم، آزار پہ آزار ملے

دی دعا ماں نے یہ عباسؑ کو، ہنگامِ سفر:
جا! تجھے مرتبۂ جعفرِ طیار ملے

قطعہ

زعفرِ جن نے کہا: دفن کروں اصغرؑ کو
حکم گر، اے پسرِ حیدرِؑ کرار! ملے

روئے شہؑ اور یہ بولے کہ مقدر میں تو ہے
تا بہ چہلم، کفن اصغرؑ کو، نہ زنہار ملے

روئی تھی گنجِ شہیداںؑ میں، یہ کہہ کر زہراؑ:
ہیں اِسی خاک میں، میرے دُرِشہوار، ملے

کہا نانی سے یہ صغرؑیٰ نے: ہوئے قتل حسینؑ
ننگے سر، خواب میں ہیں احمدِؐ مختار ملے

میں نے پوچھا تو کہا: خاک اُڑاؤ تم بھی!
خاک میں فاطمہؑ صغرؑیٰ مرے گلزار ملے

درِ شہؑ، خوابِ اجل کے لیے پاؤں، جو دبیرؔ
آنکھ کھل جائے کہ اب طالعِ بیدار ملے

دُرِشہوار: قیمتی بڑا موتی /اجل: موت/طالع: قسمت

۸۱

سلام

مُجرئی! کہتے تھے شہؑ: خالقِ اکبر کے لیے
ظالمو! پانی دو مجھ کو! علی اصغرؑ کے لیے

شہؑ نے بانو سے کہا: کپڑے ہیں سب خوں میں تر
دو رِدا بہرِ کفن، لاشۂ اکبرؑ کے لیے

اس سے افزوں کیا عباسؑ کا شورِ ماتم
جس طرح سے کہ نبیؐ روئے تھے، جعفرؑ کے لیے

خشک حلقوم پہ، جس وقت چلا خنجرِ شمر
کیا مزے شاہؑ نے، آبِ دمِ خنجر کے لیے

شاہؑ کہتے تھے کہ ہیں مرتبہ میں دونوں ایک
بہرِ اکبرؑ ہے سناں، تیر ہے اصغرؑ کے لیے

دیکھ کر فوج مخالف کو، یہ شہؑ کہتے تھے:
اتنا ساماں ہے یہ! ایک مرے سر کے لیے

حوضِ کوثر پہ کہا شہؑ نے، پدر سے اپنے:
دیا اعدا نے نہ پانی، علی اصغرؑ کے لیے

آپؐ، گو چشمۂ کوثر کے ہیں مختار، مگر
رہا محتاج، بس اِک پانی کے ساغر کے لیے

خواب میں شہؑ سے سکینہؑ نے کہا: میرے کان
زخمی اَعدا نے کیے، دیکھیے! گوہر کے لیے

نکلا تابوت سکینہؑ کا، جوہیں زنداں سے
خلق سب روتی تھی، شبیرؑ کی دختر کے لیے

شہؑ سے زینبؑ نے کہا: دیکھوں نہ میں آپ کی مرگ
طور کچھ ایسا کیا چاہیے، خواہر کے لیے

کہا بانوؑ نے کہ یا ساقیِ کوثرؐ! آؤ!
شہؑ کو پانی نہیں ملتا، علی اصغرؑ کے لیے

قطعہ

زعفر جن مع افواج، بہ میدانِ ستم
آیا جس دم مددِ سبطِ پیغمبرؐ کے لیے

شہؑ نے فرمایا کہ کیا فائدہ زعفر! اس سے
ہے میرا حلق بنا، شمر کے خنجر کے لیے

شاہؑ کہتے تھے کہ مرنے کا نہیں غم مجھ کو
دل مرا کڑھتا ہے پر، زینبؑ مضطر کے لیے

کہتی تھی زینبؑ مضطر: کروں کس کس کا غم
عون کے واسطے میں روؤں کہ جعفرؑ کے لیے

یا امامِؑ دو جہاں! عرض یہ کرتا ہے دبیرؔ
مغفرت حشر میں کیجو، علیؑ اصغر کے لیے!

۸۲

سلام

اے مُجرئی! فغانِ حرم، عرش پر گئی
پیاسی، تڑپ تڑپ کے سکینہؑ جو مر گئی

اے مُجرئی! سکینہؑ بھی کیا کام کر گئی
بابا کے سر پہ سر کو رکھا، اور مر گئی

مُجرائی! کیا سکینہؑ پہ آفت گزر گئی
زندان میں اٹھائے یہ صدمے کہ مر گئی

کہتی تھی بانوؑ: ہو گیا اکبرؑ میرا شہید
اور میں نہ، آہ! اُس کی بلا لے کے مر گئی

جس کا پدر تھا بابِ علومِ رسولؐ حق
سر ننگے، شام و کوفہ میں، وہ در بدر گئی

بالی سکینہؑ پوچھتی تھی، راہِ شام میں:
امّاں! کہو! سپاہِ حسینؑ کدھر گئی؟

صغریٰؑ یہ کہتی تھی کہ پدر نے کیا سفر
اور حیف ہے، نہ کوچ، میں دنیا سے کر گئی

زینبؑ نے، در سے جانبِ میداں، جو کی نگاہ
آئی نظر سپاہ، جہاں تک نظر گئی

مڑ کر صدا نجف کو یہ دی: یا علیؑ مدد!
اعدا سے اور اخی سے، لڑائی ٹھہر گئی

مطلق رہا نہ پردے کا، زینبؑ کو کچھ خیال
اکبرؑ کی لاش ڈھونڈنے، خود ننگے سر گئی

فردوس میں یہ کہتے تھے عباسؑ سے حسینؑ
اب تک نہ، بھائی! شدّتِ دردِ کمر گئی

قطعہ

رو کر پکاری: ہے تُو ہی خواہر، حسینؑ کی
زینبؑ کے رُخ پہ ہند کی، جس دم نظر گئی

سر ننگے اور آلِ نبیؐ، وا مصیبتا!
وہ بولی: جو گزرنی تھی ہم پر، گزر گئی

کعبہ چھٹا، مدینہ چھٹا، خیمہ جل گیا
بھائی بھتیجے قتل ہوئے، میں نہ مر گئی

یہ خشک تھا گلوے شہنشاہِ کربلا
چل چل کے تیغِ شمرِ ستم گر، ٹھہر گئی

نازل ہوئی تھی جس کے لیے عرش سے عبا
عترت اُسی کی، کوفے میں سب، ننگے سر گئی

بانو یہ، رن میں لاشۂ اصغرؑ پہ کہتی تھی:
یہ پیاری پیاری شکل تری، خوں میں بھر گئی

پیاسے رہے، گلے پہ لگا ناوکِ ستم
چھوٹے سے سِن میں، تم پہ یہ ایذا گزر گئی

اُس غم سے سر برہنہ ہے، فردوس میں بتولؑ
بلوے میں جب سے زینبؑ خستہ جگر گئی

maablib.org

۸۳

سلام

کینہ، دل، مجرائی! سرورؑ میں نہیں ہے
یہ آئینہ اقلیمِ سکندر میں نہیں ہے

جو فکر سلامِ شہِؑ صفدرؑ میں نہیں ہے
اے مُجرئی! خُلد اُس کے مقدّر میں نہیں ہے

گریاں جو، سلامی! غمِ سرورؑ میں نہیں ہے
خوشنودیٔ بخشش اُسے محشر میں نہیں ہے

اے مُجرئی! آب، اشکوں کے گوہر میں نہیں ہے
اور آہ میں جو تاب ہے، اختر میں نہیں ہے

غُل، فاطمہؑ کے پنجۂ ماتم سے اُٹھے گا
اک تار بھی اب، دامنِ محشر میں نہیں ہے

عابدؑ سے کہا شہؑ نے کہ مرنے کو نہ جاؤ!
مرقوم ترا نام، بہتر میں نہیں ہے

اقلیم: سلطنت رخوشنودی: طاعت خوشامد رآب: چمک راختر: تارہ رمرقوم: لکھا ہوا

تیغِ دو زباں نے کہا: کھینچو مجھے! یا شاہ!
اب تاب، حسامِ شہِؑ صفدر میں نہیں ہے

قطعہ

سن لیجیے! دیتے ہیں یہ طعنے تمھیں اَعدا
زورِ شہِؑ مرداں، تنِ سرورؑ میں نہیں ہے

صبرِ شہِ لولاکؐ ہے مظلومیِ زہراؑ
پر زورِ علیؑ، نائبِ حیدرؑ میں نہیں ہے

کیا رحم ہے، بولے شہِؑ دیں: یوں ہی سہی خیر!
شر، تو دلِ فرزندِ پیمبرؐ میں نہیں ہے

پیاروں کا، رفیقوں کا قصاص، اُن سے میں کیا لوں
نیک اُن سا کوئی، فوجِ بداختر میں نہیں ہے

ہم سِن میرے اکبرؑ کے، جواں ہیں اُدھر اِلّا
ہم شکلِ پیمبرؐ کوئی، لشکر میں نہیں ہے

جب تیغ علم کی، تو یہ جبریلؑ پکارے
شبیرؑ! یہ مضمون تو محضر میں نہیں ہے

قصاص=خوں بہا، بداختر=بدکردار، محضر=دفتر

بانو نے کہا: دودھ تو دودھ، آہ! یہ دیکھو!
پانی بھی، نصیبِ علی اصغرؑ میں نہیں ہے

بانو نے کہا: شادیِ اکبرؑ کی ہوں مشتاق
ہے دل میں وہ حسرت، جو مقدر میں نہیں ہے

اکبرؑ کے سراپا کی ثنا کرتے تھے اعدا
تھا، یہ ضیا نیرِ اکبر میں نہیں ہے

کیا نکہتِ گفتار ہے، کیا شوکتِ رفتار
وہ گل میں نہیں ہے، یہ صنوبر میں نہیں ہے

سیب ذقن و موجِ لبِ خشک کا ثانی
طوبیٰ میں نہیں، چشمۂ کوثر میں نہیں ہے

ہے نامۂ صغریٰ میں جو مضمونِ نقاہت
پرواز کا مقدور، کبوتر میں نہیں ہے

ایک ایک کو ہے مدِّنظر، اپنی شہادت
فردِ نظری، شاہ کے دفتر میں نہیں ہے

صغریٰ نے یہ لکھا: مدد! اے عیسیٰؑ دوراں
اب تابِ جدائی، دلِ مضطر میں نہیں ہے

زینبؑ نے کہا: حُر کی ضیافت میں کروں کیا
فاقے کے سوا کچھ بھی مرے گھر میں نہیں ہے

بانوؑ نے کہا شہؑ سے: اُگلتا ہے جو یہ دودھ
پیکاں تو حلقِ علی اصغرؑ میں نہیں ہے

مانگا شہِ مظلوم نے پانی، جو دمِ ذبح
قاتل نے کہا: آب بھی خنجر میں نہیں ہے

قطعہ

زینبؑ نے کہا: شمر! تو کیا لے کے کرے گا
پیوند کی بھی جا، مری چادر میں نہیں ہے

وہ بولا: یہ زہراؑ کا تبرّک ہے غنیمت
سب کچھ ہے، یہی تحفہ میرے گھر میں نہیں ہے

سرورؑ نے کہا: فدیۂ معبود ہیں دونوں
کچھ فرق یہاں اکبرؑ و اصغرؑ میں نہیں ہے

صغریٰؑ نے کہا: نانی! جو لینے نہیں آتے
اب الفتِ صغریٰؑ، دلِ اکبرؑ میں نہیں ہے

ضیافت: مہمان داری

جب بیڑیاں پہنانے لگے، بولے یہ عابدؑ
کیا، حصّہ مرا نیزہ و خنجر میں نہیں ہے؟

ہے، ہائے حسینؑا! کی صدا، سنگ زنی میں
اس غم سے شرر، کون سے پتّھر میں نہیں ہے

شہؑ بولے دمِ ذبح، کہ میں پیاسا ہوں اور آہ!
پانی کے عوض آب بھی، خنجر میں نہیں ہے

ویرانۂ دروازہ پہ کہتی تھی یہ صغریٰؑ:
دربار ہو کس کا کہ پدر گھر میں نہیں ہے

زینبؑ نے سرِ شہؑ سے کہا: بھائی! خبر لو!
اب قید کی طاقت، تری خواہر میں نہیں ہے

صغریٰؑ نے کہا بانو سے: کیا ڈھونڈتی ہو تم!
اصغرؑ، مری جاں! دامنِ مادر میں نہیں ہے

شہؑ کہتے تھے، گودی میں لیے لاشۂ اصغر:
دلبر ہے مرے بَر میں، پہ دل بَر میں نہیں ہے

میداں میں گیا حُر تو ندا آئی تواتر:
کیوں کر یہ عزیزانِ پیمبرؐ میں نہیں ہے

سنگ زنی: پتھر تراشتے وقت کی آواز شرر: چنگاری/عوض: بدلے/بَر: سینے/تواتر: مسلسل/طالع یاور: قسمت مددگار

ہم رتبۂ سلماں یہ، مسلماں ہے ازل سے
مانندِ ابوذرؑ طمعِ زر میں نہیں ہے

قطعہ

دکھلا کے حشم اپنا، کہا حُر سے عمر نے
یہ چین، تری طالعِ یاور میں نہیں ہے

دریا سے کنارا کیا، کس چاہ پہ تو نے
اک قطرہ بھی تو شاہؑ کے لشکر میں نہیں ہے

نعرہ کیا حُر نے کہ توکلتُ علی اللہ
دنیا میں ترا جاہ ہے، محشر میں نہیں ہے

کیا نہر کے قبضہ پہ ہے نازاں، یہ سمجھ لے
حصّہ ہے اسی میں ترا، کوثر میں نہیں ہے

ہاتف نے کہا، مشک جو بھرنے لگے عباسؑ:
یہ پانی، سکینہؑ کے مقدّر میں نہیں ہے

قطعہ

یہ ہند کی بیٹی نے سکینہؑ سے کہا: آہ!
کیا تیری محبت، دلِ مادر میں نہیں ہے؟

جاہ: مقام، شوکت / ہاتف: آوازِ غیب

بالفرض، کہ ماں باپ ہیں نادار تمھارے
اُجلا سا کوئی کُرتا بھی، کیا گھر میں نہیں ہے؟

جیسا کہو، میں خلعت و زیور ابھی لا دوں
صرفہ مجھے نذر و زر و گوہر میں نہیں ہے

دکھلا کے رسن شانے کے اپنے، وہ پکاری
جو اس میں ہے زینت، کسی زیور میں نہیں ہے

پہنایا ہوا، باپ کے ہاتھوں کا ہے کُرتا
بہنا! یہ شرف، خلعتِ پُر زر میں نہیں ہے

گر ہو سکے تم سے، ہمیں بابا سے ملا دو!
ہاتف نے ندا دی: یہ مقدر میں نہیں ہے

مہماں ہے غمِ شاہؑ، دبیرؔ! اہلِ عزا میں
گو کرب و بلا، ہند کے کشور میں نہیں ہے

اُجلا=صاف، سفید/خلعت=لباس/صرفہ=خرچہ/شرف=عزت

۸۴

سلام

سلامی! شاہؑ کے غم میں جو اشک بار ہوئے
گہر سے بھی، گہرِ اشک، آبدار ہوئے

سلامی! قتل جو ہیں شاہِؑ نامدار ہوئے
رسولؐ، روضۂ رضواں میں اشک بار ہوئے

اِدھر تو، مُجرئی! شبیرؑ پہ نثار ہوئے
اُدھر بہشت میں حوروں سے ہم کنار ہوئے

سلامی! خاک ہوئے، خاک سے غبار ہوئے
ابوترابؑ کے مرقد پہ یوں نثار ہوئے

کہا یہ بیٹوں سے زینبؑ نے: میں نہ بخشوں گی دودھ
جو میرے بھائی پہ، رن میں نہ تم نثار ہوئے

علیؑ کی تیغ دوسر سے عدو، جو چار ہوئے
یہ ایک وصف تھا اُس میں، کہ دَو کے چار ہوئے

آبدار: چمک دار

خوشا! وہ لوگ کہ جا کربلا کے صحرا میں
تن اُن کے خاک ہوئے، خاک سے غبار ہوئے

عزیزو! سنگ دلی شمر کی، حسینؑ کا صبر
یہ دونوں واقعے دنیا میں یادگار ہوئے

جلو میں بے کسی و غم، رکاب تھامے اجل
عجب شکوہ سے مرکب پہ شہؑ، سوار ہوئے

حسینؑ امام کے تن پر لگے تھے جتنے تیر
وہ سارے تیر، نبیؐ کے جگر کے پار ہوئے

کہاں گروہِ یزید، اور کہاں رفیقِ امامؑ
وہ اہلِ نار ہوئے، اور یہ رستگار ہوئے

قسم جوانیِ اکبرؑ کی تجھ کو، پیرِ فلک!
شہید بھی کہیں، اصغرؑ سے شیرخوار ہوئے؟

ہزار و نُہ صد و پنجاہ ویک جراحت تھے
خدا کی راہ میں شبیرؑ جب نثار ہوئے

یہی ہے لشکرِ شبیرؑ و فوجِ شام میں فرق
وہ اہلِ نار ہوئے اور یہ رُستگار ہوئے

جلو: سامنے۔ شکوہ: شان

کی، ہتھکڑی نے تو عابدؑ کے ہاتھ میں بیعت
قدم قدم پہ قدم بوس، آ کے خار ہوئے

لبِ فرات، عجب بے کسی و غربت سے
شہید، مسلمِ بے کس کے گُل عذار ہوئے

نہ ہو گا، بھائی کا بھائی سے، بعدِ مرگ یہ پیار
بہے جو نہر میں لاشے، تو ہم کِنار ہوئے

جہاں میں ہے کوئی دُلھا سُنا، بجز قاسمؑ
کہ جس بنے کو جراحت، گلے کے ہار ہوئے

نہ آتے خانۂ زنداں میں شاہؑ، جنّت سے
مگر سکینہؑ کی فرقت سے بے قرار ہوئے

خطاب جس کا ہے قرآں میں عروۃ الوثقا
اسیرِ طوق و رسن اُس کے رشتہ دار ہوئے

عجیب اُنس شہیدوں میں تھا، کہ بعدِ فنا
رہے بھی پاس ہی، اور ایک جا مزار ہوئے

ہوئے جو عون و محمدؑ شہید، بولے عدو:
تھے نامور کے پسر دونوں، نامدار ہوئے

فرقت: جدائی

کہا یہ شہؑ نے! الٰہی! تو آج کچھ خیر!
بہن کے بیٹے جو مشغولِ کارزار ہوئے

گیا جو خلد میں اصغرؑ، قریب محسن کے
وہ دیکھ حلق چھدا، خوب اشک بار ہوئے

کہا امامؑ نے: گر قتل ہم ہوئے تو کیا
ہزار شکر کہ ناجی، گناہ گار، ہوئے

تصورِ شہِؑ دیں میں، یہ کہتی تھی صغریٰؑ
کہ بعد آپ کے، دُکھ مجھ پہ بے شمار ہوئے

یہ، دفعتاً مجھے آ گھیرا لشکرِ غم نے
قرار و ہوش بھی جس سے مرے فرار ہوئے

کہا امامؑ نے عابدؑ سے: صبر لازم ہے
کہ تم ورثِ احمدؐ کے ورثہ دار ہوئے

قطعہ

ملے جو خُلد میں زہراؑ سے شاہؑ دیں جا کر
تو پہلوؤں میں دل ان کے بھی بے قرار ہوئے

ناجی: نیک، پاک

بتولؑ، دیکھ امامِ زمنؑ کو رونے لگی
امامؑ، دیکھ کے زہراؑ کو اشک بار ہوئے

کھلے جو زخم شہیدوں کے، مثلِ باغِ جناں
خزاں کے بعد وہ گُل، غیرتِ بہار ہوئے

زہے سخاوتِ عابدؑ، برہنہ پائی میں
تمام آبلۂ پا، لباسِ خار ہوئے

زیادہ رات سے، دن تھا سیاہ، پیشِ نگاہ
حرم پہ یہ ستم، اہلِ روزگار ہوئے

وطن کو خود نہ پھرے، سر پھرا دیار دیار
حسینؑ امام، عجب وقت بے دیار ہوئے

کہیں سُنی ہے یہ جنگ، اِس طرف سے نکلا ایک
اُدھر سے آ کے مقابل کئی ہزار ہوئے

گرا جو گھوڑے سے قاسمؑ تو شہؑ نے فرمایا:
ہزار حیف! کہ بھائی سے شرم سار ہوئے

عجب خوشی سے ہوئے قتل، پیاسے شہؑ کے رفیق
نہ اشک بار ہوئے اور نہ بے قرار ہوئے

باغِ جناں: جنّت کا باغ۔ دیار: وطن، شہر

ہر ایک دانۂ تسبیحِ کربلا ہے گواہ
کہ بوترابؑ کے سب لال، خاک سار ہوئے

نگینے لعل و زمرد کے، مہرِ پشت نے پائے
نواسے، دوشِ پیمبرؐ پہ جب سوار ہوئے

قطعہ

وطن میں آئی جو زینبؑ تو بولے عبدؒاللہ
کہ ہم جنابِ پیمبرؐ سے شرم سار ہوئے

دیا جواب یہ زینبؑ نے: تم نہ ہو محجوب
تمھارے بیٹے تو شبیرؑ پر نثار ہوئے

جبیں سجدے میں، گردن پہ تیغ، لب پر شکر
خدا کی راہ میں شبیرؑ، یوں نثار ہوئے

قطعہ

نثارِ بزم نشینانِ سیّدالشہدأ
ذبیح، راہِ خدا کے، یہ سوگوار ہوئے

مہرِ پشت: علامتِ پشت حضور/ محجوب: شرمندہ/ جبیں: پیشانی/ ذبیح: مقتول

بڑھایا، نقطۂ اشکِ عزا نے، رتبۂ چشم
کہ عین پر جو دیا نقطہ، تو ہزار ہوئے

کہیں وہ دن ہو کہ مژدہ سُنے، یہ سب سے دبیرؔ
چلو! کہ مہدیِ دیں آج آشکار ہوئے

مژدہ: اچھی خبر، مبارک پیام

maablib.org

۸۵

سلام

سلامی! ابرِ فلک کیوں نہ اشک بار رہے
غمِ حسینؑ میں، جب برق بے قرار رہے

لکھا تھا یہ قلمِ موج نے، میانِ فرات
کہ پیاسا، نہر میں، عباسِؑ نامدار رہے

عزیزو! چرخِ چہارم پہ ہے علیؑ کی شبیہ
کہ تا ملائکہ کو ہجر میں قرار رہے

اٹھا کے لے گئے لاشے، حسینؑ واں، قدسی
کہ یہ بھی واقعہ، تا حشر یادگار رہے

بہ زیرِ خاک، نہ جب تک کہ وہ ہوا مدفون
حسینؑ لاشۂ اصغرؑ سے ہم کنار رہے

شگفتہ، دیکھ کے زخموں کو، کہتے تھے شہداؑ
یہ وہ چمن ہے کہ جس پر سدا بہار رہے

مدفون: دفن ہونا

ہزار حیف! کہ جو ہو ابوترابؑ کا لال
فلک زمین پہ وہ بے غسل و بے مزار رہے

قطعہ

کہا حسینؑ سے یہ، خواب میں سکینہؑ نے:
کہ چھُٹ کے آپ سے، ہم سخت بے قرار رہے

طمانچہ شمر نے مارا، گُہر بھی چھین لیا
مدد نہ آپ نے کی، ہم بہت پکار رہے

مریض بھائی کی، منزل میں کچھ دوا نہ ہوئی
کہ پا میں آبلے اور آبلہ میں خار رہے

تمھارے لال کا اب حال ہے یہ، اے بابا!
کہ جیسے قید میں کوئی گناہ گار رہے

قطعہ

کہا یہ بانو نے سجادؑ سے، دمِ مدفون
یہ بات یاد میری، اے جگر فگار! رہے

اُدھر تو کیجیو اکبرؑ کو اور اِدھر شہؑ کو
پر ان کے بیچ میں اصغرؑ ہی کا مزار رہے

چلے اگرچہ، رہِ خار چھوڑ کر عابدؑ
قدم کے چومنے سے پَر نہ باز، خار رہے

اور اُس کے ہاتھ پہ بیعت بھی ہتکڑی نے کی
اسیری میں بھی یہ سجادؑ کا وقار رہے

ہوئے ہیں خاکِ شفا، خاک ہو کے سِبطِؑ رسول
غضب ہے گر، دلِ اعدا میں گر غبار رہے

قطعہ

حسابِ گریانِ عابدؑ، بیان سے ہے زیاد
کہ ایک جان پہ، اندوہ بے شمار رہے

مِلا پدر کو، جو چالیس دن نہ غسل و کفن
سو، اِس قلق میں چہل سال اشکبار رہے

سکینہؑ جب تلک آئی نہ قید خانہ سے
حسینؑ، گلشنِ جنّت میں بے قرار رہے

ہوئے نہ دفن، شہیدانؑ کربلا جب تک
تمام مُردے، تہِ خاک بے قرار رہے

اندوہ: غم؛ قلق: غم

قطعہ

کہا حسینؑ سے زینبؑ نے: کیجیے انصاف
نہ ماں، نہ باپ، نہ جدّ، بزرگ وار رہے

تم ایک بھائی ہو، سو تم بھی مجکو چھوڑتے ہو
بہن کے دل کو، بھلا خاک اب قرار رہے

دبیرؔ! ہے وہ عزا خانہ دل مرا، جس میں
ہمیشہ تعزیۂ شاہِ نام دار رہے

۸۶

سلام

مُجرائی! لہو کیوں نہ بہے دیدۂ تر سے
پانی کو، پسر ساقی کوثر کا جو ترسے

صغریٰؑ کو دکھا داغِ رسن، کہتی تھی بانوؑ:
سوغات یہ، میں لائی ہوں کوفہ کے سفر سے

جس ظلم سے شبیرؑ کو ظالم نے کیا ذبح
پوچھے کوئی خاتونِ قیامت کے جگر سے

دریا سے یہ آتی ہے صدا، روزِ شہادت:
شرمندہ ہوں، میں ساقیِ کوثر کے پسر سے

چلتے ہوئے شہؑ روئے تو کہنے لگی صغریٰؑ
اے بابا! نکلتے نہیں روتے ہوئے گھر سے

زہراؑ نے کہا: خاک پہ شبیرؑ پڑا ہے
اے حوریو! مت خاک چھڑاؤ مرے سر سے

قطعہ

ہر سمت لیے پھرتے تھے ظالم، سرِ مسلمؑ
اعجاز سے کہتا تھا، ہر اک راہ گزر سے

آئیں نہ یاں، خون کے پیاسے ہیں یہ کوفی
کہنا، جو ملاقات ہو زہراؑ کے پسر سے

سب سے، درِ زنداں پہ کھڑی کہتی تھی فضّہ
سیدانیاں یاں قید ہیں، آؤ نہ اِدھر سے

یا! خونِ گلوئے شہؑ دیں اُچھلا رگوں میں
خنجر کو وہاں شمر نے باندھا جو کمر سے

کی شمر سے، کٹ کر یہ، سرِ شہؑ نے سفارش
لینا نہ رِدا تو، میری ہمشیر کے سر سے

بستی میں مسلمانوں کی کہتا تھا سرِ شاہؑ:
پانی دو مجھے! پیاسا ہوں چوبیں پہر سے

کہتی تھی سکینہؑ سے، کھڑی ہند کی بیٹی:
اس بن میں اٹھے باپ نہ، دشمن کے بھی سر سے

اُلفت اسے کہتے ہیں، پس از مرگ بھی شبیرؑ
لپٹائے ہوئے، لاشۂ اصغرؑ تھے جگر سے

صغریٰؑ سے حرم کہتے تھے، بارش کو دکھا کر:
شبیرؑ پہ بھی، تیروں کے باراں، یونہی برسے

قطعہ

زینبؑ کے پسر کہتے تھے، زینبؑ سے دمِ مرگ:
پوچھیں وہ اگر ہم کو، تو کہنا یہ پدر سے

ماموں کی بَلا لے کے، ہوئے دشت میں بے جان
شرمندہ کیا تم کو نہ، زہراؑ کے پسر سے

سر کاٹ کے بیٹوں کا، دیا اُس کے عوض میں
تھا عشق برہمن کو یہ، شبیرؑ کے سر سے

جو شہؑ کو نہ روئے گا، دبیرؔ جگرافگار
جوں اشک، وہ گر جائے گا حیدرؑ کی نظر سے

maablib.org

۸۷

سلام

مُجرائی! جہاں شہؑ کی تصویر نظر آئی
سر سجدے میں اور سر پر شمشیر نظر آئی

کس دُکھ میں، فلک تو نے شبیرؑ کو ڈالا تھا
جز مرگ، نہ جو کوئی تدبیر نظر آئی

زہراؑ نے شہیدوں کو دیکھا جو مرقّع میں
اک حُر کی نئی، اُس میں تصویر نظر آئی

بے نور تھیں یہ آنکھیں شہؑ کی، غمِ اکبرؑ سے
جو خط کی نہ، صغریٰؑ کے تحریر نظر آئی

بانو نے کہا: جب سے اکبرؑ گئے دنیا سے
کوئی نہ پیمبرؐ کی تصویر نظر آئی

وہ بیاہ تھا قاسمؑ کا یا موت کا ساماں تھا
جو بی بی نظر آئی، دلگیر نظر آئی

سر ننگے، کُھلے گیسو، زندانِ ستم مسکن
یہ ہند کو، زینبؑ کی توقیر نظر آئی

قطعہ

کی عرض، دمِ مُردن، شبیرؑ سے یہ حُر نے:
جنّت کی مجھے اس دم، تعمیر نظر آئی

شہؑ بولے: مری ماں ہے آئی ترے لینے کو
اے حُر! تجھے کچھ اپنی توقیر نظر آئی؟

نیزے پہ سرِ شہؑ کی آنکھوں سے بہے آنسو
سر ننگے جو بلوے میں ہمشیر نظر آئی

عابدؑ کی اسیری کا آنکھوں میں کھنچا نقشہ
جب حضرتِ باقرؑ کو زنجیر نظر آئی

سر شمر کا، جب بھیجا مختار نے، عابدؑ کو
بولے: ہمیں اب یاورِ تقدیر نظر آئی

صد شکر کہ سر دیکھا شبیرؑ کے قاتل کا
یہ نالۂ زہراؑ کی تاثیر نظر آئی

کیا قہر ہے، ظالم نے شکر اس پہ کیا ہے
سر ننگے جو سرورؑ کی ہمشیر نظر آئی

صغریٰؑ نے کہا: جوں جوں شوق اپنا ہوا افزوں
وصلِ شہِؑ بے کس میں تاخیر نظر آئی

قطعہ

زینبؑ نے کہا شہؑ سے: ہو خیر تری بھائی
شب، خواب میں ہے زہراؑ، دلگیر نظر آئی

چاہا شہِؑ بے کس نے، ہمشیر کو سمجھائیں
لیکن نہ کوئی ایسی تقریر نظر آئی

جب حلق لگا کٹنے، اُس وقت یہ فرمایا:
اس خواب کی، اے زینبؑ! تعبیر نظر آئی

بیٹھا ہے دبیرؔ آ کر، شہؑ کے درِ دولت پر
بہتر نہ کوئی اس سے جاگیر نظر آئی

افزوں: زیادہ/وصل: ملاقات/دلگیر: غم زدہ

maablib.org

۸۸

سلام

ہو، مُجرئی! نہ خواہشِ اکسیر و زر مجھے
لے جائے بخت، گر درِ شبیرؑ پر مجھے

کہتی تھی بانو: خشک ہو ہاتھ اُس کا، اے خدا!
دستِ ستم سے، جس نے کیا ننگے سر مجھے

پوچھا جو نام ہند کی بیٹی نے اُس کا، ہائے!
بولی سکینہؑ: کہتے ہیں، سب بے پدر مجھے

حلقِ حسینؑ شمر سے کرتا تھا یہ گلہ
ہنگامِ ذبح بھی نہ کیا، تو نے تر مجھے

صغریٰؑ نے عرض کی کہ نہ ویراں کرو وطن
شہؑ بولے: کربلا میں بنانا ہے گھر مجھے

کہتے تھے شہؑ، لاشۂ عباسؑ پہ یہی
سونے نہ دے گا قبر میں، دردِ کمر مجھے

طفلی میں بھی حسینؑ، یہ نانا سے کہتے تھے:
اُمت سے آپ کی نہیں پیارا ہے سر مجھے

شمرِ لعیں سے شہؑ نے کہا: سینے سے اُتر
آئے گلے لگانے کو خیرالبشرؐ مجھے

ہچکی جو آئی بالی سکینہؑ کو، مرتے دم
بولی کہ یاد کرتے ہیں شاید پدر مجھے

کرتا تھا ذبح شاہؑ کو اور کہتا تھا یہ شمر:
زہراؑ کی آہ سے نہیں، زنہار ڈر مجھے

بولے نبیؐ، بہشت میں آئے حسینؑ جب:
کیا تیری صابری نے کیا خوش، پسر مجھے!

قطعہ

زینبؑ یہ بولی شمر سے میری ردا نہ لے
کرتے ہیں پیار حضرتِ خیرالبشرؐ مجھے

فریاد، روزِ حشر کروں گی نبیؐ سے میں
حضرت کے کلمہ گو نے کیا ننگے سر مجھے

صغریٰؑ یہ کہتی تھی کہ عجب کیا، جو دوں جواب
بابا پکاریں، قبر پہ آ کر اگر مجھے

زنہار: ہرگز

بانو یہ بولی: کیوں نہ کلیجے میں درد ہو
اکبرؑ کی یاد رہتی ہے آٹھوں پہر مجھے

صغریٰؑ نسیم صبح سے بولی، کہ ٹھہر جا
کیا خوب! تجھ سے آتی ہے بوئے پدر مجھے

ترکِ وطن کا قصد مصمم ہے، اے دبیرؔ!
دیکھوں! نصیب لے کے چلے ہے کدھر مجھے

قصد مصمم: پکا ارادہ، نصیب: قسمت

maablib.org

۸۹

سلام

غضب ہے، مُجرئی! مختار تھے جو کوثر کے
انھیں فلک نے اتارا ہے گھاٹ خنجر کے

سلامی! اشک بہا! غم میں ابنِ حیدرؑ کے
فرشتے حشر میں دیں گے تجھے، گُہر کر کے

کہا یہ بانو نے دل پیچ و تاب کھاتا ہے
جھنڈولے بال، جو آئے ہیں یاد، اصغرؑ کے

گلوے شاہؑ نے کٹ کر کہا: نہ بھولیں گے
نبیؐ کے بوسے مجھے، اور رگڑے خنجر کے

حرم رسولؐ فلک قدر کے، تھے قید جہاں
جناب فاطمہؑ پھرتی تھیں، گرد اُس گھر کے

کہا یہ شمر نے عابدؑ سے، ہاتھ باندھ کے آہ!
رسن سے باندھے ہیں بازو یہ، میں نے حیدرؑ کے

سرِ حسینؑ یہ کہتا تھا: دو کوئی چادر!
کہ اہل بیتؑ ہیں سر ننگے سب، پیمبرؐ کے

بتولؑ کہتی تھی: یہ لگ گئی نظر کس کی
کہ قتل ہو گئے خُرد و کلاں مرے گھر کے

حسینؑ کہتے تھے کس کس کی میں کروں خاطر
کہ ہیں ہزاروں خریدار، میرے اک سر کے

چڑھا جو نیزے پہ سر شاہؑ کا، تو دی یہ صدا
میں سربلند ہوا حق کی راہ میں، مر کے

وہ راہِ عشقِ خدا ہے کہ جس کی منزل پر
قسم خدا کی! میں پہنچا خدا خدا کر کے

بیان کرتے تھے شہؑ: رحم کر جوانی پر
نہ رَن کو جاؤ تم اکبرؑ! ہمیں حزیں کر کے

جگر کو چین نہیں، دل مرا تڑپتا ہے
تُو دیکھ لے، مری چھاتی پہ ہاتھ کو دھر کے

قطعہ

بروزِ قتلِ شہنشاہِ دیں، بوقتِ زوال
سر اپنا تکیہ پر صغریٰؑ، جو سو گئی، دھر کے

اُٹھی جو خواب سے، رو کر یہ بولی نانی سے
ابھی کھڑے ہوئے تھے شاہؑ، آگے دُختر کے

دِکھا کے خاک بھرے ہاتھ، مجھ سے کہتے تھے:
ہم آئے ہیں علی اصغرؑ کو قبر میں دھر کے

کتاب، وصفِ علیؑ میں، اگر لکھوں میں دبیرؔ
بناؤں تار شعاعی سے تار مسطر کے

maablib.org

۹۰

سلام

اے مُجرائی! بتولؑ عزائے پسر میں ہے
رونے کا شور مرقدِ خیرالبشرؐ میں ہے

کہتے تھے شہؑ نہ ہو کسی دشمن کو بھی نصیب
اکبرؑ کا جیسا داغ، ہمارے جگر میں ہے

عبّاسؑ کو یہ رنج تھا بعد از فنا، کہ ہائے!
مرنے سے میرے، درد اَخی کی کمر میں ہے

جھولے کو دیکھ دیکھ کے صغرٰیؑ یہ کہتی تھی!
یادش بخیر! اصغرِؑ ناداں سفر میں ہے

الفت یہ ہے کہ سنگ، سرِ شاہؑ پہ لگا
اور درد اُس کا زینبؑ مضطر کے سر میں ہے

کہتی تھی بانو: جب سے کہ اکبرؑ ہوئے ہیں قتل
اک آگ سی دہک رہی، میرے جگر میں ہے

کہتے تھے شہؑ سکینہؑ کے سقّے کی لاش پر
تھامو تم اٹھ کے! درد ہماری کمر میں ہے

دل اہلِ دیں کا سرد ہے، آبِ حیات سے
لہرا رہا جو چشمۂ کوثر، نظر میں ہے

صغریٰ یہ بولی غش مجھے آتے ہیں نانی جان!
کس کے لہو کی بُو، یہ نسیمِ سحر میں ہے

قطعہ

بولی سکینہؑ شمر سے کیوں کر نہ روؤں میں
کس کس کا داغ میرے دلِ نوحہ گر میں ہے

دیتا ہے گر سزا مجھے رونے کی، دے! پہ دیکھ!
طاقت طمانچے کھانے کی، مجھ بے پدر میں ہے

گردش میں، نوک نیزہ کی، واں ہے سرِ حسینؑ
اور درد یاں مدینہ میں، صغریٰ کے سر میں ہے

سجادؑ بولے: نائبِ ختمِ رُسلؐ ہوں میں
باندھے رسن، یہ بازوے خیرالبشرؐ میں ہے

زینبؑ قریب شہر جو پہنچی تو بولا شمر:
مسلمؑ کا لاشہ دیکھ لو! کوفے کے در میں ہے

کہتے تھے شاہؑ ایسا ہی گر قحطِ آب ہے
ستر(۷۰) دو(۲) تن کا خاتمہ، اک دو پہر میں ہے

صغریٰؑ نے بی بیوں سے کہا: شہؑ کا خوں ہوا
بے وجہ اشکِ سرخ نہیں، چشمِ تر میں ہے

اصغرؑ کی خیر ہووے کہ دیکھا ہے خواب میں
ننھی سی ایک لاش کنارِہ پدر میں ہے

روتا تھا سر حسینؑ کا، عابدؑ کے حال پر
کانٹا پڑا ہوا جو، ہر اِک رہ گزر میں ہے

جو منکرِ عزائے شہِؑ دیں ہے، اے دبیرؔ!
اُس کا مقامِ حشر کو، بے شک سقر میں ہے

سقر = جہنم

سلام

ہے شاہؑ کے صدقہ سے یہ توقیر ہماری
فردوس ہے، اے مُجرئی! جاگیر ہماری

حیدرؑ نے دمِ نزع، گلے سے جو لگایا
حُر کہتا تھا: کیا خوب ہے تقدیر ہماری

عابدؑ نے کہا: قید میں گر نیند ہے آتی
کفّار ہلا دیتے ہیں زنجیر ہماری

پانی جو طلب شہؑ نے کیا، شِمر یہ بولا:
پیاسی ہے ترے خون کی، شمشیر ہماری

نانا سے دمِ نزع، کہا سبطِ نبیؐ نے:
پوچھو تو ذرا! شِمر سے تقصیر ہماری

جنّت میں کہا شاہؑ نے: ہے درد جگر میں
روتی ہے مگر قید میں، ہمشیر ہماری

سقائے حرم کہتا تھا کر سینے کو غربال!
پر مشک نہ تو چھیدیو! اے تیر! ہماری

زینبؑ سے کہا شہؑ نے: سکینہؑ سے خبردار
ہم مصحفِ ناطق، یہ ہے تفسیر ہماری

احمدؐ نے کہا لاشۂ اکبرؑ پہ کہ افسوس
اُمّت نے مٹا ڈالی یہ تصویر ہماری

شہؑ نے کہا: اے دل! تو نہ کر یاد وطن کی
اب قبر یہاں ہوتی ہے تعمیر ہماری

کہتے تھے حرم: بلوہ ہے اور بال کھلے ہیں
یا شاہِ نجفؑ! دیکھیے توقیر ہماری

عابدؑ نے کہا: شاد ہے دل اس کو پہن کر
گویا کہ یہ منّت کی ہے زنجیر ہماری

قطعہ

شیریں سے کہا خواب میں فرزندِ علیؑ نے:
سر ننگے یہاں آتی ہے ہمشیر ہماری

غربال: چھلنی ر مصحفِ ناطق: بولتا قرآن

جا جلد اُڑھا زینبؑ دل خستہ کو چادر
دیوے گی دعا مادرِ دلگیر ہماری

ہر مشکل و آفت میں، دبیرؔ جگر افگار
امداد کیا کرتے ہیں شبیرؑ ہماری

maablib.org

۹۲

سلام

سلامی! جب کہ مجکو، قتلِ سرورؑ یاد آتا ہے
وہ سوکھا حلق، وہ بے آب خنجر یاد آتا ہے

کہا زہراؑ نے: میری گود میں بے کل ہوئے اصغرؑ
بُلاؤں کیا تمھیں، آغوشِ مادر یاد آتا ہے

نہ سونے کا سبب پوچھا جو بانو نے سکینہؑ سے
وہ بولی سینۂ سبطِ پیمبرؐ یاد آتا ہے

زمیں پر بے کفن، رن میں پڑے شبیرؑ کہتے تھے
کنارِ فاطمہؑ آغوشِ مادر یاد آتا ہے

کہا بانو نے: رونے سے مجھے فرصت ملے کیوں کر
جو اکبرؑ بھول جاتا ہے، تو اصغرؑ یاد آتا ہے

کہا شیریں نے شوہر سے: سر اپنا خاک ڈھانپوں میں
مجھے ہر آن زینبؑ کا کُھلا سر یاد آتا ہے

اَذاں، زین العباؑ جس وقت دیتے، رو کے فرماتے:
پدر کا نعرۂ اللہ اکبر! یاد آتا ہے

یہی فرماتی تھی زینبؑ کہ میں کیوں کر پیوں پانی
مجھے وہ خشک لب بھائی کا، اکثر یاد آتا ہے

سکینہؑ سے جو کہتا شمر: کیوں روتی ہے؟ تو کہتی:
مجھے تیرا طمانچہ، اے ستم گر! یاد آتا ہے

شہؑ دیں گور کے مشتاق تھے، صحرائے آفت میں
مسافر کو بہت، پردیس میں گھر یاد آتا ہے

سکینہؑ ماں سے کہتی تھی: نہ کیوں کر پیچ کھائے دل
جھنڈولے بال یاد آتے ہیں، اصغرؑ یاد آتا ہے

ہوئے عابدؑ جو گریاں، دیکھ کر حیواں کی قربانی
کہا قصاب نے: کیا تم کو سرورؑ یاد آتا ہے؟

کلیجہ تھام کر سجادؑ نے، رو رو یہ فرمایا:
گلا شبیرؑ کا، ظالم کا خنجر یاد آتا ہے

محرّم میں جو طفلِ مومنیں کرتے ہیں سقائی
حرم کہتے ہیں: عباسِؑ دلاور یاد آتا ہے

کہا بانو نے، جب طوق و سلاسل پہنی عابدؑ نے
مجھے اُس دم، تری طفلی کا زیور یاد آتا ہے

دبیرؔ! اُس وقت کیا، اعمال پر میں اپنے روتا ہوں
مجھے جس دم حسابِ روزِ محشر یاد آتا ہے

۹۳

سلام

اُس کو مُجرا، کہ جو بے کس بھی ہے، دلگیر بھی ہے
قیدیٔ ظلم بھی ہے، بستۂ زنجیر بھی ہے

مُجرائی! آہِ سحر، نالۂ شب گیر بھی ہے
غمِ شبّرؑ بھی ہے مجکو، غمِ شبیرؑ بھی ہے

شمر، زینبؑ سے یہ کہتا تھا، پئے قتلِ حسینؑ
قہرِ جلّاد بھی ہے، خنجر و شمشیر بھی ہے

شہؑ نے اَعدا سے کہا: قتل نہ اکبرؑ کو کرو!
نوجواں بھی ہے یہ، اَور لائقِ توقیر بھی ہے

سر کھلے کہتی تھی زینبؑ کہ ہمارے سر پر
دستِ زہراؑ بھی ہے اور چادرِ تطہیر بھی ہے

کہا عابدؑ نے گلے کوئی نہیں لپٹاتا
پاؤں پڑنے کو تو کانٹا بھی ہے، زنجیر بھی ہے

شمر سے کہتی تھی زینبؑ: نہ بہا خونِ حسینؑ
خونِ احمدؐ بھی ہے یہ، فاطمہؑ کا شیر بھی ہے

حُرملہ سے کہا شہؑ نے نہ لگا تیرِ ستم
علی اصغرؑ مرا پیاسا بھی ہے، بے شیر بھی ہے

رو کے حارث سے یہ کہتے تھے پسر مسلمؑ کے
تجھ کو گھر آنے کی کچھ عزّت و توقیر بھی ہے

زلفیں مت کھینچ! طمانچے نہ لگا! اے ظالم!
ہم گرفتاروں کی، ثابت کوئی تقصیر بھی ہے

دیکھ کر حُر کو کہا شہؑ نے کہ تیری خاطر
چادرِ فاطمہؑ ہے، زانوے شبیرؑ بھی ہے

عارض و سبزۂ خط دیکھ، علی اکبرؑ کا
سب یہ کہتے تھے کہ مُصحف بھی ہے، تفسیر بھی ہے

پہنچا کوفہ میں سرِ شہؑ تو پُکارا رو کر
یاں کہیں بھائی مرا، مسلمِؑ دلگیر بھی ہے

حالِ سجادؑ پہ رونے کی جگہ ہے، واللہ!
حلق میں رسّی بھی ہے، طوقِ گلوگیر بھی ہے

کہا زینبؑ نے سکینہؑ کو بلایا بھائی!
یہ نہ دھیان آیا کہ عاشق مری ہمشیر بھی ہے

تقصیر: خطا، غلطی / طوقِ گلوگیر: گلے میں پھنسی طوق / عارض: رخسار

زانوے شاہؑ پہ سر دیکھ کے حُر نے یہ کہا:
آج مجھ سے، کسی انسان کی، توقیر بھی ہے

چل کے آنکھوں سے، اُٹھا خاکِ درِ شاہ! دبیرؔ!
ارے ناداں وہ پارس بھی ہے، اکسیر بھی ہے

maablib.org

۹۴

سلام

اے مُجرئیؔ! جو اشک مری چشمِ تر میں ہے
ایسا گُہر کہاں کسی سلکِ گُہر میں ہے

ماہِ صفر بھی مثلِ محرم، اثر میں ہے
چہلم امامؑ پاک کا، ماہِ صفر میں ہے

صغریٰؑ کو کیا شفا ہو کہ یادِ پدر میں ہے
بیمار گھر میں اور مسیحا سفر میں ہے

اصغرؑ کی سرگزشت، جو میری نظر میں ہے
خشکیِ حلقِ مالکِ کوثر نظر میں ہے

زخمی ہوئی جو سنگ سے پیشانیِ حسینؑ
ثابت ہوا کہ داغ اِسی سے، قمر میں ہے

آہستہ، حُرملہ سے یہ کہتا تھا ابنِ سعد
تاک اُس کو، وہ جو طفل، کنارِ پدر میں ہے

گُہر: موتی/ سلکِ گُہر: موتیوں کی لڑی

چہلم حسینؑ کا ہے، شہادت حسنؑ کی ہے
ماتم ہے جس کا نام، وہ ماہِ صفر میں ہے

کہتے تھے حُر کو دیکھ کر اُس فوج میں حسینؑ:
اپنا کسی طرف ہو، ہماری نظر میں ہے

یہ، عابدؑ مریض کا، تکیہ کلام تھا
میداں میں تندرست ہیں، بیمار گھر میں ہے

چہرے سے، غم ہے اکبرؑ و عباسؑ کا عیاں
آنکھوں میں شہؑ کی نور نہیں، خم کمر میں ہے

کہتی تھی بانوؑ اکبرؑ و اصغرؑ کی یاد میں:
برچھی کی نوک دل میں ہے، پیکاں جگر میں ہے

سر شہؑ کا زیرِ تخت دھرا ہے، یزید نے
اللہ! کیا ہوائے غرور اُس کے سر میں ہے

قاسمؑ کی منہدی گوندھتے ہیں اشکوں سے حرم
کیا قحطِ آب، ساقیِ کوثر کے گھر میں ہے

صغریٰؑ سے نانی کہتی تھی: وسواس آتا ہے
واری! نہ روؤ! باپ تمھارا سفر میں ہے

عیاں: ظاہر ۔ پیکاں: تیر ۔ وسواس: خیال

کیوں اپنے اشک کو نہ، دُرِ نذر ہم کہیں
رونا ہمارا سبطِ نبیؐ کی نظر میں ہے

برچھی کا پھل جو کھایا تو اکبرؑ نے یہ کہا:
خوشنودیِ خدا کا مزا اس ثمر میں ہے

روشن ہے اشتیاقِ شہادت سے، رُوئے شاہؑ
نورِ چراغ، شامِ چراغِ سحر میں ہے

پوچھا عمر نے مال تو زینبؑ نے یہ کہا
دولت یہی، امامِ دوعالم کے گھر میں ہے

دینار جس کا نام ہے، سینے کا داغ ہے
گوہر وہ ہے، جو اشک مری چشمِ تر میں ہے

اللہ رے انقلاب! کہ دَر دَر ہیں اہلِ بیتؑ
ناموس اہل شام کی، عزّت سے گھر میں ہے

سمجھو نہ وقتِ صبح، شفق گردِ آفتاب
خونِ حسینؑ طائرِ زرّیں کے بَر میں ہے

سینے میں نیزہ، حلق پہ خنجر، زباں پہ شکر
یہ حِلم، جُز حسینؑ بھلا کس بشر میں ہے

دُر: موتی رخوشنودی: راضی اور خوش کرنا راشتیاق: شوق رناموس: حرم ربَر: سینہ

طوفاں اُٹھا ہے آبِ دمِ ذوالفقار سے
ہستیِ اہلِ ظلم کی کشتی، بھنور میں ہے

ہے گشت میں حسینؑ کا مرکب جو دشت میں
عمرِ رواں، رُکی ہوئی فوجِ عمر میں ہے

شمشیرِ شہؑ کی خوف سے، سب کا اُڑا ہے رنگ
جوہر نہ تیغ میں ہے، نہ روغن سپر میں ہے

لرزاں ہیں غرب و شرق، نہ یوں برق بھی ہو غرق
یہ تیغ، گاہ خود میں ہے، اور گاہ سر میں ہے

چُھپتا ہے سر گلے میں، گلا سب کا سینے میں
سینہ بھی، دل بھی، جان بھی، خوف و خطر میں ہے

کیسی کمر، کہ ڈھونڈتی ہے تیغ جس کا تن
تقدیر عرض کرتی ہے: وہ تو سقر میں ہے

عباسِؑ نامور کا علَم، کیوں محبّ نہ لیں
ہر ایک آرزو کا ثمر، اِس شجر میں ہے

قاتل سے شاہؑ کہتے تھے: سر کاٹ لے، مگر
اُٹھ سینے سے، کہ درد ہمارے جگر میں ہے

ہستی: زندگی / سقر: دوزخ / محبّ: چاہنے والا / ثمر: میوہ

بانو گری زمیں پہ کلیجہ پکڑ کے، آہ!
اکبرؑ نے جب سُنایا کہ برچھی جگر میں ہے

قطعہ

حُر، شاہؑ کی طرف جو چلا، بولا ابنِ سعد
پابوسِ شاہِؑ دیں کی ہوس، تیرے سر میں ہے

حُر نے کہا کہ ہاں! حق و باطل ہے آئینہ
میرا مقام خلد میں، تیرا سقر میں ہے

میں حیدریؑ ہوں، اَور تُو یزیدی ہے، اَو شقی!
کب ربط نور و نار میں اور خیر و شر میں ہے

میں پیروِ امامؑ، تُو محکومِ میرِ شام
تفریق صدق و کذب میں، عیب و ہنر میں ہے

پوچھا عمر نے: کیا ہوسِ گنجِ زر نہیں
حُر نے کہا کہ گنجِ شہیداں نظر میں ہے

آئی ندائے غیب، ہوا خاتمہ بخیر:
اے حُر! تری جگہ، دلِ خیرالبشرؐ میں ہے

حسرت چراغِ قبر کی، ہم کو نہیں دبیرؔ!
داغِ غمِ حسینؑ کا جلوہ، جگر میں ہے

سقر: دوزخ/محکوم: غلام/تفرق: فرق/کذب: جھوٹ/صدق: سچ

۹۵

سلام

برگشتہ، سلامی کا مقدّر تو نہیں ہے
پر بے، درِ شہؑ دیکھے، یہ باور تو نہیں ہے

جنّت میں قدم رکھا سکینہؑ نے، یہ کہہ کر:
اے حوریو! یاں شمرِ ستم گر تو نہیں ہے

شہؑ بولے، دمِ ذبح: کوئی روتا ہے اے شمر!
مقتل میں کہیں زینبؑ مضطر تو نہیں ہے

آئی یہ ندا، حلق ترا کٹتا ہے، واری!
بالیں پہ یہ، ماں روتی ہے، خواہر تو نہیں ہے

لشکر سے کہا عمر نے کاٹو سرِ اکبرؑ!
ہم شکلِ پیمبرؐ ہے، پیمبرؐ تو نہیں ہے

بانو نے کہا: سو رہو! بے فرش سکینہؑ!
واری گئی! زندان ہے یہ، گھر تو نہیں ہے

سر کُھل گیا کبریٰؑ کا تو زینبؑ یہ پکاری
پاس آپ کے، بی بی! کوئی چادر تو نہیں ہے؟

بانو نے کہا: باپ کے تم عاشق ہو، اکبرؑ!
واری! تمھیں کچھ الفتِ مادر تو نہیں ہے!

کہتے ہو کہ بے شیر کو دیکھو، مرے بدلے
اصغرؑ مرا، تصویرِ پیمبرؐ تو نہیں ہے

زینبؑ نے کہا: سینے پہ سیّد کے چڑھا ہے
کیوں شمر! کلیجہ ترا پتّھر تو نہیں ہے

کس طرح گوارا ہو ترا داغِ جوانی
آخر یہ جگر ماں کا ہے، پتّھر تو نہیں ہے

کہتے تھے شقی: بالوں سے منہ ڈھانپ لیں اپنے!
ناموسِ نبیؐ لائقِ چادر تو نہیں ہے

فضہ نے کہا: جان فقط رکھتے ہیں، لے لو!
پاس اپنے، لعینو! زَر و زیور تو نہیں ہے

گھر لُوٹ کے شبیرؑ کا، کہنے لگے ظالم
ایمان کی دولت ہے فقط، زر تو نہیں ہے

سردار سے یہ کہہ کر، کنارا کیا حُر نے:
دریا ہے ترے قبضہ میں، کوثر تو نہیں ہے

شہؑ نے کہا: بے شیر کو دو پانی! لعینو!
تکلیف عبادت کی بھی، اِس پر تو نہیں ہے

بالفرض، بقولِ عمر و شمرِ ستم گر!
شبیرؑ گنہ گار ہے، اصغرؑ تو نہیں ہے

بے ساختہ، لشکر نے کہا، آئے جو اکبرؑ:
آ کر کوئی دیکھو تو پیمبرؐ تو نہیں ہے؟

زہراؑ نے دیا شیر، نبیؐ نے لیے بوسے
ہے ہے! یہ گلا قابلِ خنجر تو نہیں ہے

دہشت ہے، دبیرؔ! اپنے گناہوں سے وگرنہ
دل کو مرے اندیشۂ محشر تو نہیں ہے

۹۶

سلام

جگرِ چرخ سے، جُوں تیر گزر کرتا ہے
نالہ، اے مُجرئی! پتھر میں اثر کرتا ہے

مُہر سے ماہِ علیؑ، جب کہ نظر کرتا ہے
ذرّہٴ خاک کو، اے مُجرئی! زر کرتا ہے

مُجرئی! دل جو فغاں شام و سحر کرتا ہے
آمدِ ماہِ محرّم کی خبر کرتا ہے

آہِ پُر سوز جو تُو، وقتِ سحر کرتا ہے
چرخ، اے مُجرئی! گُل شمعِ قمر کرتا ہے

جبّہ سائی، جو درِ شہؑ پہ قمر کرتا ہے
مُجرئی! اُس کو فلک، افسرِ سر کرتا ہے

پا پیادہ جو گُلِ فاطمہؑ ہے، اس غم سے
آبلہ، زیرِ قدم، چشم کو تر کرتا ہے

جبہ سائی = پیشانی مَلنا

گور، زہراؑ کے پسر کو نہ ملی تا چہلم
اس لیے دشت، ہر اِک خاک بسر کرتا ہے

مرگ کہتی ہے کہ غم دل میں کرے گا روزن
گوہرِ بحرِ علی، قصدِ سفر کرتا ہے

شاہؑ کہتے تھے: اُچھلتا ہے مرا خونِ گلو
تیغ کو شمرِ لعیں تیز، مگر کرتا ہے

بولے سجادؑ کہ غش کھا کے جو میں گرتا ہوں
پیار، اکثر مجھے، زہراؑ کا پسر کرتا ہے

کہا زینبؑ نے۔ کہ کر قتل مجھے، تُو پہلے
ذبح شبیرؑ کو، اے شمر! اگر کرتا ہے

شاہؑ کہتے تھے سکینہؑ سے لپٹ کر، شبِ قتل:
آخری پیار تمھیں، اَب یہ پدر، کرتا ہے

ہو کے زخمی کہا شہؑ نے، کہ جُھکوں سجدے میں
پھل جو لگتے ہیں تو خم، سر کو شجر کرتا ہے

پوچھا حوروں نے کہ کیوں خلد میں گھبراتی ہو؟
کہا زہراؑ نے کہ شبیرؑ سفر کرتا ہے

روح حمزہؑ کی یہ کہتی تھی کہ سبحان اللہ!
جنگ میں، سینے کو عباسؑ سپر کرتا ہے

وہ گلا کاٹتا تھا، شہؑ کو تاسّف یہ تھا
کہ قلم، ہائے! مسلماں، مرا سر کرتا ہے

کہا اصغرؑ نے اشارے سے: رکھو ہاتھ اپنا!
اب طپش، پیاس سے، بابا! یہ جگر کرتا ہے

شہؑ کے مرقد سے یہ آتی تھی صدا: اے عباسؑ!
اب بھی بے چین، ہمیں دردِ کمر کرتا ہے

قطعہ

پانی مسلمؑ نے جو طوعہ سے لیا، آئی صدا:
ہاں خبردار! کہ ہاتف یہ خبر کرتا ہے

ذبح ہو گا پسرِ فاطمہؑ زہراؑ، پیاسا
اپنے لب کس لیے پانی سے تُو، تَر کرتا ہے

کہا زہراؑ نے پیمبرؐ سے کہ تربت سے اُٹھو!
اب مدینہ سے میرا لال، سفر کرتا ہے

طالبِ دادِ مضامیں، عُقلا سے ہے دبیرؔ
بے خِرد سے نہیں، دعوائے ہنر، کرتا ہے

عقلا: عاقل / بے خرد: بے عقل

۹۷

سلام

گر رقم، جلوۂ نورِ رُخِ سرورؑ ہوئے
ورق، اے مُجرئی! خورشید منوّر ہوئے

مُجرئی! قتل جو پیاسا، علیؑ اصغرؑ ہوئے
کیوں نہ محزون و حزیں، ساقیِ کوثر ہوئے

خوں بہا شہؑ نے یہ مانگا، تہِ خنجر، حق سے
بخششِ اُمتِ عاصی، تہِ خنجر ہوئے

شہؑ جو خیمہ سے چلے، رَو کے یہ زینبؑ سے کہا:
کیجیو صبر! جو کچھ حادثہ مجھ پر ہوئے

قطعہ

آیا میداں میں جو اکبرؑ، تو پکارے اَعدا:
وہ لڑے اُس سے، کہ جو دشمنِ داور ہوئے

شان میں مثلِ علیؑ، شکل میں ہم شکلِ نبیؐ
وہ مسلماں نہیں، جو روکش اکبرؑ ہوئے

پسرِ سعد پکارا کہ کرو قتل! اسے
تاکہ حاصل تمھیں اب، خلعتِ پُر زر ہوئے

سب لگے کہنے: ابھی قتل ہم اکبرؑ کو کریں
دوسرا، گر کوئی ہم شکلِ پیمبرؐ ہوئے

شِمر نے شہؑ سے کہا جب ہوئے عباسؑ شہید:
بھیج دو رَن میں کوئی اور برادر ہوئے

جب لعیں زینبؑ و کلثومؑ کی چادر چھینیں
کیوں نہ پھر فاطمہؑ، جنّت میں کھلے سر ہوئے

جب دوا پیتی تھی صغرئؑ، تو دُعا کرتی تھی:
باپ کا شربتِ دیدار میسّر ہوئے

کیوں نہ ٹوٹے کمرِ پشت پناہِ عالمؑ
قتل جب نہر پہ عباسؑ دلاور ہوئے

جب کہ عباسؑ چلے رَن کو تو زینبؑ نے کہا:
کیوں نہ قربان، برادر پہ برادر ہوئے

بولے شہؑ: کیجیے میزانِ شہادت میں جو وزن
قدر اصغرؑ کی بھی، اکبرؑ کے برابر ہوئے

خلعت پُر زر: سونے کے تاروں سے بنا لباس

شمر جب گردنِ شبیرؑ پہ پھیرے خنجر
کیوں نہ فردوس میں بے چین، پیمبرؐ ہوئے

پسرِ فاطمہؑ کرتا تھا دعا، وقتِ زوال
یوں رہِ حق میں جُدا تن سے مرا سر ہوئے

دل میں ہو یادِ خدا، لب پہ ہو شکرِ معبود
شمر سینے پہ ہو اور حلق پہ خنجر ہوئے

شاہؑ کہتے تھے: نہیں شوقِ شہادت سے بعید
گھٹنیوں رن کو رواں، گر علی اصغرؑ ہوئے

فاطمہؑ خلد میں کہتی تھی کہ بے تاب ہے دل
کہیں شبیرؑ نہ میرا، تہِ خنجر ہوئے

اے فلک! آہ! کفن پائیں نہ مسلمؑ کے پسر
بس کفن آبِ رواں کی انھیں چادر ہوئے

کون شبیرؑ سا ہے صادق الاقرار ایسا
وعدہ اِک سر کا ہو، صدقے سرِ لشکر ہوئے

آبِ رواں: بہتا پانی ر صادق الاقرار: سچا اقرار کرنے والا

جب کہ صدقے ہوئے اکبرؑ، یہ دعا دی ماں نے:
تم پہ اکبرؑ! مددِ خالقِ اکبر ہوئے

اے دبیرؔ! اس میں بھی واللہ! ہمارا ہے وقار
حشر میں، سر پہ اگر دامنِ قنبر ہوئے

maablib.org

۹۸

سلام

رَن میں، اے مُجرَئی! زینبؑ کے جو دلدار آئے
غُل ہوا: جنسِ شہادت کے خریدار آئے

اُس گھڑی حال ہوا، بنتِ علیؑ کا تغیرّ
غارتِ خیمہ کو، جس وقت ستم گار آئے

جس کی مادر کا اُٹھا شب کو جنازہ، اے چرخ!
ننگے سر، بال کھُلے، وہ سرِ بازار آئے

لاش اصغرؑ کی جو شہؑ لائے، کہا بانو نے:
سُوے میداں سے، مرے طالعِ بیدار آئے

کیا دمِ رخصتِ شبیرؑ، تھی زینبؑ بے تاب
شاہؑ، سو بار گئے خیمہ میں، سو بار آئے

بولا حُر، شہؑ سے دمِ مرگ کہ مولاؑ دیکھو!
میرے لینے کے لیے حیدرِؑ کرار آئے

لاشے جب عون و محمد کے اُٹھا لائے حسینؑ
بیبیاں بولیں کہ زینبؑ! ترے دلدار آئے

لے کے لاشوں کی بلائیں، یہ پکاری زینبؑ:
شہؑ پہ صدقے ہوئے، اَب کیوں نہ مجھے پیار آئے

مومنو! رونے کی جا ہے، کہ ہنسا خوب یزید
طوق پہنے ہوئے، جب عابدِؑ بیمار آئے

کیوں نہ شبیرؑ کی گردن سے لپٹ جائے بتولؑ
شِمر کھینچے ہوئے جب خنجرِ خوں خوار، آئے

آئے جب مجلسِ حاکم میں اسیرانِ حرم
شِمر کہتا تھا کہ حاکم کے گنہ گار آئے

صلح جب شہؑ سے نہ کی شِمر نے، تو بولی قضا
فیصلہ کے لیے اَب بیچ میں تلوار آئے

حُر کو کیا مرتبہ حاصل ہوا، اللہ! اللہ!
پیشوا لینے کو اُس کے، شہِؑ اَبرار آئے

ایک حُر، ایک پسر، ایک غلام، اِک بھائی
عاشقِ پنجتنؑ، اُس فوج سے یہ چار آئے

قطعہ

ایک لڑکی نے یہ دی فاطمہ صغریٰؑ کو خبر:
لے! مسافر ترے، اے بیکس و ناچار! آئے

پر وہ آئے بھی تو کیا آئے، کہ لُٹ کر آئے
نہ تو شبیرؑ، نہ عباسِؑ علمدارؑ آئے

کہا صغریٰؑ نے پھرا کوئی بھی جیتا آخر!
رو کے وہ بولی: فقط عابدِؑ بیمار آئے

نذرِ زہراؑ کے لیے مجلسِ ماتم میں دبیرؔ!
صدفِ چشم سے، کیا کیا دُرِ شہوار آئے

maablib.org

۹۹

سلام

پاؤں سجادؑ کا، اے مُجرئی! زنجیر میں ہے
دم گلے میں ہے، گلا طوقِ گُلوگیر میں ہے

پوچھا اکبرؑ نے کہ لشکر کا ہراول ہے کون؟
شہؑ نے فرمایا: ابھی لشکرِ بے پیر میں ہے

شاہؑ کہتے تھے: جوانو! نہ کرو تیغ زنی!
حُر مرا پیارا، یہاں آنے کی تدبیر میں ہے

خطِ پیشانیِ حُر دیکھ کے بولے شبیرؑ:
سیر فردوس کی، لکھی تری تقدیر میں ہے

دی جو زینبؑ نے رضا بیٹوں کو، کہتے تھے حسینؑ:
واہ! کس درجہ سخاوت مری ہمشیر میں ہے

شہؑ نے فرمایا کہ سر ننگے پھرے گی در در
یہی لکھا ہوا، زینبؑ! تری تقدیر میں ہے

ہراول: وہ سپاہی جو لشکر کے آگے ہوتا ہے/ رکو کھ: دامن

دفن کر لاشۂ اکبرؑ کو، یہ کہتے تھے حسینؑ:
ابھی، کیا جانیے کیا کیا مری تقدیر میں ہے

جٹی جٹی وہ بھویں اور وہ بھولا مکھڑا
سارا جی میرا لگا، اصغرؑ بے شیر میں ہے

کوکھ پکڑے ہوئے، فردوس میں پھرتی ہے بتولؑ
شمر جو قتلِ شۂِ تشنہ کی تدبیر میں ہے

کہتی تھی فاطمہؑ: خنجر نہ نکال! اے ظالم!
ابھی، فرزندِ نمازی مرا، تکبیر میں ہے

شاہؑ نے ساقیِ کوثر سے کہا، وقتِ ذبح:
آبِ کوثر کا مزا، خنجرِ بے پیر میں ہے

ذبح کے وقت یہ قاتل سے کہا، سرورؑ نے:
صدمے اب سہنے کی طاقت نہیں، شبیرؑ میں، ہے

سوکھے حلقوم پہ چل چل کے اٹک جاتی ہے
آب، ظالم! نہیں شاید، تیری شمشیر میں ہے

کوچ کرتے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ، دنیا سے
کوسِ رحلت کی صدا، نعرۂ تکبیر میں ہے

زیرِ خنجر بھی نہ تڑپا، پسرِ شیرِؑ خدا
یہ تکلّف تو فقط، فاطمہؑ کے شِیر میں ہے

اپنے مُردے کی نماز آپ ہے پڑھتا، گویا
بعد مرنے کے سرِ شاہؑ، جو تکبیر میں ہے

روئیں سیدانیاں، بے گور پڑے ہیں شبیرؑ
کہا لاشے نے: کفن ہی نہیں تقدیر میں ہے

کہا عابدؑ نے کہ یا شیرِؑ الٰہی! مددے!
آج عابدؑ کا گلا، طوقِ گلوگیر میں ہے

خطبہ عابدؑ نے پڑھا جب تو یہ بولے فصحا:
کیا فصاحت، پسرِ شاہؑ کی تقریر میں ہے

اپنی ہم جولیوں سے کہتی تھی رو رو، صغریٰؑ:
یاد کنبے کی ہر اک دم، دلِ دلگیر میں ہے

حیف! صغریٰؑ نے نہ دیکھی سحرِ وصلِ حسینؑ
اُلٹی تاثیر، مرے نالۂ شب گیر میں ہے

ہند نے پوچھا جو عابدؑ کو، تو بولی زینبؑ:
دیکھ! اے بی بی! وہ جکڑا ہوا زنجیر میں ہے

شاد ہو شاد، کہ شبیرؑ کے صدقے سے دبیرؔ!
باغ، فردوسِ بریں کا، تری جاگیر میں ہے

۱۰۰

سلام

سلامی! سیر عجب، دشتِ کار زار میں ہے
کہ باغِ فاطمہؑ سب، قتل کی بہار میں ہے

سلامی! اشک سدا چشمِ اشک بار میں ہے
گہر صدف میں، صدف دُرِ شہوار میں ہے

اثر جو مُجرئی کی آہ بے قرار میں ہے
نہ برق میں ہے، نہ شعلے میں، نے شرار میں ہے

جو دیکھا حضرتِ عباسؑ کو، یہ بولے عدو:
علیؑ کی شان بہت، شہؑ کے جاں نثار میں ہے

بہار، سینۂ قاسمؑ ہیں، زخم دکھلاتے
کہ ہار سینے میں ہے اور سینہ ہار میں ہے

جو دیکھا لاشۂ عباسؑ، بولے شاہِ زمنؑ
کہ شیر سو رہا دریا کے، یہ کنار میں ہے

دشتِ کارزار: جنگ کا میدان/صدف: سیپ/دُرِ شہوار: بڑا موتی/شرار: چنگاری/عدو: دشمن

یہ بولی دیکھ کے نرگس کو باغ میں، صغریٰ
کہ تو بھی، کیا گلِ زہراؑ کے انتظار میں ہے

کہا امامؑ نے: کس سوچ میں ہو، اے اکبرؑ؟
کہا کہ جی مرا صغریٰ جگر فگار میں ہے

ہوئے ہیں ہاتھ بھی شبیرؑ کے قلم، ہیہات!
یہ لاش اصغرِؑ معصوم کی، کنار میں ہے

خدا سے شہؑ نے کہا، دیکھ شکل اکبرؑ کی:
کہ باقی اب یہی، میرے رفیق و یار میں ہے

دھرا جو لاشۂ اصغرؑ، تو شاہؑ نے دیکھا
بتولؑ گود کو کھولے ہوئے، مزار میں ہے

کہا یہ بانو نے اصغرؑ کو: دوں کہاں سے آب!
عطش کی تاب، نہیں مرے گل عذار میں، ہے

جمال دیکھ کے اکبرؑ کا، شاہؑ کہتے تھے:
تمام شانِ نبیؐ، میرے گل عذار میں ہے

حسینؑ کہتے تھے زینبؑ سے :بددعا نہ کرو!
کہ حُر ہمارا، ابھی فوجِ بدشعار میں ہے

مزار: قبر/گل عذار: پھول جیسے رخسار

کہا لعینوں نے: کرتی ہے ایک ہاتھ میں دو
یہ وصف شاہؑ کی شمشیرِ آب دار میں ہے

نہیں ٹھہرتی ہے اک جا پہ، مثلِ برق کہیں
کبھی یمین میں ہے اور کبھی یسار میں ہے

گئے جو نہر پہ عباسؑ، شاہؑ کہتے تھے:
خیال اب مرا، عباسِؑ نام‌دار میں ہے

قطعہ

جو دیکھا بانو نے، اس طرح شہؑ کو آتے ہوئے
کہ لاشِ اصغرؑ بے شیر کی، کنار میں ہے

کہا یہ شاہؑ سے: جلدی بتاؤ! اے صاحب!
کہ باقی جان، مرے طفلِ گل عذار میں ہے؟

بہن نے عرض کی: حُرمت بچے گی یاں کیوں کر؟
کہا یہ شاہؑ نے: خالق کے اختیار میں ہے

جو پوچھا مادرِ قاسمؑ نے، شہؑ سے قاسمؑ کو
کہا: وہ سو رہا، میدانِ کارزار میں ہے

یمین ویسار: فوج کا دائیں بائیں

ا زہے امام، کہ سازند سُبحہ از خاکش
ہنوز طینتِ خوش ذکرِ کردگار میں ہے

سکینہؑ پوچھتی تھی بستیوں میں کوفے کی
حسینؑ سبطِ پیمبرؐ بھی اس دیار میں ہے

اُسے تو نار ملی اور اِسے بہشت ملا
یہ شمر و حُر کی تفاوت، مآلِ کار میں ہے

دبیرؔ! آگے نہ لکھ اب تُو! تر ہوا کاغذ
کہ موجِ بحر بھری، گویا چشمِ زار میں ہے

ا خوش بحال امام کے، تسبیح کو آپ کی خاک سے بناتے ہیں۔ رطینت: فطرت ردیار: شہر رنار: دوزخ رتفاوت: فرق ربحر: سمندر

۱۰۱

سلام

مُجرئی! ہُوئیں نہ کیوں، شہؑ کے جگر کے ٹکڑے
روبرو ہُوئیں جو اکبرؑ سے پسر کے ٹکڑے

جب ہوئے رَن میں شہِؑ جن و بشر کے ٹکڑے
مُجرئی! ہو گئے زہراؑ کے جگر کے ٹکڑے

مجھ کو حیرت ہے کہ خورشید نہ تابندہ ہو
اور ہوں فاطمہؑ کے رشکِ قمر کے ٹکڑے

شہؑ نے اَعدا سے کہا، عون و محمد کو دکھا:
بخدا! یہ مرے دونوں ہیں جگر کے ٹکڑے

اے فلک! مجھ کو بتا دے، جو کہیں دیکھا ہو
آگے کس باپ کے، ہوتے ہیں پسر کے ٹکڑے

پوچھا صغریٰ نے جو سرورؑ کو، تو بولی زینبؑ:
سامنے میرے ہوئے تیرے پدر کے ٹکڑے

چلتے دم ماں سے کہا، عون و محمد نے یہی:
لشکرِ شام کے، ہم آئیں گے کر کے ٹکڑے

کہا زینبؑ نے کہ شبیرؑ کے ٹکڑے ہوں گے
ہوئے جس وقت، گریبانِ سحر کے ٹکڑے

کیوں نہ ہو چاک جگر شاہِؑ زمن کا، افسوس!
دیکھیں آنسو سے، جو وہ لختِ جگر کے ٹکڑے

کہا زینبؑ نے کہ فرزند مرے ٹکڑے ہوں
پر نہ ہوویں کہیں، زہراؑ کے پسر کے ٹکڑے

نیزہ و تیغ سے، اُس فوجِ ستم گر نے، دبیرؔ!
کیے بستانِ پیمبرؐ کے شجر کے ٹکڑے

۱۰۲

سلام

مُجرئی! شہؑ نے کہا یوں حیدرِؑ کرار سے:
ہم ہوئے سیراب، آبِ خنجرِ خوں خوار سے

حلق کٹتا شاہِؑ دیں کا، خنجرِ خوں خوار سے
مُجرئی! پوچھے کوئی زہراؑ جگر افگار سے

بولے شہؑ اعدا سے: تم پانی نہیں دیتے مجھے
کیا کہو گے روزِ محشر حیدرِ کرّار سے؟

یہ محبت شہؑ کو تھی خواہر سے، جو سرورؑ کا سر
سوے زینبؑ دیکھتا تھا، نیزے پر کس پیار سے

جا کے جنّت میں حسنؑ سے اس طرح بولے امامؑ
بھائی صاحب! خوش ہوا میں آپ کے دلدار سے

لاشِ عباسؑ پر بولے علیؑ: صد آفریں!
سرخ رُو مجھ کو کِیا، زہراؑ جگر افگار سے

تیر جو لگتا تھا تن پر، کہتے تھے شکرِ خدا
اُس کی لذّت پوچھے کوئی سیّدِ ابرار سے

روزِ قتلِ شاہِ دیں، کہتے ہیں آتی تھی صدا:
پیٹنے رونے کی، قبرِ احمدِؐ مختار سے

قطعہ

مَل کے آنکھیں پائے شہؑ پر، مرتے دم عباسؑ نے
عرض کی: کچھ خوش ہوئے اپنے علم بردار سے؟

بولے شہؑ: میں خوش، خدا خوش اور نبیؐ و مرتضیٰ
تیرا رتبہ کم نہیں ہے جعفرِؑ طیّار سے

چرخ سے آئی صدائے آفریں، اُس دم اُسے
سوئے سرورؑ حُر چلا، جب لشکرِ کفّار سے

شمر سے کہتی تھی زینبؑ: چادریں بھی لے لیں آہ!
کیا عداوت ہے یہ، آلِ احمدِؐ مختار سے

قطعہ

کیجو خاطر داری اے بھینا! سکینہؑ کی مری
چلتے دم شہؑ نے کہا یہ، زینبؑ ناچار سے

یہ اگر روئی تو تڑپے گی مری روح اے بہن!
یہ مری پیاری ہے، اس سے بولیو تم پیار سے

باپ کی فرقت سے، یہ صحرا میں روتی جاتی تھی
تھی زمیں گُل، اشکِ چشمِ عابدِؑ بیمار سے

قاسمؑ نوشاہ نے میدانِ شہادت میں کہا:
بدھیاں زخموں کی مجھ کو، کم نہیں ہے ہار سے

حوضِ کوثر پر علیؑ بھی روئے جب عباسؑ نے
تشنگی شہؑ کی بیاں کی حیدرِ کرّار سے

خُلد میں نانا سے شہؑ بولے: کٹا گو مرا سر
آپ کی اُمت مگر میں نے بچائی نار سے

کہتی تھی زینبؑ لعینوں سے: کرو خوفِ خدا!
اونٹ بھی کھنچواتا ہے کوئی کسی بیمار سے؟

بیٹوں کی مسلمؑ کے لاشیں، نہر میں بہتی تھیں یوں
دونوں بھائی تھے گلے لپٹے ہوئے کس پیار سے

منع جب کرتا تھا کوئی، رو رو عابدؑ کہتے تھے:
میں کبھی فارغ نہ ہوں گا، رونے کے آزار سے

بولی اصغرؑ سے یہ بانوؑ: کیجیو تب مجھ کو یاد!
جامِ کوثر جب لو دستِ حیدرِؑ کرّار سے

لاشِ سرورؑ نے کہا جبریلؑ سے مت کہیو تم!
میرے مرنے کی خبر، زہراؑ جگر افگار سے

اب تلک آئے نہ تم بھی لاش پر کیوں نانا جان!
ہاں مگر، کچھ گلہ یہ احمدِؐ مختار سے

پہلوے سرورؑ میں تھا، اصغرؑ کا جو لاشا دھرا
لاشِ شہؑ ہاتھ اُس پہ اپنا، رکھتے ہے کس پیار سے

یا الٰہی! بخششِ اُمت تو کیجو! روزِ حشر
زیرِ خنجر تھی دعا شہؑ کی یہی غفار سے

حوضِ کوثر پر جو ہم جائیں گے محشر کو دبیرؔ
جامِ کوثر لیں گے دستِ حیدرِؑ کرار سے

۱۰۳

سلام

مُجرئی! کہتے تھے سرورؑ، زینبؑ دلگیر سے:
کیا کروں، کچھ بس نہیں چلتا مرا تقدیر سے

قطعہ

سارباں نے کاٹے جس دم، سیدِ بے کس کے ہاتھ
یہ صدا آتی تھی اُس دم لاشۂ شبیرؑ سے:

ہاتھ میرے کر دیے تن سے جدا، جو اے لعیں!
کیا قصور ایسا ہوا تھا، مجھ شۂ دلگیر سے

بولا کوثرؑ پر اشارے سے یہ اصغرؑ: یا علیؑ!
تشنگی میری بُجھائی، حرملہ نے تیر سے

بُوسہ دے کر حلقِ سرورؑ پر یہ کہتے تھے نبیؐ:
ہو گا اک دن وہ، کہ کٹ جائے گا یہ شمشیر سے

شہؑ نے اَعدا سے کہا: یارو! نہ ایذا دو مجھے
خوف کھاؤ فاطمہؑ کی آہِ پُرتاثیر سے!

یوں حسنؑ سے قاسمِؑ مضطر نے جنّت میں کہا:
زخمی ہوتے ہیں چچا واں نیزہ و شمشیر سے

رہتا تھا ہر عضو عابدؑ کا، غمِ شبیرؑ میں
بلکہ پیدا تھی صدا فریاد کی زنجیر سے

ہے شجاعت ختم، آلِ مرتضیٰؑ پر دوستو!
ہنس دیا اصغرؑ نے، حلق اُس کا چھدا جب تیر سے

دیکھ جرات عون و جعفر کی، یہ کہتے تھے عدو:
کچھ انھیں رشتہ ہے شاید شاہِؑ خیبر گیر سے

قطعہ

پانی دو! اے ظالمو! ہے سبطِ پیغمبرؐ حسینؑ
بولے عباسؑ علی، یہ لشکرِ بے پیر سے

سُن کے یہ شہؑ نے کہا: پانی نہیں دیتے، نہ دیں
بھائی آؤ! کچھ بھلا مطلب ہے اس تقریر سے؟

وقتِ رخصت قاسمؑ و اکبرؑ کا یہ عالم رہا
سامنا تصویر کا ہو جس طرح تصویر سے

خُلد میں کہتے تھے شہؑ، زہراؑ سے رو رو کر یہی:
ٹکڑے دل ہوتا ہے اے امّاں! غمِ ہمشیر سے

قطعہ

مُہر کر محضر کے اوپر، کہتے تھے سب سے حسینؑ:
کوئی اُس دم کی خوشی پوچھے دلِ شبیرؑ سے

بولے شہؑ قاصد سے: کہہ دیجیو کہ کنبہ مر گیا
کیا ہے حاصل، تو ہی بتلا! نامہ و تحریر سے

ذبح جب خنجر سے شہؑ ہوتے تھے، زینبؑ کہتی تھی:
اُس گھڑی کا صدمہ پوچھو فاطمہؑ دلگیر سے

کیا غضب ہے، رَن میں وہ پیاسا رہے دو دن تلک
پرورش ہو جس کی بنتِ فاطمہؑ کے شیر سے

سُن سلام، اب تو مَلک کہتے ہیں گردوں پر دبیرؔ!
درد پیدا ہوتا ہے بس، اک تری تقریر سے

۱۰۴

سلام

مُجرئی! ہے سوگوارِ ماہِ حیدرؑ چاندنی
اشک ہیں شبنم، بُکا کرتی ہے شب بھر چاندنی

مُجرئی! فرشِ نجف سے کب ہو ہمسر چاندنی
چاندنی جھاڑو تو جھڑتی ہے زمیں پر چاندنی

اے فلک! اندھیر ہے، عابدؑ کا زنداں بے چراغ
اے زمیں! کیا قہر ہے، دنیا میں گھر گھر چاندنی

تا کمالِ چاردہ معصومؑ روشن سب پہ ہو
چودھویں شب کو رہا کرتی ہے شب بھر چاندنی

حلّۂ نورانیِ فردوس کے مشتاق تھے
دیکھ کر عاشور کی شب کو بہتر، چاندنی

شمر نے چاہا کہ حضرت سے جدا عباسؑ ہوں
یہ نہ سمجھا، چاند سے چھوٹے گی کیوں کر چاندنی

بُکا: رونا/ ہمسر: برابر/ قہر: غضب/ سفیدی ہونا: چونا ڈالنا

جب سفیدی روضۂ شبیرؑ میں ہونے لگی
گرد روضہ کے پھری چونے میں مل کر چاندنی

اتحادِ پنجتنؑ پر مل کے چاروں ہیں گواہ
دھوپ، خورشیدِ درخشاں، ماہِ انور، چاندنی

مال و زر کا کیا بھروسا، چاہیے فکرِ مآل
فی المثل: ہے چار دن کی، اے تونگر! چاندنی

اَبروے ماہِ بنی ہاشمؑ سے روشن تھا جہاں
بدر سے اس ماہِ نو میں، تھی فزوں تر چاندنی

صاف باطن، لوث دنیا سے بَری دنیا میں ہیں
گرد آلودہ نہیں ہوتی زمیں پر چاندنی

بارہا لکھا ہے شب کو حُسنِ رخسارِ حسینؑ
روشنائی میں مرکب کی ہے اکثر چاندنی

سینۂ پُر داغِ زہراؑ دیکھ لے گر اِک نظر
چاند کے مانند داغی ہو سراسر چاندنی

فی المثل: مثال کے طور پر/ تونگر: مالدار/ ماہ بنی ہاشم: لقب حضرت عباسؑ/ بدر: ماہ کامل/ فزوں: زیادہ/ باطن: اندر، ضمیر/ بَری: آزاد/ مرکب: ملائی/ خاکسار: عجز و انکساری/ کشور: مملکت/ تیرہ بخت: بد بخت/ نہاں: پوشیدہ/ عیاں: ظاہر

خاکساروں کا ہر اک دھبّے سے دامن پاک ہے
گرد آلودہ نہیں ہوتی زمیں پر چاندنی

کشورِ بغضِ علیؑ میں کیوں بسے ہیں تیرہ بخت
یاں نہ اوّل چاندنی ہے اور نہ آخر چاندنی

مہدیِ دیں ہیں نہاں، فیضِ ہدایت ہے عیاں
چاند جیسے اَبر میں، اَور جلوہ گستر چاندنی

جب کہ زنداںؔ کے اندھیرے سے بہت گھٹا تھا دم
کہتے تھے بچّے: دکھا دو ہم کو دم بھر چاندنی!

ہوتے ہی طالع، کیا ماہِ جوانی نے غروب
وائے قسمت! دیکھنے پائے نہ اکبرؑ چاندنی

جب چھٹی کو تارے دیکھے، بانوؑ سے بولی قضا:
وادیٔ غربت کی اب دیکھیں گے اصغرؑ چاندنی

بے سوادوں کو نہیں تمیزِ حُسن و قبحِ نظم
جانتا ہے کور، سائے کے برابر چاندنی

طالع: طلوع / بے سواد: جاہل / تمیز: فرق / قبح: بد / کور: اندھا / پا انداز: پیروں کے درمیان / چرخ: فلک / شہپر: اصلی پھوئے کے پر
خوشا طالع: خوش نصیب / اشتیاق: شوق / شیر لبن: دودھ کی نہر

عرشِ اعظم جن کے گھر کا، فرش پا انداز ہے
فرش کی خاطر نہ تھی ان کو میسّر چاندنی

ہر مہینے دشمنانِ دیں سے ہے سرگرمِ جنگ
چرخ پر رکھتی ہے ماہِ نو کا خنجر چاندنی

کھینچتا ہے عاشقوں کے دل کو نورِ کربلا
مرغِ شب آہنگ کی خاطر ہے جو شہپر چاندنی

اے خوشا طالع! کہ ہے نامِ حسنؑ سے ہم عدد
کیوں نہ ہو روشن دلوں میں نام آور چاندنی

اشتیاقِ سیر جنّت دیتی ہے بے شِیر کو
قاصدِ نہر لبن تھی، بہرِ اصغرؑ چاندنی

اصغرِؑ بے شِیر کی تربت پہ رکھنا چاہیے
چاند کا ہے، دودھ سے لبریز، ساغرِ چاندنی

احمدِؐ مختار ہیں نورِ خدا کے آسماں
حیدرؑ و زہراؑ قمر، شبیرؑ و شبّرؑ چاندنی

شام سے سامانِ صبحِ قتل کرتے تھے شہید
نور کا تڑکا تھی، بہر فوجِ سرورؑ چاندنی

پیشِ فرشِ روضۂ شبیرؑ طلعت پر ترے
خندۂ دندان نما کرتے ہیں اختر چاندنی

روضۂ حضرت کی گلشن میں اگر گلچیں بنے
بھر لے دامن میں گُلِ خورشید انور چاندنی

ظلمتِ زندانِ عابدؑ سے ہے زخمی ان کا دل
ہے نمک پاشِ دلِ احبابِ حیدرؑ چاندنی

ہو گیا تھا خون غم سے خشک، رنگت تھی سفید
فرش پر سجادؑ کا تھا جسمِ لاغر چاندنی

روضۂ پُر نورِ مولاؑ میں بچھانی ہے اگر
مُہر کے چشمہ میں دھو، اے ماہ انور! چاندنی

گرد خیمے کے طلاے کو چلے عباسؑ جب
روشنی لے کر چلے، پیشِ دلاورؑ چاندنی

عکس خورشیدِ جبیں و ماہِ عارض جو پڑا
آسماں پر دھوپ نکلے اور زمیں پر چاندنی

نورتن، چھَن چھَن کے کڑیوں سے زرہ کے تھا عیاں
چار سو چار آئینے سے تھی برابر چاندنی

زیرِ راں شبدیز، وہ تھا بالِ جس کے سنبلہ
زین ماہ نو، عناں جوزا، تھی پاکھر چاندنی

اک مہِ داغِ عزا میں کتنے جلوے ہیں دبیرؔ!
قبر پر باہر چراغاں اور اندر چاندنی

۱۰۵

سلام

مُجرائی! بچّے ساقیِؐ کوثر کے لال کے
کہتے تھے پانی! پانی! زبانیں نکال کے

سیراب ہو کے تیغ سے کہنے لگے حسینؑ:
مشتاق اپنے لب نہیں، آبِ زلال کے

ایذا کا رہرووں کے، جو عابدؑ کو تھا خیال
پھینکا نہ پاؤں سے کوئی کانٹا نکال کے

صغریٰؑ نے پوچھا: کیا علیؑ اکبر ہوئے شہید؟
بانوؑ یہ بولی ہاں! جگر اپنا سنبھال کے

اکبرؑ کے غم سے درد جو تھا، شہؑ نے وقتِ ذبح
تکبیر بھی کہی تو کلیجہ سنبھال کے

زینبؑ نے پوچھا: کیا میں پھروں گی برہنہ سَر؟
شہؑ بولے: ہاں! پہ بعد مرے انتقال کے

ایذا: تکلیف، رہرووں: راستہ چلنے والے

قطعہ

سجادؑ نے مدینہ میں زینبؑ سے یہ کہا:
بہلاؤ دل کو غم میں شہِؑ خوش خصال کے

باقرؑ کو پرورش کرو! بولی وہ نامراد:
اب تک میں ہاتھ ملتی ہوں اکبرؑ کو پال کے

یارو! دلِ نبیؐ کے کلیجے کو دیکھنا
اکبرؑ کو بھیجا برچھیوں میں دیکھ بھال کے

روتے تھے، دے کے پانی پہ اکبرؑ کا فاتحہ
تھے جو جواں مدینہ میں اٹھارہ سال کے

عباسؑ بولے: سینے پہ روکیں گے تیغ و تیر
احسان مند، ہم نہیں ہوئیں گے ڈھال کے

سجادؑ سے یہ لاشۂ عباسؑ نے کہا:
گاڑو مجھے بھی پاس پیغمبرؐ کے لالؑ کے

اصغرؑ کے حلق پر جو لگا ناوکِ ستم
بس مر گیا، وہ چھوٹے سے بازو اُچھال کے

خوش خصال: اچھی صفات

اکبرؑ کا تھا یہ حُسن کہ کہتی تھی ساری خلق
اس قد پہ ہم نثار ہوں، یا اس جمال کے

تھی یہ دعا حسینؑ کی: یا رب! بہ زیرِ تیغ
تڑپوں نہ، ہاتھ پاؤں میں اپنے اُچھال کے

ظالم سے روزِ حشر، یہ پوچھیں گے مجتبیٰؑ
کیوں ہاتھ تو نے کاٹے مرے خورد سال کے؟

قاتل سے شاہؑ کہتے تھے: مجھ کو نہ ذبح کر
کچھ بھی نہ پائے گا تو سوا انفعال کے

چلاتی تھی سکینہؑ: مرا نیگ دیجیے!
آنچل کو اپنے لاشۂ قاسمؑ پہ ڈال کے

اصغرؑ کو بولنا جو نہ آتا تھا، مومنو!
پانی وہ مانگتا تھا زباں کو نکال کے

از بہرِ قربِ روضۂ شبیرؑ، اے دبیرؔ!
سائل ہوں آستاں پہ میں ذوالجلال کے

ناوک:ستم: تیرِ ستم/بہ زیر: نیچے/خورد سال: چھوٹے سال/انفعال: شرمندہ

۱۰۶

سلام

رمضاں، کیوں نہ سلامی کو محرّم ہو جائے
جب کہ درپیش، یدُاللہ کا ماتم ہو جائے

ماتم مصحفِ ناطق میں عجب کیا ہے، اگر
دفترِ کون و مکاں، درہم و برہم ہو جائے

ورد ہے: ہائے علیؑ! ہائے علیؑ! ہائے علیؑ!
شربتِ زیست نہ کس طرح بھلا سم ہو جائے

کوچ ہے ساقیِ کوثر کا، بسوے کوثر
کوثرِ خلد، نہ کیوں دیدۂ پُر نم ہو جائے

ہاشمی و قریشی و مدنی کا غم ہے
کیوں بپا، یثرب و بطحا میں نہ ماتم ہو جائے

عین سجدے میں ہوا قبلۂ ایماں زخمی
پشتِ محراب، نہ اس رنج سے کیوں خم ہو جائے

مصحفِ ناطق: بولتا قرآن / دفترِ کون ومکاں: کاروبارِ دو جہاں / شربتِ زیست: زندگی کا شربت / کوچ: سفر / دیدہ: آنکھ / پشت: کمر

آشکارا غمِ حیدرؑ میں جو روئے جبریلؑ
پھر دو عالم کا ابھی اور ہی عالم ہو جائے

بال زہراؑ کے نہ کس طرح کُھلیں جنّت میں
کیوں نہ عریاں سرِ پیغمبرؐ عالم ہو جائے

بے پدر ہو گئی زینبؑ ہوئے بے کس حسنینؑ
کوئی اس طرح نہ بے مونس و ہمدم ہو جائے

ہو کے مجروح کہا: فزت بربّ الکعبہ
صبرِ حیدرؑ پہ فدا جانِ دوعالم ہو جائے

اللہ اللہ! یہ تھا شوقِ ملاقاتِ رسولؐ
کہتے تھے عمر جو باقی ہو، وہ اب کم ہو جائے

سرِ زخمی پہ مرے ہاتھ پھرا دیں احمدؐ
زخم اچھا مرا، بے بخیہ و مرہم ہو جائے

شیعانِ اسدؑ اللہ ہوئے بے آقا
بے قرار آہ! نہ کیوں عرشِ معظّم ہو جائے

کُل مخلوق سے تھی ذاتِ علیؑ پہلے دبیرؔ
لکھوں آدم سے موخر، تو مقدّم ہو جائے

آشکارا: ظاہر/ مونس وہمدم: دوست اور ساتھی/ مجروح: زخمی/ فزت برب الکعبہ: قسم خدائے کعبہ میں کامیاب/ مؤخر: آخر/ مقدم: اول

۱۰۷

سلام

تعریف کی ہے نظمِ رواقِ امامؑ کی
بیت الحرم ہے بیت ہمارے سلام کی

فضہ نے فوج سے کہا: گھر تو جلا چکے
مسند تو اب جلاؤ نہ خیرالانامؐ کی!

قطعہ

زینبؑ سے ہند بولی کہ صورت سے آپ کی
ملتی ہے شکل زینبؑ عالی مقام کی

زینبؑ پکاری اُن سے نہ تشبیہ دے. مجھے
خواہر ہے وہ حسین علیہ السلام کی

اور میں تو بیٹھی خانۂ زنداں میں روتی ہوں
لائی ہے قید کر کے مجھے فوج شام کی

دعوت میں حُر کو کوثرِ جنّت عطا کیا
شبیرؑ پہ خدا نے سخاوت تمام کی

رواق= روضہ کا بیرونی حصہ ر مسافت= سفر

تن میں بخار، پاؤں میں بیڑی، گلے میں طوق
عابدؑ نے یوں مسافتِ منزل تمام کی

کی تیغ تیز شمرِ لعیں نے، تمام شب
اور شہؑ نے رات، طاعتِ حق میں تمام کی

بانو یہ، قبر پر علی اصغرؑ کے کہتی تھی:
بیٹا! خبر لو! مادرِ ناشاد کام کی

پہلو میں نیزہ، سجدے میں سر اور گلے پہ تیغ
اس طرح شہؑ نے طاعتِ خالق تمام کی

افسوس! شمر سینے پہ اُس کے ہوا سوار
چڑھتا تھا جو کہ پشت پہ خیر الانامؐ کی

جوں صبح، رنگ ہو گیا فق، اہلِ بیتؑ کا
دَر آئی خیمہ گاہ میں جب فوج شام کی

کیوں چرخ! کشتے اہلِ ستم کے تو ہوئیں دفن
اور لاش بے کفن رہے رن میں امامؑ کی

مسافت: سفر

قطعہ

حُر کو گلے لگا کے، یہ کہتے تھے شاہِ دیں
چار آنکھ، تجھ سے ہو نہیں سکتی، امامؑ کی

پانی بھی؛ ابنِ ساقیِ کوثر پہ بند ہے
دعوت نہ مجھ سے ہو سکی، تُجھ تشنہ کام کی

آئی ندائے حق کہ نہ شرماؤ! اے حسینؑ!
جاگیر ہم نے دی اُسے دارالسّلام کی

حضرت سے حُر نے عرض کی: مولاؑ! بتایئے!
اِک بی بی لے رہی ہے بلائیں غلام کی

فرمایا شہؑ نے: شاد ہو! اے حُر خوشا نصیب!
یہ فاطمہؑ ہے، بیٹی رسولِؐ انام کی

حضرت سے حُر نے عرض کی، ہاتھوں کو جوڑ کر
تقصیر بخش دیجیے! آقا! غلام کی

فرمایا شہؑ نے کیسی خطا؟ اور گناہ کیا؟
راضی ہے روح، تجھ سے رسولِؐ انام کی

زینبؑ کو دیکھ دیکھ کے، کہتے تھے اہلِ شام:
سر ننگے ہے نواسیِ، رسولِ انام کی

مقبول کی یہ نظم شہِ دیں نے، اے دبیرؔ!
شہرت ہوئی اِسی سے، ہمارے کلام کی

مقبول: قبول کرنا

۱۰۸

سلام

پیرو شہِؑ بے سر کا، ازل سے جو قلم ہے
اس واسطے، مُجرائی! سرِ خامہ قلم ہے

ہر بیت میں مضمون نیا، زیبِ رَقَم ہے
مُجرائی! کلیدِ درِ غیب، اپنا قَلَم ہے

در پیش خزاں، جوں گُلِ زہراؑ کی رَقَم ہے
بلبل کی طرح نوحے میں، مُجرائی! قَلَم ہے

وصفِ قدِ شبیرؑ کا کیا فیض، رَقَم ہے
مانندِ الف راست، سلامی کا قَلَم ہے

مدحِ شہؑ دیں لکھنے سے، کب سیر قَلَم ہے
خالی، صفت گرسنہ، خامے کا شِکَم ہے

مُجرائی! دریدہ جو گریبانِ قلم ہے
درپیش مگر، مرثیۂ شہؑ کی رَقَم ہے

ازل: ابتدا/ بیت: شعر/ زیب: شان/ کلید: کنجی/ وصف: تعریف/ گرسنہ: بھوکا/ دریدہ: پھٹا ہوا/ درپیش: سامنا

کیا پاسِ بزرگی، درِ شاہِ اُمَم ہے
مُجرائی! فلک دُور سے تسلیم کو خم ہے

وہ قبلۂ نور، ابروے سلطانِ امم ہے
مُجرائی! فلک پر مہِ نو، سجدے کو خم ہے

یہ فیض ثنائے قدِ سلطانِ اُمَم ہے
ہر مصرع سرسبز مرا، سروِ اِرم ہے

مُجرائی! یہی موج کی سطروں میں رَقم ہے
سَقاؤں میں یکتا ہے، تُو سقائے حرم ہے

مُجرائی! سرِ فتح و ظفر، سجدے میں خَم ہے
تیغِ دو زباں، شاہ کی محرابِ حرم ہے

موزوں جو، ثنائے شرفِ اہلِ حرم ہے
مُجرائی! ہر اِک بیت مری، بیتِ حرم ہے

موسیٰؑ کو ندا آئی کہ نعلین اُتارو!
صحرا یہ نہیں، مقتلِ سلطانِ اُمَم ہے

جس طرح سے یہ پانچ نمازیں ہوئیں ہم پر
واجب، بہ خدا، پنجتنِ پاک کا غم ہے

شبیرؑ کے ہے، روے کتابی سے، مشابہ
دنیا میں جواز اس لیے قرآں کی قسم ہے

قطعہ

یوں حُر سے مخاطب ہوئے کفار، دمِ جنگ:
شادی ہے تجھے آج، ولیکن ہمیں غم ہے

واں فاقہ ہے اور پیاس، یہاں میوے ہیں اور نہر
واں ذلّت و خواری ہے، یہاں جاہ و حشم ہے

مانا کہ ہیں شبیرؑ، پیمبرؐ کے نواسے
پَر شام کا حاکم بھی، نہیں رتبہ میں کم ہے

کی تیغِ زباں حُر نے علَم، اور یہ پکارا
خاموش! وگرنہ ابھی سَر سب کا قلم ہے

سودا بہ رضا اپنا ہے، بازارِ قضا میں
حُبِّ شہِؑ دیں سکّہ ہے، دل حُر کا درم ہے

تم کو، مرے آقا کے شرف کیا نہیں معلوم؟
کعبے کی قسم! قبلۂ اربابِ ہِمَم ہے

خورشیدِ زمیں، بدرِ فلک، شمعِ مدینہ
سردارِ عرب ہے، وہی سلطانِ عجم ہے

کیا، حاکمِ شامی کو ہے شبیرؑ سے نسبت
وہ کفر، یہ اسلام وہ دَیر اَور یہ حرم ہے

وہ ظُلم ہے، یہ عدل؛ وہ عِصیاں، یہ عِبادت
وہ رنج، یہ راحت؛ وہ ستم ہے، یہ کرم ہے

تم کور ہو کیا؟ دیکھو میرے واسطے، واللہ!
یہ حُور، یہ حُلّہ، یہ کوثر، یہ اِرم ہے

ہاتف نے ندا دی: نہ پھرا ہے، نہ پھرے گا
اے ناریو! حُر عاشقِ سلطانِ اُمَم ہے

قاسمؑ سے کہا، خطِ حَسنؑ، شاہؑ نے پڑھ کر:
وہ اس میں رقم ہے، جو مقدّر میں رَقم ہے

کس وقت حسینؑ آئے ہیں، اکبرؑ کے سرھانے
سینے میں تو پھل برچھی کا، اَور ہونٹوں پہ دَم ہے

خواہر سے کہا، خواب میں آ کر، شہِؑ دیں نے:
زینبؑ! ترے سر کھلنے کا کتنا مجھے غم ہے

قطعہ

عباسؑ کے بازو جو کٹے، کہنے لگا شِمر:
اب قید کرو ان کو، کہ ہر شانہ قلم ہے

عبّاسؑ پکارے، نہ سمجھنا مجھے بے دست
اِک ہاتھ مرا تیغ ہے، اِک ہاتھ علَم ہے

زہراؑ نے کہا: شیر ترائی میں ہے، کس کا؟
دریا سے ندا آئی کہ سقاے حرم ہے

گھبرا کے سکینہؑ نے کہا پیاس بجھاؤ!
عبّاسؑ! تمھیں مالکِ کوثر کی قسم ہے!

رو رو کے، حَرم پیٹ رہے تھے سر و سینہ
محراب، خمِ تیغ میں، سر شاہؑ کا خم ہے

کیا حُسن شہادت کا ہے، کیا شانِ عبادت
صف بستہ، جماعت کے عوض، لشکرِ غم ہے

جز قطرۂ خوں، دانۂ تسبیح ہے نایاب
ہم دم، دمِ تکبیر، فقط تیغ کا دم ہے

پہلو میں ہے سوفار، کلیجے میں ہے پیکاں
سینے میں سناں، حلق پہ شمشیرِ ستم ہے

لَب شُکر میں، سَر سجدے میں، دل یادِ خدا میں
رُو جانبِ قبلہ ہے، نگہ سوے حرم ہے

نایاب: نہیں ملتا سوفار: تیر کی نوک پیکاں: تیر

سجادؑ ہیں یوں تیز روِ راہِ رضا، واہ!
گویا کہ نہ زنجیر ہے پا میں، نہ ورم ہے

سجادؑ کے ہمراہیوں کی پوچھو نہ تفصیل
بس بیڑیاں ہیں، خار ہیں، پاؤں کا ورم ہے

عابدؑ نے کہا: کیوں مجھے پہناتے ہو زنجیر؟
بیمار کی زنجیر تو پاؤں کا ورم ہے

اِک جا ہیں، پس از مَرگ بھی، سردارؑ و علَم دارؑ
ہر تعزیے کے پاس، گواہی کو علَم ہے

کہتی تھی، مسلمانوں کی بستی میں سکینہؑ:
پانی دو ذرا سا! کہ مرا ہونٹوں پہ دم ہے

بانو نے کہا: باپ کے پہلو کو بسایا
واری گئی! اصغرؑ! مری الفت تمھیں کم ہے

بیٹے جو چلے رن کو، تو زینبؑ یہ پکاری:
سر، شہؑ پہ فدا کرنا! مرے سر کی قسم ہے!

غل کر کے، قیامت ابھی برپا کرے زنجیر
پر ہے یہ ادب، بیچ میں عابدؑ کا قدم ہے

سیلی کبھی لگتی ہے، کبھی چھنتا ہے گوہر
منھ سُرخ طمانچوں سے ہے، کانوں پہ ورم ہے

جلّاد بھی رویا، جو کہا شہؑ نے دمِ ذبح:
اے شمرِ لعیں! پانی! کہ اب ہونٹوں پہ دَم ہے

سَقّہ بھی موا ہے کوئی پیاسا؟ یہ بتا دے
دریا! تجھے سَقّائے سکینہؑ کی قسم ہے!

عباسؑ چلے رن کو، تو چلّائی سکینہؑ
جلد آنا چچا! تم کو مرے سَر کی قسم ہے

فرصت نہیں لکھنے کی دبیرؔ، آج وگرنہ
مضمون تو، کتنے ہی سلاموں کا بہم ہے

۱۰۹

سلام

مُجرائی! غلامی میں شہنشاہِ اُمَم کی
حُر دیکھتا تھا سیر، گلستانِ اِرم کی

اک بیتِ سلامِ شۂ والا جو رقم کی
ہر نقطہ پہ گردن جھکی، بوسے کو قلم کی

تاحشر کروں شرح، تو ہوئے نہ تمامی
صبرِ شۂ بے کس کی اور اَعدا کے ستم کی

زینبؑ نے کہا شمر سے: کر ذبح نہ شہؑ کو!
واللہ! کہ ہے فاطمہؑ، عاشق اِسی دَم کی

بانو نے کہا: کہتے تھے اصغر، جو اُسے سب
تقدیر نے، اصغرؑ کی مرے، عمر بھی کم کی

مرقد میں اُڑی فاطمہؑ کی نیند، جو کہیے
پُر درد کہانی ہے عجب، شاہؑ کے غم کی

زینبؑ کو برادر سے یہ اُلفت تھی کہ گاہے
سچ بھی نہ قسم کھائی، سرِ شاہِؑ اُمم کی

صغریٰؑ نے کہا: خط بھی نہ لکھا شہِؑ دیں نے
پردیس میں کیا جا کے، محبت مری کم کی

کچھ پیاس میں بھی، شمر نے کھایا نہ ترس، ہائے!
گردن کئی رگڑوں میں، شہِؑ دیں کی قلم کی

حاکم سے کہا شمر نے مل آنکھوں سے اِن کو:
اِن ہاتھوں سے چھینی ہے، رِدا اہلِ حَرم کی

عباسؑ کا غم، ہے غمِ سرورؑ کے برابر
ہو کیوں نہ، جگہ تعزیے کے پاس علم کی

قطعہ

دیکھا درِ کوفہ میں، جوں ہی لاشۂ مسلمؑ
تقریر یہ زینبؑ نے، بصد رنج و الم کی:

گو قبر کو محتاج ہو، پَر رَنج نہ کھانا
بے گور ابھی لاش ہے، سلطانِؑ اُمَم کی

سینے پہ دبیرؔ! اُس کو، پس از مرگ دھروں میں
ہاتھ آئے اگر خاک، شہِؑ دیں کے قدم کی

۱۱۰

سلام

مدحِ علیؑ میں ہے یہ بلندی کلام کی
عرشِ بریں، زمیں ہے ہمارے سلام کی

لکھے جو بیت، شاہِ نجف کے سلام کی
رضواں نے دی صدا مجھے، دارالسّلام کی

مُجرائی! شان دیکھ! مزارِ امامؑ کی
دارالسّلام کو ہے تمنّا سلام کی

کس کو ہوس ہے گلشنِ دارالسّلام کی
حیدرؑ کے در پہ، بار میں پاؤں، سلام کی

بھیجو درود! یاد کرو! جب امامؑ کی
ہے شرط، ہر نماز کی خاطر، سلام کی

اللہ رے! بوترابؑ کہ جس کا غبار راہ
بہرِ زمیں کمند ہے، گردوں کے بام کی

دارالسلام: جنت ربار: پھل رکمند: پھندارسرنوشت: قسمت

بے شک یہی تھی مہرِ نبوّت کی سرنوشت
معراج ہو گی دوشِ نبیؐ پر، امامؑ کی

زیرِ نگین، شمس و قمر کیوں نہ ہوں، جہاں
مہریں ہیں اُن پہ، حیدرِؑ صفدر کے نام کی

قطعہ

انگشتِ اعتقاد سے، گر لے کے، کوئی کور
اک ذرّہ، خاکِ پائے جنابِ امامؑ کی

مانندِ سُرمہ، دیدۂ بے نور میں لگائے
قدرت وہیں نظر پڑے، ربِّ انام کی

روشن ہوں، ہفت پردۂ چشم اُس کے، اِس قدر
سب لوگ پوچھ جائیں، خبر ہر مقام کی

مثلِ دو طفل، شمس و قمر آئیں درس کو
زیرِ بغل کتاب لیے، صبح و شام کی

بے عینک و چراغ، اندھیرے میں رات کو
فر فر وہ سرنوشت پڑھیں، خاص و عام کی

دیدہ: آنکھ ہفت پردۂ چشم آنکھ کے سات پردے // سرنوشت: قسمت کا لکھا

تسبیح حق میں صرف کیا، رشتۂ حیات
دیکھو! خدا کے واسطے طاعت امامؑ کی

خیبر میں تین روز جو لشکر ہوا فرار
خاطر شکستہ ہو گئی خیر الانامؐ کی

مشکل کشاؑ رواں ہوئے خیبر کشائی کو
لے کر سپاہ دبدبہ و احتشام کی

بڑھ کر نقیبِ فتح نے دی بانگ: دور باش!
خدمت، جلال و قہر نے لی، اہتمام کی

عیسٰیؑ نے رکھ لی بیرقِ خورشید، دوش پر
موسٰیؑ نے ترقوا کی ندا، ہر مقام کی

مثلِ شرارہ، اختر، سیارہ چھپ گئے
طاقت رہی نہ پیرِ فلک میں قیام کی

آفاق دنگ، ابلقِ ایام لنگ تھا
آواز سُن کے دُلدلِ محشر خرام کی

مرحب بڑھا اُدھر سے، اِدھر سے خدا کا شیر
آتے ہی اُس نے ضرب لگائی، حسام کی

کھینچی اُدھر سے دستِ خدا نے، جو ذوالفقار
فتنے نے اپنی تیغ، میانِ نیام کی

مرحب کے سر پہ تیغِ دو پیکر، ہوئی یہ گرم
جو سقف ہل گئی، فلکِ ہفت بام کی

اک دم میں قصرِ چار عناصر بہا دیا
اللہ رے! آبِ تیغ، جناب امامؑ کی

سکّانِ شرق و غرب پکارے: اماں! اماں!
دیکھی تھی حرب و ضرب، نہ اِس دُھوم دَھام کی

جبریلؑ بولے، دستِ یدُ اللہ چوم کر:
قدرت تو ہی ہے خالقِ ذوالاحترام کی

انصاف و حلم و علم و دلیری و جود و زہد
تجھ پر خدا نے ساری فضیلت تمام کی

پردہ کھلا، بلندیِ کرسی و عرش کا
مسند ہے وہ علیؑ کی، یہ خیر الانامؐ کی

کہہ تو! اسی زمیں میں، دبیرؔ! اور اِک سلام
ہے اس میں نظم کر، تو شہادت امامؑ کی

سقف: چھت / ہفت بام: سات آسمان / قصرِ چار عناصر: بدن / سکّان: مقیم / حرب: لڑائی

111

سلام

سلامی! یہ امت کا کیسا ستم ہے
کہ نیزے پہ شبیرؑ کا سر الم ہے

غمِ شہؑ میں جی بھر کے رو لو محبو!
کہ جو دم ہے اس بزم میں، مغتنم ہے

قطعہ

شبِ قتل، زینبؑ سے کہتے تھے حضرت:
کہ کل مجکو درپیش راہِ عدم ہے

ہمیں دیکھ لو آج، جی بھر کے زینبؑ!
بہت دل میں حسرت ہے اور رات کم ہے

دمِ ذبح، خالق سے کہتے تھے حضرت:
دیا صبر مجکو، یہ تیرا کرم ہے

تری راہ میں ہے وہ مرنے کی شادی
نہ یادِ سکینہؑ، نہ فکرِ حرم ہے

قطعہ

علم دار آئے تو چلّائے اعدا
عجب ابنِ حیدرؑ کا جاہ و حشم ہے

نشاں فتح کا ہے نشاں سے ہویدا
پھریرے پہ انّا فتحنا نہ رقم ہے

بیاں کرتے تھے ساکنانِ مدینہ
بہار اس چمن کی امامِؑ اُمم ہے

گئے ہیں وہ جس روز سے سوے کوفہ
رگِ جاں میں پیوستہ خارِ اَلم ہے

تزلزل میں کیوں ہے مزارِ پیمبرؐ
بلاشک شہِؑ دیں کو کچھ فکر و غم ہے

نہ یہ حال معلوم تھا اُن کو۔ ہے ہے!
حرم ننگے سر ہیں، سرِ شہؑ علم ہے

دبیرؔ! اسمِ اعظم کی خواہش نہیں ہے
کہ نامِ علیؑ لوحِ دل پر رقم ہے

۱۱۲

سلام

سردارؑ و علم دارؑ کا، مجرائی کو غم ہے
دل تعزیہ خانہ ہے، تو ہر آہ علم ہے

وصفِ غمِ شبیرؑ میں روشن یہ رَقم ہے
مجرائی! ورق بدر ہے، خورشید قلم ہے

مجرائی! یہی ہر ورقِ گُل پہ رقم ہے
فردوسِ نہم، روضۂ سلطان اُمم ہے

یادِ لبِ خشک، سرِ عریانِ حرم ہے
دل پانی ہے زمزم کا، سیہ پوش قلم ہے

دریا ہے ورق، مجرئی! اور موج قلم ہے
پانی پہ مگر، گریۂ سجادؑ رَقم ہے

قطعہ

یاں صرفِ تبسّم ہیں، جوانانِ حسینیؑ
واں رَن میں تکلّم، عمرو حُر میں بہم ہے

وہ کہتا ہے: قبضے میں مرے آب رواں ہے
یہ کہتا ہے آقا مرا دریائے کرم ہے

وہ کہتا ہے، میں کشورِ رے لوں گا، پس از فتح
یہ کہتا ہے: یاں خلد ابھی زیرِ قدم ہے

وہ ہوتا ہے خاموش، نہ یہ ہوتے ہیں ساکت
اب روحِ امینؑ، بیچ میں دونوں کے، حکم ہے

کہتے ہیں مفصّل کہ وہ کاذب ہے، یہ صادق
وہ لائقِ دوزخ، یہ سزاوارِ اِرم ہے

ہاتف کی ندا آئی، کہ کیوں حُرِ دلاور
یہ فیضِ غلامیِ شہنشاہِ اُمم ہے

قطعہ

رَن میں ہے عجب دبدبہ سے آمدِ اکبرؑ
نے کافروں میں جان، نہ تلوار میں دم ہے

مدّاح سراپا، لبِ انصاف سے سب ہیں
غُل ہے، یہ جواں جانِ عرب، جسمِ عجم ہے

بابا مدنی، ماں عجمی، جد اسد اللہ
خود شکل میں محبوب خدا، میرا اُمم ہے

ساکت: خاموش/روحِ امین: جبرائیل/حکم: جج/ہاتف: آسمانی آواز/دبدبہ: شوکت

یہ بختِ جواں، ہے خضرِ پیر کا برحق
یہ حسن میں یوسفؑ سے سوا، عمر میں کم ہے

وصفِ دہنِ تنگ میں عیسیٰؑ کی زباں لال
گویا یہ دلیلِ رہِ باریکِ عدم ہے

قامت ہے وہ قامت، کہ حضورؐ اس کے شرف سے
انگشت سے کم سروِ گلستانِ اِرم ہے

دیکھو! سر و پیشانی و اَبرو کا قرینہ
یہ عرش ہے، یہ لوح، یہ قدرت کا قلم ہے

حق اس کا ہے نقاش، خلیلؑ اُس کا ہے معمار
ابرو کے مقابل، کہاں محرابِ حرم ہے

کیا رتبہٗ یاقوت و شکر، پیشِ لبِ سُرخ
یہ لعل ہے، وہ سنگ ہے، یہ شہد، وہ سَم ہے

خود و زِرہ و تن کی ثنا، سب پہ کرو غور
وہ ابرِ کرم ہے، تو یہ دریائے کرم ہے

جوہر نہیں چار آئینے میں ہے خطِ باریک
بس چار کتابوں کا خلاصہ، یہ بہم ہے

بختِ جوان: خوش قسمت ر زباں لال: گنگ

حسرت ہے کہ یہ شیرِ قوی، ہاتھ سے کھینچے
ہر وقت کمانِ فلک، اِس واسطے خم ہے

تیغِ دو زبانِ شہؑ مرداں ہے کمر میں
قبضے میں، اِسی کے ملک الموت کا دم ہے

عنقا ہے یہ مرکب، کہ عقابِ علی اکبرؑ
قدرت کا کرشمہ رگ و ریشے میں بہم ہے

چھل بل ہے، چھلاوہ ہے، توہّم ہے، تصوّر
اژدر نفس و برق تک و صاعقہ دم ہے

دریا اثر و شعلہ خواص و شرر آگیں
آہو رم و طاؤس دم و شیرِ شیم ہے

اس رخش کا سایہ ہے ہُما، جست ہے بجلی
سیماب پسینہ ہے، ہوا گردِ قدم ہے

خاقانِ سخن ہوں میں، دبیرؔ جگر افگار
سکّہ ہے تخلص مرا، اور نظم درم ہے

عنقا: ناپید رگ و ریشہ: بدن رتوہم: شک راژدر: ایک قسم کا عظیم الجثہ سانپ رشرر: چنگاری رآہو: ہرن رشیم: طبیعتوں ررخش: گھوڑا ر جست: چھلانگ رمعمار: تعمیر کرنے والا رنقاش: نقشہ یا نقش بنانے والا رسم: زہر رتناسب: سائز رچار آسمانی: کتابوں سے مراد چار صحیفہ آسمانی ہیں: آسمانی رقوی: طاقت ور

۱۱۳

سلام

صدمے، مجرائی! عجب، شاہِ اُمم دیکھیں گے
باغِ احمدؐ کو جو آنکھوں سے قلم دیکھیں گے

کہا اکبرؑ نے: جو ہم آئیں گے، رن میں لڑنے
کس طرح لڑتے ہیں، تب اہلِ ستم دیکھیں گے

کہا عابدؑ نے کہ ہے پیاس، شہِؑ تشنہ کی یاد
ہم نہ تا زیست، کبھی جانبِ یم دیکھیں گے

حُر جو مارا گیا، تب عون و محمدؑ بولے:
جا کے اب، جنگ کے میدان کو ہم دیکھیں گے

شہؑ نے اعدا سے کہا: جتنے ہیں میرے انصار
سر جھکا لیویں گے، جب تیغِ علم دیکھیں گے

شاہؑ کہتے تھے: وہ دہشت ہی سے مرجائیں گے
فوجِ اعدا کو، جونہی اہلِ حرم دیکھیں گے

جو غلامانِ علیؑ ابنِ ابی طالب ہیں
اے دبیر! رَن کو، بہ گلزارِ اِرم، دیکھیں گے

زیست: زندگی ریم: دریا رعلم: کھڑا ہونا راعدا: دشمنان رارم: جنت

۱۱۴

سلام

گر مرقّع میں شبیہِ شہِؑ ذی شان نکلے
اے سلامی! لبِ تصویر سے افغاں نکلے

مُجرئی! صبح نہ کیوں چاک گریباں نکلے
چاند زہراؑ کا چھپے، مہرِ درخشاں نکلے

کربلا میں، یہ لُٹے دولتِ زہراؑ و علیؑ
جس جگہ کھودیے واں گنجِ شہیداں نکلے

لائے لاش ایک کی اور ایک کی رخصت کو گئے
آئے جو خیمہ میں حیراں، تو پریشاں نکلے

ایک حُر، ایک پسر، ایک غلام، اک بھائی
فوجِ کفّار میں یہ چار مسلماں نکلے

حشر میں، بخشش کے اُمّت کو کہے گا یہ خدا:
کیوں حسینؑ! اب تو ترے دل کے سب ارماں نکلے

مرقّع: نقش رشبیہ۔تصویر رافغاں: نالے رمہر: سورج رحرماں: غم ریزاں: ترازودی: تمیں (۳۰) رپارہائے تن: بدن کے ٹکڑے ر
فراواں: زیادہ

نا اُمیدی بہ جلو، حسرت و حرماں بہ رکاب
کیا وطن سے شہِؑ دیں، بے سر و ساماں نکلے

قطعہ

رتبہ ہائے شہِؑ مظلوم کو اور قرآں کو
تولا میزانِ عدالت میں تو یک ساں نکلے

پر یہ ہے فرق، کہ قرآن کے سی پاروں سے
پارہائے تنِ شبیرؑ فراواں نکلے

قطعہ

سحرِ عقد، یہ کرتی تھی شکایت کبریٰؑ
اے فلک! خوب مرے دل کے سب ارماں نکلے

شب کو پوشاکِ عروسی تھی اور اب رنڈ سالا
میں رہی خیمہ میں، قاسمؑ سرِ میداں نکلے

رات، جو بیاہ کے سامان، نظر آئے تھے
صبح دیکھا تو وہ سب خواب، پریشاں نکلے

ہند، زینبؑ سے یہ بولی کہ تمھارے ہوتے
لاشۂ شاہؑ کے سینے سے نہ پیکاں نکلے

عقد: نکاح / پوشاک: لباس / پیکاں: تیر / بے سر و ساماں: بغیر انتظام اور اضطراب کے ساتھ

رفقائے شہِؑ دیں کو، نہ ملا غسل و کفن
دل سے، اس غم سے نہ کیوں نالہ و افغاں نکلے

کہا زینبؑ نے: نہیں کہنے کے قابل، یہ حال
تھے مدینہ ہی سے ہم، بے سرو ساماں نکلے

کربلا آئے تو پیاسے رہے، پیاروں سے چھٹے
گھر لٹا، خیمہ جلا، با سرِ عریاں نکلے

کیا شہیدوں کو کفن دے، وہ غریب و محتاج
چاک کرنے کو، نہ جس پاس گریباں نکلے

شاہؑ کہتے تھے، پُر ارمان تھے اور پیاسے تھے
کیوں تڑپ کر، علی اکبرؑ، نہ تری جاں نکلے

شاہؑ کو شوق، شہادت کے جو تھے طفلی سے
سب وہ ارمان، تہ خنجرِ بُرّاں نکلے

شاہؑ کے سینے سے، زینبؑ نے کیے تیر جدا
پَر، جگر میں جو لگے تھے، نہ وہ پیکاں نکلے

رعشہ ہے شاہؑ کے ہاتھوں کو، تڑپتا ہے صغیر
کس طرح گردنِ معصومؑ سے پیکاں نکلے

تیز بُراں: تیز، خنجر/ پیکاں: تیر/ رعشہ: تھرتھراہٹ/ صغیر: کمسن

پہلے، ملنے کے لیے، قبرِ سکینہؑ پہ گئے
جب کہ اندوہ سے، وہ قیدیِ زنداں نکلے

شافعِ محشر نے کھینچا قلمِ عفوِ دبیرؔ!
حشر میں جب کہ میرے، دفترِ عصیاں نکلے

اندوہ: غم / عفو: بخشش / عصیاں: گناہ

maablib.org

115

سلام

دل میں بہارِ داغِ امامِؑ زمن رہی
مُجرائیوں کو قبر میں سیرِ چمن رہی

سب منزلوں میں شہؑ کو مدینہ کی یاد تھی
پہنچی جو کربلا میں، نہ حُبِّ وطن رہی

کافی ہوئی نہ چار بزرگوں کی موت، آہ!
اُمت کو فکرِ خاتمۂ پنجتنؑ رہی

اللہ رے بھائیوں کی محبت! کہ حشر تک
ماتم میں بھی صدائے حسینؑ و حسنؑ رہی

لبریز پیاس سے یہ ہوا شاہؑ کا دہن
منکر کے واسطے بھی نہ جائے سخن رہی

عابدؑ پکارے: حیف! بہتّر گلے کٹے
گردن مری فقط لیے طوق و رسن رہی

صغریٰؑ کہے گی حشر میں، اکبرؑ کو دیکھ کر:
بھیّا تمھاری منتظر اب تک بہن رہی

ہوتے ہی صبحِ عقد، رنڈاپا گلے پڑا!
کُل ایک رات، نام کو، کبریٰؑ دُلھن رہی

قالب میں شہؑ کے تیر تھے، بعد از وداعِ روح
سورج غروب ہو گیا، باقی کرن رہی

اب تک فغاں ہے مرقدِ عبّاسؑ سے بلند
افسوس! اے سکینہؑ! تو تشنہ دہن رہی

قطعہ

صغرائؑ نے رو کے پوچھا یہ: تحقیق ہے پھوپھی!
عریاں زمیں پہ لاشِ امامؑ زمن رہی؟

زینبؑ نے سر جُھکا کے کہا: سچ ہے میری جان!
بے گور بھائی اور مقیّد بہن رہی

شبیرؑ بے جنازہ، بے غسل و بے حنوط
زینبؑ برہنہ سر رہی، عریاں بدن رہی

برقع کے بدلے منہ پہ رہے گیسوؤں کے بال
واری! گلے میں جائے گریباں، رسن اپنی

فغاں: نالے/عریاں: ننگے/گور: قبر/مقید: قیدرہنا/حنوط: مردے پر ملنے کا خوشبودار مرکب

ہوتا ہے شامیانہ کا دستور قبر پر
سو، دھوپ شہؑ کی لاش پہ سایہ فگن رہی

ہے ہے! نہ پوچھو! کیا مرے بھائی کا تھا کفن
دل کو مرے نہ اب ہوسِ پیرہن رہی

جس خاک پر ہوا تھا شہید، ابنِ بوترابؑ
چالیس روز تک وہی مٹّی کفن رہی

جب تک دیا نہ فاتحہ پانی پہ بھائی کا
زینبؑ بھی قید خانہ میں تشنہ دہن رہی

اصغرؑ کو ماں کے واسطے، حوروں کی گود میں
کیا کیا نہ بے کلی، لبِ نہرِ لبن رہی

دُلھا کا گھر، نہ باپ کا گھر تھا، برائے فلک
آخر کہاں یتیمِ حسنؑ کی دُلھن رہی

باقی ہے نیل، گردنِ زینبؑ پہ قبر میں
دنیا میں قید خانہ رہا، نے رسَن رہی

بہرِ ثواب نظم میں کرتا ہوں اے دبیرؔ!
افسوس! اب جہاں میں نہ قدرِ سخن رہی

نہرِ لبن: جنت میں دودھ کی نہر

۱۱۶

سلام

مُجرائی! شہؑ کی مصیبت جو بیاں ہوتی ہے
فاطمہؑ سنتی ہے اور اشک فشاں ہوتی ہے

جب عیاں تیغِ ہلالِ رمضان ہوتی ہے
غمِ حیدرؑ کی چھری دل پہ رواں ہوتی ہے

ذبح ہوتے تھے حسینؑ اور یہ کہتے تھے مَلک:
ہائے! اب فاطمہؑ بے نام و نشاں ہوتی ہے

دونوں بیٹے کیے زینبؑ نے برادر پہ نثار
ایسی ہمشیر زمانے میں کہاں ہوتی ہے؟

حوریں اِک سمت، بتولؑ آتی ہے رونے کے لیے
مجلسِ ماتمِ شبیرؑ جہاں ہوتی ہے

اشک بے ساختہ مومن کے نکل پڑتے ہیں
جب کہ روداد، شہِؑ دیں کی بیاں ہوتی ہے

فشاں: بکھر نا رعیاں: ظاہر

کہا زینبؑ نے: تُو کیوں گر نہیں پڑتا اے چرخ!
حلقِ شبیرؑ پہ شمشیر رواں ہوتی ہے

شہؑ کا سر دیکھ کے نیزے پہ، یہ کہتے تھے حرم:
کیوں قیامت نہیں دنیا میں عیاں ہوتی ہے

بانو کہتی تھی تڑپ کر میں کروں کیا، ہے ہے!
صاحبو! رخصتِ فرزندِ جواں ہوتی ہے

تا نہ بھولے شرفِ پنجتنؑ پاک کوئی
پانچ وقت اس لیے دنیا میں اذاں ہوتی ہے

قطعہ

رَن میں وارد ہوئے اکبرؑ تو پکارا لشکر:
عقل انسان کی، خود رفتہ یہاں ہوتی ہے

واہ! کیا نور ہے، کیا حُسن ہے، کیا جاہ و جلال
مدح اک شمہ، نہیں ہم سے بیاں ہوتی ہے

رخ ہے وہ رخ کہ ابھی عکس جو اس کا پڑ جائے
ٹکڑے پوشاکِ قمر، مثلِ کتاں ہوتی ہے

شرف: فضیلت رخود رفتہ: بے خود رشمہ: ذرہ رکتاں: سوت

لب ہے وہ لعل، کہ بیعانہ بدخشاں جس کا
لال، اُس لعل کی مدحت میں، زباں ہوتی ہے

شمعِ ناوک پہ ہے پروانہ، سدا تیر شہاب
کہکشاں چرخ پہ قربانِ کماں ہوتی ہے

تیغ ہے برق غضب، شعلہ فشاں، آتش قہر
مرگ رہ جاتی ہے جس جا، یہ رواں ہوتی ہے

بانو کہتی تھی کہ یاد آتے ہیں جس دم اکبرؑ
پار سینے کے مرے، غم کی سناں ہوتی ہے

شہؑ کا سر کٹتا تھا اور کہتی تھی روحِ زہراؑ:
تیغ یہ، میرے کلیجے پہ رواں ہوتی ہے

ہم کو انجم سے ہے ثابت کہ غمِ مولاؑ میں
آہِ سکّانِ فلک، شعلہ فشاں ہوتی ہے

تشنگیِ شہؑ دیں جب میں رقم کرتا ہوں
خشک ہر حرف یہ خامے کی زباں ہوتی ہے

شور تھا خیمہ میں، ہنگامِ وداعِ اکبرؑ
لو! جدا قالبِ شبیرؑ سے جاں ہوتی ہے

لعل: گونگ ۔ ناوک: تیر ۔ سکّان: مقیم ۔ قالب: جسم

رتبۂ صبر دکھاتے ہیں جنابِ عابدؑ
چشمِ حیرت سے خلائق نگراں ہوتی ہے

جو مصیبت شۂ بے کس پہ ہوئی رَن میں دبیرؔ!
کون لکھ سکتا ہے اور کس سے بیاں ہوتی ہے

خلائق: مخلوق

۱۱۷

سلام

پڑھوں سلام، محبانِ پنجتنؑ کے لیے
کہ ایک تحفہ یہ کافی ہے پنج تن کے لیے

دہن ہے ذکرِ سلام شہِؑ دمن کے لیے
زباں دہن میں ہے، گویا اسی سخن کے لیے

حواس خمسہ ہیں مُجرائی! اس سخن کے لیے
کہ شش جہت کی ہے بنیاد پنجتنؑ کے لیے

زمیں ہے خاک بسر، مُجرئی! حسن کے لیے
ہے نیل پوش فلک، شاہِؑ بے وطن کے لیے

وہ پائے گا سندِ مَنْ بَکٰا سے باغِ جناں
خوشا نصیب! جو روئے شہِؑ زمن کے لیے

قطعہ

پکارے طوق و سلاسل کو دیکھ کر عابدؑ
یہی ہے حصّے میں بیمارِ خستہ تن کے لیے

نیل پوش: نیلا لباس پہنے

نہ تیرِ حُرملہ، نے تیغِ شمر، واویلا!
رَسَن گلے کے لیے اور گلا رَسَن کے لیے

ہزار حیف! کفن اُس کا خاکِ صحرا ہو
کہ جس کی خاک، تبرّک ہے اب کفن کے لیے

ہوا تھا نشوونما جس کا شیرِ زہراؑ سے
سوزَن میں تیروں کا باراں تھا اُس چمن کے لیے

ملیں گے جس کے غلاموں کو حُلّہٴ جنّت
خدا کی شان، وہ محتاج تھا کفن کے لیے

نیا ستم ہے کہ اُمّت نے کاٹ کر سرِ شاہؑ
برہنہ تن کو کیا، جامہٴ کہن کے لیے

پہنایا خلعتِ شادی تو بول اٹھی تقدیر:
کفن بھی قطع کرو! دلبرِ حسن کے لیے

لگائی ہاتھوں میں دُلھا دُلھن کے کیوں مہندی
وہ ہاتھ کٹنے کے خاطر ہیں، یہ رَسَن کے لیے

قضا پکاری کہ بیوہ کہو، اسیر کہو!
ہوئی خطاب کی تجویز جب دُلھن کے لیے

حُلّہ: لباس ر جامہٴ کہن: پرانے کپڑے ر خلعت: لباس ر قطع کرنا: کاٹنا

لحد میں روتی ہے زہراؑ، تڑپ تڑپ کے مدام
کبھی حسینؑ کی خاطر، کبھی حسنؑ کے لیے

یہی رقم خطِ پشتِ لبِ حسینؑ میں تھا
کہ ضرب چوب کی ہے، اس لب و دہن کے لیے

غضب ہے، دستِ جفا بھی کیا عدو نے دراز
گہر بھی آہ! یتیمِ شہِؑ زمن کے لیے

سکینہؑ کہتی تھی: سیدانی ہوں، طمانچے نہ مار!
خدا کے واسطے، اے شمر! پنجتنؑ کے لیے!

قطعہ

حرم رسن میں بندھے آئے جب کہ پیشِ یزید
لکھا ہے خاک کا جامہ تھا بارہ تن کے لیے

کیا سلام بندھے ہاتھ سے جو زینبؑ نے
طبق میں تڑپا بہت، شہؑ کا سر بہن کے لیے

گہر کو، کیا دُرِ دندانِ شاہؑ سے نسبت
یہ دُر صدف کے لیے وہ گہر دہن کے لیے

مدام: مسلسل/ضرب: مار/چوب: بید

حسینؑ کہتے تھے: سر دوں گا، گھر لٹاؤں گا
نجاتِ اُمتِ محبوبِ ذوالمنن کے لیے

دکھا کے رختِ سیہ، ماں سے کہتی تھی کبریٰؑ:
دُلھن بنایا تھا اس کالے پیرہن کے لیے

قطعہ

شریکِ خونِ حسینؑ و حسنؑ ہے پانی بھی
عزیزو! غور کرو ربِّ ذوالمنن کے لیے!

حسینؑ پیاسے موئے رَن میں اور نہ پانی ملا
مِلا تو زہر کے اندر مِلا حسنؑ کے لیے

دبیرؔ! ہو گا خدا مشتریِ گوہرِ اشک
بھلا یہ رتبہ کہاں ہے دُرِ عدن کے لیے

جامہ: لباس/ طبق: طشت، تھالا/ گہر: موتی/ صدف: سیپ/ محبوبِ ذوالمنن سے مراد رسولِ خدا/ رخت: لباس/ ذوالمنن: بخشش اور احسان کرنے والا/ مشتری: خریدار/ دُر: موتی

۱۱۸

سلام

السّلام! اے قبلۂ ایماں مرے!
بادشاہِ کربلا! سلطاں مرے!

بزمِ غم میں آبرو دو! یا حسینؑ!
اشک کم ہیں اور بہت عِصیاں مرے

حشر میں زہراؑ کہے گی شیعوں سے:
تھام لو تم گوشۂ داماں مرے!

قطعہ

مِل کے سر سے، شہؑ کے لاشےؑ نے کہا:
دھوپ میں اعضا رہے عریاں مرے

دی ندا سر نے کہ چوبِ بید سے
کھولے ظالم نے لب و دنداں مرے

بولی زینبؑ! کیوں نہ ننگے سر پھروں
اُٹھ گئے سر سے برادرِ جاں مرے

عصیاں: گناہ/ گوشۂ داماں: دامن کا کونہ

قطعہ

شہؑ نے فرمایا عمر سے: غور کر!
او لعیں! رتبے نہیں پنہاں مرے

جدِّ امجد، تاجدارِ انبیاءؐ
والدِ ماجد، شہِؑ مرداں مرے

بوند پانی مجھ سے کرتا ہے عزیز
کس کی گردن پہ نہیں احساں مرے؟

ظلم تُو کر! میں کروں گا صبر و شکر
وہ ترے شایاں ہے، یہ شایاں مرے

حُر گیا جنّت میں تو بولی بتولؑ:
آ! میں صدقے تجھ پہ! اے مہماں مرے!

کہتی تھی راتوں کو بانُوؑ: اے فلک!
کیا کیے تو نے مہِ تاباں مرے؟

قطعہ

بولی بانُوؑ: گرد کیوں پھرتے ہو آج
کچھ کہو تو! اکبرِؑ ذی شاں مرے

پنہاں: چھپے ہوئے

خیر! راضی ہوں سدھارو مرنے کو!
واری ہو ماں! تم نہ ہو قرباں مرے

نانی سے کہتی تھی صغریٰ دیکھیے!
آتے ہیں کب عیسیٰؑ دوراں مرے

کہتی تھی شیریں: ضیافت کیا کروں
شاہِؑ دیں مر کر ہوئے مہماں مرے

قطعہ

آ کے مقتل میں پکاری فاطمہؑ:
کس طرح ہے؟ اے دُرِ غلطاں مرے!

دی صدا لاشے نے: اُٹھ سکتا نہیں
سر جدا ہے، دیکھیے ساماں مرے

دیر تک بیٹھا رہا سینے پہ شمر
زخم سب دکھتے ہیں، اے امّاں! مرے

قبرِ اصغرؑ پر کیے بانوؑ نے بین:
رات کیوں کر گزری؟ اے ناداں مرے!

شایاں: شان کے قابل/مہِ تاباں: چمکتے چاند/ضیافت: مہمان داری/دُرِ غلطاں: موتی جو خون سے بھرا

اب تلک یہ شور کرتا ہے فرات
ہائے! پیاسے مر گئے مہماں مرے

قطعہ

آئی وقتِ ذبحِ حضرتؑ کو ندا:
مرحبا! اے تابعِ فرماں مرے!

ہم نے بخشی تیرے شیعوں کو نجات
بولے شہؑ: بر آئے سب ارماں مرے

بولی زینبؑ: خیر ہو عباسؑ کی
روتے ہیں بابا، شہِؑ مرداں مرے

قطعہ

لاشِ اکبرؑ پہ کیے بانوؑ نے بین:
واری! دل میں رہ گئے ارماں مرے

بیاہ کر دیتی، اگر یہ جانتی
تم ہو اٹھارہ برس مہماں مرے

بے سرو ساماں نہیں ہوں اے دبیرؔ!
دیکھنا کل حشر میں ساماں مرے

۱۱۹

سلام

وصفِ گلِ زہراؑ میں ہیں رنگیں سخن ایسے
جنّت میں بھی ہوں گے نہ سلامیؔ! چمن ایسے

لکھا ہے: اٹھایا نہ گیا شاہؑ سے لاشا
پامال ہوئے گھوڑوں سے ابنِ حسنؑ ایسے

کٹتی تھیں، رگیں حلق کی، اور کہتے تھے: پانی!
شبیرؑ دمِ ذبح تھے تشنہ دہن ایسے

باباؑ سے سکینہؑ نے کہا خواب میں رو کر:
گھٹتا ہے گلا، مجھ پہ ہیں رنجِ رسن ایسے

زینبؑ نے کہا: ایک کو جی بھر کے نہ روئی
افسوس! زمانے سے اُٹھے پنجتنؑ ایسے

گردن رہی خم اور نہ بازو سے مٹا داغ
عابدؑ پہ ہوئے صدمۂ طوق و رسن ایسے

عابدؑ نے جو بندھوایا گلا، بولی یہ زینبؑ:
حیدرؑ کے بھی تھے راہِ رضا میں چلن ایسے

یہ کہہ کے فلک روتے ہیں، قبرِ شہؑ دیں پر:
اب ہوئیں گے پیدا نہ غریب الوطن ایسے

شہؑ بھانجوں کو دیکھ کے کہتے تھے یہ رو کر
جیتے نہیں فرزند کسی کے، بہن! ایسے

در فاطمہ زہراؑ پہ گرا اور کیا ضبط
تھے صابر و مظلوم بھی، خیبر شکن ایسے

زہراؑ نے کہا: میں نے ستایا تھا کسے چرخ
جو دکھ میں پڑے میرے حسینؑ و حسنؑ ایسے

پُرسے کو بھی آئے تو جھکائے ہوئے سر کو
شرمندہ تھے سجادؑ سے اہلِ وطن ایسے

گھر چھوڑا، وطن چھوڑا، کیا قبر کو آباد
دنیا میں ستائے گئے شاہِؑ زمن ایسے

شہؑ نے کہا: باندھو نہ جراحت مرے تن کے
ہیں زخم بہت میرے جگر میں، بہن! ایسے

اصغرؑ جو گیا خلد میں کہنے لگیں حوریں
بچے نہ یہاں آئے تھے تشنہ دہن ایسے

جراحت: زخم، ر

وہ بے کفن و گور یہ بے مقنع و چادر
لوٹے گئے دن بیاہ کے دُلھا دُلھن ایسے

کہتے تھے حرم: حادثہ درپیش ہے کوئی
روتے ہیں گلے مل کے جو بھائی بہن ایسے

عریان رہے لاشے شہیدوں کے چہل روز
نایاب تھے کیوں چرخ! بہتر کفن ایسے

نو لاکھ کو ششدر کیا اِک اِک نے دمِ جنگ
شبیرؑ کے ہمراہ تھے ستر دو تن ایسے

تھا گنجِ شہیداں پہ یہ رہ گیروں کا نوحہ
افسوس! کہ پامال ہوئے گل بدن ایسے

کیا زینبؑ و شبیرؑ کی الفت کا کہوں حال
تا حشر نہ اب ہوئیں گے بھائی بہن ایسے

جز ذات خدا سب تھے دبیرؔ آہ و بکا میں
مقتل میں ہوئے شیرِؑ خدا نعرہ زن ایسے

---

١ چہل روز: چالیس دن

سلام

ٹکڑے اے مُجرئی! زہراؑ کا چمن ہوتا ہے
مثلِ گل چاک، پیمبرؐ کا کفن ہوتا ہے

بیاہ کا جوڑا پہن کر یہ کہا قاسمؑ نے:
سچ ہے یہ سُرخ، شہیدوں کا کفن ہوتا ہے

کہا حوروں نے کہ یا ساقیِ کوثر فریاد!
ذبح فرزند ترا، تِشنہ دہن ہوتا ہے

شہداؑ کہتے تھے: ہیں قید میں عابدؑ، دیکھیں!
کب میسّر شہؑ بے کس کو کفن ہوتا ہے

پہنا جب خلعتِ شادی تو قضا نے یہ کہا:
اب کوئی دم میں یہ رنڈسالا دُلھن ہوتا ہے

کہتی تھی قومِ اسد: ہے یہ خدا کی قدرت
بے کفن، دفن شہنشاہِ زمن ہوتا ہے

خلعت: لباس

جس نے کی عاصیوں کی عقدہ کشائی، افسوس!
اُس کا فرزند گرفتار رسن ہوتا ہے

کہا صغرائؑ نے کہ پردیسی مرے پیاسے ہیں
دم بدم خشک، یہاں میرا دہن ہوتا ہے

بعد مسلمؑ جو چلے شاہؑ تو مسلمؑ نے کہا:
رفتہ رفتہ، یونہی ویران وطن ہوتا ہے

رو کے زینب نے کہا: باندھیے سہرا آ کر!
بیاہ قاسمؑ کا اب، اے بھائی حسنؑ! ہوتا ہے

پوچھا زینبؑ نے کہ کیوں طبل بجاتے ہیں عدو؟
شہؑ نے فرمایا: میرا کوچ، بہن ہوتا ہے

ذبح کے بعد زباں نکلی ہوئی تھی شہؑ کی
تر کہیں، تیغ کے پانی سے دہن ہوتا ہے؟

کہا فضہ نے کہ فریاد! الٰہی فریاد!
کنبہ زہراؑ کا گرفتار رسن ہوتا ہے

کہا یہ ہند نے زینبؑ سے: بتاؤ مجھے نام!
کہ عیاں فاطمہؑ کا تم سے چلن ہوتا ہے

عاصیوں: گناہ گاروں/عقدہ کشائی: مشکلیں حل کرنا

قطعہ

دخترِ ہند سے رو کر یہ سکینہؑ نے کہا:
دم بدم دل پہ فزوں، رنج و محن ہوتا ہے

میرا کُرتہ جو پھٹا ہے، نہ سمجھ مجھ کو حقیر
حال ایسا ہی یتیموں کا، بہن ہوتا ہے

جس پہ ہوتی ہے عنایات شہؑ دیں کی، دبیرؔ!
اُس کا مقبول دوعالم میں سخن ہوتا ہے

فزوں: زیادہ

۱۲۱

سلام

اُس کو مجرا! نہ جسے خوف تھا شمشیروں سے
تیرِ مژگاں کو بھی جنبش نہ ہوئی تیروں سے

شہؑ کے لشکر پہ وہ حیرت تھی کہ ویسی حیرت
کوئی پائے نہ مرقّع کی بھی تصویروں سے

شاہؑ نے خواب جو دیکھا، کئی تعبیریں کہیں
خوف زینبؑ کو رہا خواب کی تعبیروں سے

کیا ہی عابدؑ کو ہوا غم، جونہی اعدا نے کہا:
چادریں لے لو کوئی! شاہؑ کی ہمشیروں سے

شاہؑ کرتے جو طلب آب، تو اعدا کہتے:
پانی ملنے کا نہیں، آپ کی تقریروں سے

جب کہ پانی نہ ملا، شہؑ نے حرم سے یہ کہا:
کیا کریں، کام پڑا ہم کو تو بے پیروں سے

مژگاں: پلک / جنبش: حرکت / مرقّع: نقاشی

اہلِ کوفہ سے کہا شہؑ نے کہ نامے بھیجے
مجھ کو حیرت ہے کہ تم پھر گئے تحریروں سے

ذبح کے وقت، ادا شہؑ سے تھی ہر دم تکبیر
اس طرح کس کی شہادت ہوئی تکبیروں سے

حیف! وہ قتل ہوا، جس کو علیؑ نے پالا
سیکڑوں رنج سے اور لاکھوں ہی تدبیروں سے

بولے عابدؑ: مجھے کیوں قید ہیں کرتے اعدا؟
سلسلہ صبر کا جاتا نہیں زنجیروں سے

سر برہنہ تھے حرم، کہتے تھے سایہ ہے ہمیں
دم بدم آیہ قرآں کی توقیروں سے

کہتے تھے شہؑ کے موالی کہ لٹا گھر تو لٹا
ہم کو منصب ہے مِلا، خلد کی جاگیروں سے

گنجِ اختر یہ نہیں، مہر نہیں، ماہ نہیں
یہ مشبک ہے فلک، آہوں کی تاثیروں سے

خدمتِ گنجِ شہیداں جسے ملتی ہے دبیرؔ!
خاک اُس در کی ہے کافی اُسے اکسیروں سے

موالی: پیرو/ منصب: عہدہ/ گنج: خزانہ/ اکسیر: کیمیا/ مشبک: سوراخ دار

۱۲۲

سلام

قتلِ شبیرؑ کے تھے، مُجرئی! ساماں کتنے
حلقوم تھا اور خنجرِ برّاں کتنے

مُجرئی! ذرّے ہیں اس غم سے پریشاں کتنے
مل گئے خاک میں شہؑ کے مہِ تاباں کتنے

مُجرئی! تشنہ دہن تھے شہِؑ ذی شاں کتنے
آبِ شمشیر کو پی کر ہوئے خنداں کتنے

لبِ سوفار جو گویا ہو تو یہ پوچھوں میں
تنِ شبیرؑ میں پیوست تھے پیکاں کتنے

قاسمؑ و اکبرؑ و عباسِؑ علیؑ، وائے ستم!
نوجوانانِ پیمبرؐ ہوئے بے جاں کتنے

خوں بہا مانگا کی محشر میں، بہتر(۷۲) تن کا
ہاتھ میں فاطمہؑ کے ہوں گے گریباں کتنے

حلقوم: حلق / برّاں: تیز / مہِ تاباں: چمکتے چاند / خنداں: ہنس مکھ / لبِ سوفار: تیر کا منہ / پیکاں: تیر / فرقت: جدائی / خوں بہا: قصاص / ہراساں: خوف زدہ / رفتہ رفتہ: آہستہ آہستہ

باقرؑ و فاطمہؑ، کبریٰؑ و سکینہؑ معصوم
ایک رسّی میں گرفتار تھے ناداں کتنے

خوفِ شب خون تھا، غمِ فرقتِ شبیرؑ بھی تھا
حرمِ شہؑ تھے، شبِ قتل ہراساں کتنے

کہا زینبؑ نے کہ شیریں نے اُڑھائی چادر
رفتہ رفتہ ہم ہوئے بے سرو ساماں کتنے

سر کٹانے کی خوشی تھی، پر یہ غم تھا شہؑ کو
خلق میں ہوئیں گے بدنام، مسلماں کتنے

نہ تو سایہ تھا، نہ بستر تھا، نہ تھا آب و طعام
حرمِ شہؑ پہ ہوئے، صدمۂ زنداں کتنے

شاہؑ کہتے تھے کہ سیراب ہوا، غم سے چھٹا
تیغِ قاتل کے، مرے سر پہ ہیں احساں کتنے

بولی زینبؑ: ہمیں سر ننگے پھرایا در در
واہ! یہ لوگ بھی ہیں صاحبِ ایماں کتنے

خلق: مخلوق، دنیا/ طعام: غذا/ جراحت: زخم/ صحبت: ساتھ بیٹھنا، ہم نشینی

دیکھ گل ہائے جراحت، شہدا کہتے تھے:
تختۂ تن پہ ہیں سر سبز گلستاں کتنے

صاحبِ فیض ہوں میں، فیضِ شہِؑ دیں سے دبیرؔ
ہو گئے ہیں مری صحبت میں سخن داں کتنے

maablib.org

۱۲۳

سلام

مُجرئی گلچینِ قضا شبیرؑ کے گلشن میں ہے
ہر گُلِ باغِ امامت، موت کے دامن میں ہے

مُجرئی! جو پنجتنؑ کے سایۂ دامن میں ہے
مثلِ رضواں، وہ ہمیشہ خُلد کے گلشن میں ہے

دل عنادل کی طرح اے مُجرئی، شیون میں ہے
معدنِ دُرہائے شبنم، اشکوں سے دامن میں ہے

لختِ دل سے چشمِ تر، یاقوت کی معدن میں ہے
بے بہا لعلِ بدخشاں مُجرئی! دامن میں ہے

کیا مقام و کوچ شہؑ کے قافلے کا رَن میں ہے
پہلی منزل خلد کی اے مُجرئی! مدفن میں ہے

مُجرئی! کہتے تھے عابدؑ تپ سے لرزہ تن میں ہے
کس طرح جاؤں، مسیحا میرا تنہا رن میں ہے

گلچین: پھول توڑنے والا/عنادل: بلبل/شیون: غم رو رہا ہے: موتیوں/لختِ دل: دل کا ٹکڑا/بے بہا: قیمتی

قیدِ عابدؑ سے سلامی دل مراثیوں میں ہے
آج تک طوقِ گراں تصویر کی گردن میں ہے

جلوہ ماہِ بنی ہاشمؑ سلامی رن میں ہے
یا تجلّی نور حق کی، وادیِ ایمن میں ہے

قطعہ

اسلحہ سج کر گئے رن میں جو ہم شکلِ نبیؐ
بولے اعدا: غرق اکبرؑ، قلزم آہن میں ہے

بکترو چار آئینہ، خود و زرہ، تیغ و سپر
واہ! کیا کیا زیورِ جنگ، اس جواں کے تن میں ہے

گلشنِ قدرت کی ہے برگِ گُلِ سوسن سپر
کب اثر ایسا دعاے اطہرِ سوسن میں ہے

ایک جوشن ہے کبیر اور اِک صغیر، آفاق میں
پر خواصِ جوشنین، اکبرؑ کے اک جوشن میں ہے

ہے یہ آغوشِ کماں، معمور نورِ دوش سے
زور توسن کو، تجلّی کہکشاں کی رن میں ہے

معمور: بھرا ہوا رقامت: پیکر رابلق: سیاہ سفید گھوڑا رتوسن: گھوڑا رسرعت: تیز رفتار

قامتِ پُرنور کی ہے تاب، رشکِ آفتاب
سایہ اس کے قد کا طوبیٰ، خلد کے گلشن میں ہے

حال و استقبال ہو جاتے ہیں ماضی، ہر قدم
ابلقِ ایّام حیراں، سرعتِ توسن میں ہے

میں فدائے آبروئے تشنہ گانِ کربلا
مثلِ کوثر حکم جاری خُلد کے گلشن میں ہے

قبرِ اصغرؑ سے کہا بانو نے: راحت دیجیو
سونے والا میرے دامن کا ترے دامن میں ہے

دیکھ کر حُر کو سپاہِ شام میں بولے حسینؑ:
اک محبِّ پنجتنؑ اس لشکرِ دشمن میں ہے

یک بیک گہنے کا لٹنا، دفعتاً داغِ پدر
کیا سکینہؑ پر ہجومِ درد و غم، بچپن میں ہے

تادمِ محشر شہادت کی گواہی کے لیے
سرخیِ خونِ شہیداں، دشت کے دامن میں ہے

قبرِ زہراؑ سے ہوئے رخصت جو شہؑ، آئی ندا:
روح تیری ساتھ ہے، قالب مرا مدفن میں ہے

پوچھتی تھی فاطمہؑ صغریٰ نسیمِ صبح سے:
نونہالِ احمدؐ مختار کس گلشن میں ہے

قطعہ

حالِ صغریٰ دیکھ کر ہمسائیاں کہتی تھیں: آہ!
چشم صرفِ اشک ہے، دل نالہ وشیون میں ہے

ضعف سے جنبش نہیں مطلق، تنِ لاغر کو اب
ہے کفن میں مردہ یا صغریٰ یہ پیراہن میں ہے

شہؑ کے سر سے بولے عابدؑ: اے مسیحا! الغیاث!
پاؤں میں زنجیر ہے، طوق و رسن گردن میں ہے

قطعہ

چشمِ زخمِ شاہؑ نے دیکھی نہ جو بخیہ کی شکل
شرم سے پتلی، نہیں اب دیدۂ سوزن میں ہے

کوچۂ زخمِ تنِ شاہؑ میں نہ کی بخیہ نے راہ
آمد و شد رشتے کی، کیوں خانہ سوزن میں ہے

تنگ چشمی سے نہ روئے حالِ شہؑ پر اہلِ شام
واقعی اشکوں کی جا، کب دیدۂ سوزن میں ہے

قالب: جسم/ نونہال: کمسن بچہ (علی اصغرؑ) /صرف: مصروف/ مطلق: بالکل/ دیدہ: آنکھ/ بخیہ: ٹانکا/ رشتے: دھاگا/ سوزن: سوئی

شام کو بانو چلی مقتل سے، تو رو کر کہا:
اے شہیدو! ہوشیار! اصغرؑ بھی میرا رن میں ہے

بسکہ ہے وقتِ ظہورِ مہدیِ ہادیؑ کا شوق
مہر سے چشمِ مسیحا چرخ کے روزن میں ہے۔

نار میں مضطر ہے، جیسا غاصبِ باغِ فدک
بے قراری کب کسی دانے کو وہ خرمن میں ہے

بولے شہؑ خنجر میں: شیرِ فاطمہؑ کا ہے مزا
دامنِ مادر کی صورت، قبر کے دامن میں ہے

شہرہ ہے تیری زبانِ دُر فشاں کا اے دبیرؔ!
لعل پوشیدہ، وفورِ شرم سے معدن میں ہے

خرمن: فصل، کھیتی / شہرہ: شہرت / وفور: شدت

۱۲۴

سلام

مُجرئی! سبطِ نبیؐ جب کہ وطن سے نکلے
جان کیوں فاطمہ صغریٰؑ کی، نہ تن سے نکلے

جو سخن مدحِ شہِ دیں میں دہن سے نکلے
کم نہ قیمت میں کبھی دُرِ عدن سے نکلے

یا علیؑ! وقتِ قضا جس کے دہن سے نکلے
جان آرام سے اے مُجرئی! تن سے نکلے

قطعہ

دفن کے وقت یہ عابدؑ سے کہا زینبؑ نے
تیر کتنے مرے بھائی کے بدن سے نکلے

بولے سجادؑ کہ کیا پوچھتے ہو تیروں کو
نکلے کچھ اور نہ کچھ شاہؑ کے تن سے نکلے

ماں نے اکبرؑ سے کہا: بیٹا! جواں مرتے ہو!
جان سختی سے نہ کیوں تیرے بدن سے نکلے

دُرِ عدن: عدن کے موتی/ قضا: موت

کہا عابدؑ نے سکینہؑ سے نہ رو مرقد پر!
لاش بابا کی تڑپ کر نہ کفن سے نکلے

شادی اکبرؑ کی، نہ کی سالگرہ اصغرؑ کی
کچھ بھی ارماں نہ دلِ شاہِ زمنؑ سے نکلے

پانی پلوانا مرے نام پہ پیاسوں کو مدام
گھر سے شبیرؑ یہی کہہ کے بہن سے نکلے

قطعہ

کیا کہوں شام میں عابدؑ کی اسیری کا حال
ایک ساعت نہ کبھی رنج و مِحَن سے نکلے

قید خانے سے وہ نکلے تو رسن میں وہ بندھے
آئے زنداں میں، اگر قیدِ رسن سے نکلے

آیا میدان میں قاسمؑ تو پسر ارزق کے
جنگ کے واسطے فرزندِ حسنؑ سے نکلے

اشکِ خونی نہ بہیں چشمِ علیؑ سے کیوں کر
خوں جو عباسؑ دلاور کے بدن سے نکلے

اسیری: قید / ساعت: گھڑی / ناوک: تیر

حق سے کرتے تھے دعا خشک زباں سے یہ حسینؑ:
زیرِ خنجر بھی ترا نام دہن سے نکلے

قید خانہ میں سکینہؑ یہی کرتی تھی دُعا
گردنِ عابدؑ بیمار رسن سے نکلے

توشۂ راہ کفن اور نگہبان قضا
کس تباہی سے حسینؑ اپنے وطن سے نکلے

ناوکِ غم، دل شبیرؑ میں پیہم گزرے
تیر جس وقت کہ تابوتِ حسنؑ سے نکلے

خیمہ شاہؑ میں ہوا اُس گھڑی ماتم برپا
لے کے رخصت، جو ہیں شبیرؑ بہن سے، نکلے

رفقا کہتے تھے ہوتے ہو کے فدائے شبیرؑ
شکر! صد شکر! کہ اب رنج و محن سے نکلے

قطعہ

حلقِ نازک علی اصغرؑ کا کہاں، تیر کہاں!
سہم کر روح نہ کیوں اُس کے بدن سے نکلے

پیہم: یکے بعد دیگر

ہچکیاں لے کے جو دودھ اُگلا، تو تھا حلق یہ خشک
دودھ کے قطرے بھی رُک رُک کے دہن سے نکلے

ہے غمِ باغِ نبوّت میں اِسے در بدری
ورنہ کیا کام ہے گُل کو جو چمن سے نکلے

اخترؔ ان کو نہ کہو، سبطِ نبیؑ کے غم میں
ہیں یہ شعلے جگرِ چرخِ کہن سے نکلے

ہم نے میزانِ نظر میں جو کیا وزن دبیرؔ!
دُرِ شہسوار بھی کم میرے سخن سے نکلے

۱۲۵

سلام

مُجرئی! مالکِ کوثر کو جو پانی نہ ملے
چشمِ سجادؑ کو کیوں اشک فشانی نہ ملے

جس کا اے مُجرئی! کونین میں ثانی نہ ملے
ہائے! وہ قتل ہو اور بوند بھی پانی نہ ملے

شاہؑ کہتے تھے: جو ہونی ہو وہ مجھ پر ہوئے
خاک میں پرَ علی اکبرؑ کی جوانی نہ ملے

کیا قیامت ہے، جو ہو ساقیِ کوثر کا پسر
اُس کے مرقد پہ، چھڑکنے کو بھی پانی نہ ملے

قید خانے میں یہ تھا بیوۂ مسلمؑ کا بیاں:
ایسے بچھڑے کہ مرے یوسفِ ثانی نہ ملے

سر مسلمؑ درِ کوفہ میں ملا، برچھی پر
لیکن اس شہر میں لوگو! مرے جانی نہ ملے

اشک فشانی: آنسو بہانا/ مرقد: قبر/ کلک: قلم/

گر کرے، تا بہ قیامت، فلکِ پیر تلاش
بے کسی میں کوئی شبیرؑ کا ثانی نہ ملے

قصۂ سیدِ مظلوم ہے کتنا پُر درد
اس فسانہ سے کسی کی بھی کہانی نہ ملے

کلکِ قدرت نے یہ تھا موجوں کی سطروں میں لکھا:
یعنی اس نہر کا عباسؑ کو پانی نہ ملے

کیوں فلک! یوسفؑ و یعقوبؑ تو پھر اِک جا ہوں
زندہ شبیرؑ سے شبیرؑ کا جانی نہ ملے

کیوں نہ محتاجِ کفن ہوئے، وہ بے کس نوشاہ
بیاہ کی شب جسے پوشاکِ شہانی نہ ملے

شمر سے کہتی تھی: زینبؑ ہمیں سر ننگے کیا
چین تجھ کو کبھی، اے ظلم کے بانی! نہ ملے

پڑھتے ہی عرضیِ صغراؑ کو ہوئے قتل حسینؑ
قاصدِ خستہ کو پیغام زبانی نہ ملے

شہ نے اعدا سے کہا: پانی دو گر اصغرؑ کو!
خاک میں گل کی مرے غنچے دہانی نہ ملے

داغ اولاد و غمِ تشنگی و گرسنگی
شاہؑ کو کون سے اندوہ نہانی نہ ملے

ماں سے قاسمؑ نے کہا: خوں میں رنگیں گے پوشاک
غم نہیں ہم کو جو پوشاک شہانی نہ ملے

مجھ کو ہر لحظہ تاسّف یہی رہتا ہے دبیرؔ!
ہم تو پانی پئیں، شبیرؑ کو پانی نہ ملے

شہانی: شاہی / عرضی: چٹھی / خستہ: تھکا ماندہ / گرسنگی: بھوک / اندوہ: غم / پوشاک: لباس / تاسف: افسوس

۱۲۶

سلام

سلامیؔ! دوپہر تک شہؑ کے لشکر کی صفائی ہے
بہتّر تن کے اُوپر، لاکھ ظالم کی چڑھائی ہے

سلامیؔ! شہؑ نے گردن، سجدۂ حق میں کٹائی ہے
اُدھر سے آئی ہے زہراؑ، اِدھر سے موت آئی ہے

سلامیؔ! دخترِ شیرِؑ خدا، بلوے میں آئی ہے
اُٹھا کر ہاتھ کہتی ہے: خداوندا! دہائی ہے !

کہا اکبرؑ نے: نیزہ مجھ کو ظالم نے نہیں مارا
رسولؐ اللہ کے سینے پہ، یہ برچھی لگائی ہے

کہا شہؑ نے: مرے سینے سے، اے ظالم! اُتر جا تُو
گلے ملنے کو مجھ سے فاطمہؑ ، جنّت سے آئی ہے

نہ کیوں مغموم ہوئیں، کربلا میں مومنین جا کر
وہاں مدّت تلک، ختم الرسلؐ نے خاک اُڑائی ہے

محبّو! اپنا سر گر تم نہ پیٹو، حیف کی جا ہے
تمھارے واسطے شبیرؑ نے گردن کٹائی ہے

قطعہ

ستم گاروں سے بانوؔ نے، یہ عابدؑ کی سفارش کی:
خدا واقف ہے، اُس نے پرورش نازوں سے پائی ہے

یہ دہری بیڑیاں لوہے کی، آہستہ پہناؤ تم!
اُسے منّت کی بھی زنجیر، مِنّت سے پہنائی ہے

گلا کٹتا تھا شہؑ کا اور چلّاتی تھی یہ زہراؑ:
دُہائی ہے! دُہائی ہے! دُہائی ہے! دُہائی ہے!

کہاں شبیرؑ کا زانو، کہاں سرِ حُر کا، اے یارو!
یہ شانِ کبریائی ہے، یہ قسمت کی رسائی ہے

حرم سے کہتی تھی بانوؔ، کہ جی کیوں کر نہ گھبرائے
مجھے اے صاحبو! صغراؑ سے یہ پہلی جدائی ہے

پھراتے ہیں لعیں بازار میں، زینبؑ کو یہ کہہ کر:
جنازہ جس کا اُٹھا رات کو، یہ اُس کی جائی ہے

کہا زہراؑ نے شہؑ کی لاش سے: حُر کا نہ غم کھانا
رِدا زہراؑ نے، بیٹا! اس کے لاشے پر اڑھائی ہے

غضب ہے، شمر یہ ایک ایک سے فخریہ کہتا تھا:
چھری میں نے، نبیؐ زادہ کی گردن پر چلائی ہے

دعائے بخششِ اُمت میں ہے تیری، یہ سرِ شہؑ کا
عجب حاجت روائی ہے، عجب مشکل کشائی ہے

گلا ننھا سا باقرؑ کا، بندھا رسّی سے تو رو رو
پکارا: یا علیؑ! پہنچو! دمِ مشکل کشائی ہے

کہیں گے انبیاؑ، جس دم حسینؑ آئیں گے محشر میں:
رسول اللہؐ کی اُمّت، اِسی نے بخشوائی ہے

کہا مقتل میں زہراؑ نے نبیؐ سے، لاشوں کو دکھلا:
یہ سب حیدرؑ کی دولت ہے، یہ سب میری کمائی ہے

کہا شہؑ نے: میرے عبّاسؑ کی ہمّت کوئی دیکھو!
کٹے ہیں ہاتھ، پر قبضے میں دریا کی ترائی ہے

دعا کرتی تھی شہؑ کی لاش: اُس کے ہاتھ جل جائیں!
مرے نانا کی مسند، جس ستم گر نے جلائی ہے

تمنّا ہے، دبیرِؔ خستہ کو، یا ربّ! کہیں یہ سب
کہ یہ مدّاح ہے، دیں دار ہے اور کربلائی ہے

چڑھائی: لڑائی / حاجت: ضرورت / خستہ: تھکا ہوا / رسائی: پہنچنا / مسند: سجادہ

۱۲۷

سلام

قتلِ شبیرؑ کی، اے مُجرئی! تیاری ہے
دیدۂ فاطمہ زہراؑ سے لہو جاریٰ ہے

صبحِ عاشور، یہ زینبؑ سے کہا سرورؑ نے:
آج کا دن ترے بھائی پہ بہت بھاری ہے

پوچھا زہراؑ نے کہ کیوں خُلد میں گھبرائے ہو
شہؑ نے فرمایا، کہ زنداں میں مری پیاری ہے

کہا عابدؑ نے کہ جس دن سے ہوئے قتل حسینؑ
نہ دوا ہے، نہ تسلّی ہے، نہ دل داری ہے

تیر کھا کر، علی اصغرؑ نے، اشارے سے کہا:
کیا لبِ خشک دکھانا بھی، گناہ گاری ہے

مصطفیؐ کہتے تھے شبیرؑ سے: دیکھوں کیا ہو
تم بھی پیارے ہو اور اُمّت بھی مجھے پیاری ہے

کروٹیں لے کے، یہ کرتا تھا اشارہ اصغرؑ:
گود میں سوؤں گا، اب جھولے سے بے زاری ہے

تشنگی، فاقہ کشی، دربدری، محتاجی
ہائے! کیا فاطمہؑ کی بیٹیوں پر، خواری ہے

کہا حیدرؑ نے شبِ قتل: خدا خیر کرے
خود بہ خود آج، مجھے قبر میں بے داری ہے

دردِ دل جب ہوا احمدؐ کے، تو بولے: شاید
برچھی، اکبرؑ کے کلیجے پہ، لگی کاری ہے

کہتی تھی فاطمہ صغریٰؑ: نہ قضا ہے، نہ شفا
مجکو دنیا میں عجب طرح کی بیماری ہے

پوچھا قاسمؑ نے: مجھے گود میں لیتا ہے کون؟
روکے شہؑ نے کہا: وہ فاطمہؑ بے چاری ہے

حشر کا مجکو نہیں غم کہ دبیرؔ! اُس دن کی
پسرِ احمدِ مختارؐ کی مختاری ہے

دیدہ: آنکھ / دل داری: تسلی / گور: قبر / خواری: ذلیل / کاری: کارمند، سخت / قضا: مرگ / مختاری: حکومت

۱۲۸

سلام

سلامی! شاہؑ پر شدّت تھی یہ تشنہ دہانی کی
ہوئی تھی گوہرِ نایاب ان کو، بوند پانی کی

پسند آیا قضا کو جو جواں، فوجِ حسینی کا
بجائے صاد، زخمِ تیغ کی، رُخ پر نشانی کی

پلائے ساغرِ کوثر، کھلائے میوۂ جنّت
شہِؑ بے کس نے حُر کی، خلد میں کیا مہمانی کی

ہوا تھا خود بخود، شادی کے غم سے، رنگ زرد اُس کا
نہ تھی نوشاہ کو حاجت، لباسِ زعفرانی کی

قطعہ

غمِ طولِ فراقِ شاہؑ میں کہتی تھی یہ صغریٰؑ:
جدا بابا سے ہو کر، ہائے! تم نے زندگانی کی

شبِ ہجراں، تڑپ کر ہم نے کاٹی، وائے محرومی!
نہ بابا جان آئے، نے اجل نے مہربانی کی

قطار اونٹوں کی دی راہِ خدا میں، جس کے دادا نے
اُسے، افسوس! دی اَعدا نے خدمت سار بانی کی

کہا اہلِ وطن نے: فاطمہؑ کا لال پیاسا ہے
اٹکتی ہے، ہمارے بھی گلے میں، بوند پانی کی

مقیّد جب کیا زنداں میں، ناموسِ پیغمبرؐ کو
تو آ کر روحِ زہراؑ نے، سحر تک پاسبانی کی

جوانانِ بنی ہاشم یہی کہتے تھے رو رو کر:
نہ دیکھی، حیف! اکبرؑ نے بہار اپنی جوانی کی

علی اکبر یہ کہتا تھا: مجھے مرنے کو جانے دو
قسم! اے سبطِ پیغمبرؐ! تمھیں میری جوانی کی

غمِ شہؑ میں ہوئے یہ، رفتہ رفتہ ناتواں عابدؑ
بدن میں، بعد مرنے کے، کفن نے بھی گرانی کی

کہا سجادؑ نے: صبر و قرار و ہوش نے چھوڑا
تنِ لاغر سے باقی ہے رفاقت ناتوانی کی

غبارِ مرقدِ صغریٰؑ، وہاں قربان ہوتا ہے
لحد ہے جس جگہ پر، فاطمہ زہراؑ کے جانی کی

دبیر خستہ یہ وہ بزم ہے یہاں آ کے زہراؑ نے
فضاں کی بل کھولے سر کو پٹیا نوحہ کوانی کی

دبیرؔ خستہ! یہ وہ بزم ہے، یہاں آ کے زہراؑ نے
فغاں کی، بال کھولے، سر کو پیٹا، نوحہ خوانی کی

۱۲۹

سلام

سلامی! اوجِ فلک پہ نہیں یہ تارے ہیں
ہماری آہِ شرر بار کے شرارے ہیں

عطش سے غش میں، سلامی! علیؑ کے پیارے ہیں
جو آنکھ کھلتی ہے تو پانی کے اشارے ہیں

سلامی! اشک جو دُرِ نجف ہمارے ہیں
تو مول لینے کو شاہِ نجف کے پیارے ہیں

غمِ حسینؑ سے روشن عمل ہمارے ہیں
فلک ہے سینہ، تو داغِ عزا ستارے ہیں

سبیلَ آپ کی رکھنے سے ہے یہی ثابت
حسینؑ تشنہ دہن، خلق سے سدھارے ہیں

عمامہ شہؑ نے جو پھینکا تو بولی یوں زینبؑ:
کہ رَن سے، کیا علی اکبرؑ تمھیں پکارے ہیں؟

شرر بار: چنگاریاں بکھیرنے والی؛ شرارے: چنگاریاں؛ سبیل: امام مظلوم کے نام پر ٹھنڈا پانی پلوانا؛ عطش: پیاس

زمیں پہ ذرّے نہ کیوں تڑپیں صورتِ اختر
کہ زیرِ خاک ید اللہ کے ستارے ہیں

فلک پہ کیوں نہ کرے فخر، کربلا کی زمیں
کہ اس میں بھی اسدؑ اللہ کے ستارے ہیں

انگوٹھا دیکھ کے ہونٹوں پہ لاشِ اصغرؑ کا
پکاری بانوؑ: ابھی پانی کے اشارے ہیں

کنارِ شہؑ کے تمنّا میں، کہتے تھے اکبرؑ
شتاب آؤ! کہ ہم گور کے کنارے ہیں

قطعہ

نبیؐ نے لاشۂ شبیرؑ سے کہا: پیارے!
تیرے کلیجے پہ یہ تیر کس نے مارے ہیں؟

پکاری لاش: مقامِ حیا ہے اے نانا!
میں کس کا نام لوں! سب کلمہ گو تمھارے ہیں

حسینؑ آئیں گے جب حشر میں، کہیں گے ملک
اِسی نے کام گناہ گاروں کے سنوارے ہیں

حسینؑ کہتے تھے: اکبرؑ نہ جاؤ مرنے کو!
تمھارے جینے سے ہم کو بڑے سہارے ہیں

بدن سے کاٹ کے ننھی سی گردنِ اصغرؑ
شلو کے کُرتے بھی بے رحموں نے اتارے ہیں

عزیز رکھتا ہے، ربِّ عزیز، شہؑ کو عزیز
خدا کے پیارے ہیں، یہ مصطفیٰؐ کے پیارے ہیں

قطعہ

کہا رفیقوں سے شہؑ نے، دکھا کے اعدا کو:
ہم ان کے دوست، ہیں گو یہ عدو ہمارے ہیں

یہ ظلم کرتے ہیں، ہم چاہتے ہیں اِن کی نجات
ہم اُن کو پیارے نہیں اور ہمیں یہ پیارے ہیں

حرم یہ کہتے تھے: چادر اُڑھاؤ یا حیدرؑ!
کہ اب کُھلے ہوئے بلوے میں سر ہمارے ہیں

نسیمِ صبح سے صغریٰؑ یہ پوچھتی تھی مدام:
بتا مجھے! گلِ زہراؑ کدھر سدھارے ہیں؟

کیا جو شاہؑ نے حملہ پکاری روحِ رسولؐ
حسینؑ جانے دو! یہ کلمہ گو ہمارے ہیں

۱۳۰

سلام

مُجرئیؔ! یادِ حق ہے یادِ علیؑ
لوحِ دل پر رقم ہے نادِ علیؑ

خُلد کیا ہے، محبتِ حیدرؑ
قہرِ دوزخ ہے کیا عنادِ علیؑ

دفترِ حشر میں صحیح نہیں
فردِ ایماں بغیرِ صادِ علیؑ

یوں جگہ خُلد میں ہے شیعوں کی
دل میں شیعوں کے جیسے یادِ علیؑ

خُلد و طوبیٰ و نہرِ کوثر ہے
کاغذ و خامہ و مدادِ علیؑ

چار عنصر ہیں قالبِ دیں کے:
فضل و احسان و عدل و دادِ علیؑ

نور ہی نور ہے خدا کا فقط
آتش و خاک و آب و بادِ علیؑ

تنگ دستی سے دی پناہ ہمیں
حرز ہے بازوے جوادِ علیؑ

اُن کی مشکل کے عقدے سب حل ہیں
جن کو دل سے ہے اعتقادِ علیؑ

بابِ فردوس فتح کر دیں گے
قبر میں ہم پڑھیں گے نادِ علیؑ

دل بہ حق، لب بہ شکر و دست بہ تیغ
دیکھنا شوکتِ جہادِ علیؑ

گھر علیؑ کا ازل سے ہے جنّت
حُور و غلماں ہیں خانہ زادِ علیؑ

شبِ معراج ساتھ ساتھ رہے
کیا نبیؐ سے تھا اتحادِ علیؑ

صاف دُرِ نجف سے ظاہر ہے
پاک گوہر ہیں خانہ زادِ علیؑ

تیغ سائل کو بخش دی دمِ جنگ
کیا خدا پر تھا اعتمادِ علیؑ

دال ہے خوبیِ قرات پر
قاریوں کو حدیثِ صادِ علیؑ

ہیں علیؑ خانہ زادِ ربِّ حرم
زاد ایماں ہے، خانہ زادِ علیؑ

جیسے ہیزم کو آگ کھاتی ہے
یوں گناہ شیعوں کے ودادِ علیؑ

مصحفِ انبیاءؑ پڑھے فر فر
روزِ مولد یہ تھا سوادِ علیؑ

حشر میں ہوں گے زیرِ عرشِ علیؑ
شیعانِ خوش اعتقادِ علیؑ

ہر مرض کی دوا ہے خاکِ شفا
ہر بلا کی سپر ہے نادِ علیؑ

سفرِ حج میں تھی یہ شان اکثر
راحلہ پاؤں فقر زادِ علیؑ

ایک گوشہ ہے جن کا ہفت اقلیم
غیب میں ایسے ہیں بلادِ علیؑ

کیوں نہ چار آئینہ ہو شیعوں کا
ہے رباعی کی قطع نادِ علیؑ

لائقِ کبریا ہیں دو تحفے
داغِ شبیرؑ اور ودادِ علیؑ

بولی قبرِ حسینؑ پر زینبؑ:
خاک میں مل گئی مرادِ علیؑ

وداد: دوستی

۱۳۱

سلام

مُجرئی! ہستی رہے شہؑ اور غم دیکھا کیے
زخمِ تن میں سیرِ گلزار اِرم دیکھا کیے

اے فلک! مجرے میں جن کے تجھ کو خم دیکھا کیے
حیف! تو دیکھا کیا اور وہ ستم دیکھا کیے

کج روی کی ہائے! اس سے لشکر کفارؔ نے
جن کے اوپر سب پر جبریلؑ خم دیکھا کیے

بارہا عابدؑ نے راتوں کو فلک پہ کی نگاہ
شاہؑ کے زخموں سے تارے، اس پہ کم دیکھا کیے

اشتیاق چشمۂ کوثر میں شاہِ تشنہ لب
اشک کے قطرے سے بھی دریا کو کم دیکھا کیے

مر گیا اصغرؑ تو اِک ہچکی میں، لیکن دیر تک
ہاتھ رکھ کر شاہؑ دیں، سینے میں دم دیکھا کیے

اُس کے لاشے کو کیا اہل ستم نے پائمال
جس کا سب، مُہرِ نبوت پر قدم دیکھا کیے

جب تلک جیتے رہے شبیرؑ افسوس تھا
قتلِ اکبرؑ ہو گیا اور ہائے! ہم دیکھا کیے

کہتے تھے سجادؑ: ہو کر نائبِ مشکل کشا!
ہم رِن میں آہ! بازوے حرم دیکھا کیے

قطعہ

شہؑ کے سر کو دیکھ کر نیزے پہ کہتے تھے حرم:
بارہا دوشِ نبیؐ پر تجھ کو ہم دیکھا کیے

مثلِ خورشیدِ قیامت آج ہے نیزے پہ تُو
ہم جدا سب سے ترا جاہ و حشم دیکھا کیے

گہ نظر محرابِ خنجر پر، کبھی سوے خیام
ہر طرح سے شاہؑ دیں سوے حرم دیکھا کیے

شب، خیالِ روضۂ سرورؑ رہا تھا اے دبیرؔ!
خواب میں ہم سیرِ گلزارِ اِرم دیکھا کیے

بستی: زندگی/ارم: جنت/کج روی: ٹیڑھی چال/اشتیاق: شوق/جاہ و حشم: شان و شوکت

۱۳۲

سلام

اکیسویں شب آئی ہے ماہِ صیام کی
بجھتی ہے شمع تربتِ خیرالانام کی

دنیا سے کوچ آج وصیِ نبیؐ کا ہے
شیعوں سے ہے وداع، شہِؑ خاص و عام کی

مولود کعبہؑ ہوئے گا زخمی، سو پہلے سے
حق نے سیاہ پوش تن بیت الحرام کی

تا محکمی میں حشر کے، یہ دو گواہ ہیں
صُوم وصلوٰۃ میں ہے شہادت امامؑ کی

پائے ہیں کس شہیدؑ نے ایسے گواہِ خون
صوم و صلوٰۃ میں ہے شہادت امامؑ کی

روزے میں آبِ تیغ پیا اور کھایا زخم
لذت علیؑ سے پوچھو اس آب و طعام کی

نوحہ ہے یہ حسنؑ کا کہ فریادِ یا خدا !
زینبؑ دہائی دیتی ہے خیر الانامؐ کی

ضربت لگائی سجدے میں ابنِ حرام نے
تقصیر کیا ہے حاجیِ بیت الحرام کی

قائم زمانے میں نہ قیامت ہو کس طرح
رحلت ہے آج شافعِ روزِ قیام کی

ارکانِ عرش حق میں تزلزل بپا ہوا
کانپی لحد پیغمبرؐ عالی مقام کی

عباسؑ کہہ رہے ہیں کہ مجکو لیا نہ ساتھ
تقصیر تو بتایئے آقا! غلام کی

سجدے میں اُس کا کام لعیں نے کیا تمام
جس پر خدا نے اپنی عبادت تمام کی

مجروح صبحِ قدر کیا، روزہ دار کو
کی قدر کلمہ گو نے یہ، ماہِ صیام کی

قاتل کو جامِ شیر پلایا تو خود پیا
ظالم کی وہ جفا یہ مروّت امامؑ کی

یاں تک سرِ شگفتہ سے خوں بہا تھا، آہ!
طاقت نہ تھی زبانِ خدا میں کلام کی

کس چشمِ بد نے زخم لگایا علیؑ کو حیف!
دیکھی نہ چشمِ زخم نے شکل التیام کی

قاتل قضا پہ، سجدے میں سر اور سر پہ تیغ
دیکھو نماز، امامِ علیہ السلام کی

نکلا جنازہ گھر سے جو شیرِ الٰہ کا
فریاد عرش پر گئی ہر خاص و عام کی

تقصیر: غلطی ۔ مجروح: زخمی ۔ التیام: زخم ٹھیک ہونا

۱۳۳

سلام (فارسی)

زینبؑ و حالِ تباہش نگرید
گریۂ شام و پگاہش نگرید

سینہ اش ز آتشِ غم، یکسر سوخت
تا بزن شعلۂ آہش نگرید

حلقہ چوں داغ زدہ در ماتم
بہ عزا جامۂ سیاہش نگرید

پیش چشمش شدہ مذبوحِ حسینؑ
حسرتِ دل بہ نگاہش نگرید

شاہؑ بر چہرۂ پریشاں زلفش
گرد مہِ ابرِ سیاہش نگرید

تابزن در تتق ظلمتِ شام
شفقِ خوں رُخِ ماہش نگرید

بسرِ خاک بخوں غلطیدہ
باہمہ رفعت جاہش نگرید

ہر کہ او بود پناہِ دو جہاں
کس نکرد آہ پناہش نگرید

پارہ پارہ شدہ پیراہنِ تن
از کتاں جامۂ ماہش نگرید

آں کہ مے سود کُلہ گوشہ بعرش
شمر بر بودہ کلاہش نگرید

چہ بود باعثِ قتلِ معصومؑ
بے گناہی است، گناہش نگرید

ناظرِ مہدیِ ہادیست دبیر
چشم و ابر سرِ راہش نگرید

۱۳۴

سلام (فارسی)

درِ شبیرؑ و بجاہش نگرید
سرِ تسلیم گواہش نگرید

ماتمِ قبلۂ دیں، می دارد
کعبہ و رخت سیاہش نگرید

عاشقِ روے پسر بود حسینؑ
سُوے اکبر بہ نگاہش نگرید

نامِ شبیرؑ اثرہا دارد
آہ و نالہ، دو گواہش نگرید

عرش از نالۂ زہراؑ لرزید
شیعاں خاصۂ آہش نگرید

تنِ سر خاکِ و سرِ شہ بہ سناں
مومناں حالِ تباہش نگرید

داغِ فرزند بہ قلب زہراست
محضر و مُہرِ گواہش نگرید

چہ بود باعثِ قتلِ معصومؑ
بے گناہی است، گناہش نگرید

بود ہفتاد و دو تن یارِ حسینؑ
فوج بینید و سپاہش نگرید

شہؑ دعا داد، عطایش بینید
شمرِ بد کرد گناہش نگرید

ماند بے آبِ چہا باغِ بتولؑ
خشک شد سبز گیاہش نگرید

تنِ زارش ز تفِ غم شد خشک
آتش افتادہ بہ کاہش نگرید

نوگلِ باغِ نبیؐ چوں سبزہ
گشتۂ پامال براہش نگرید

شوکتِ خار و سنانش بینید
دے و طغیاں سپاہش نگرید

زیرِ پائے شہؑ مزدانست دبیر
تاج بینید و کلاہش نگرید

کتابیات

آبِ حیات	مولانا محمد حسین آزاد	رام نرائن بینی مادھو، الہ آباد، ۱۹۶۲ء
ابواب المصائب	مرزا سلامت علی دبیر	مطبع یوسفی، دہلی، ۱۸۷۶ء
اُسلوب	عابد علی عابد	اسرار کریمی پریس، الہ آباد، ۱۹۷۶ء
اُردو مرثیے میں مرزا دبیر کا مقام	ڈاکٹر مظفر حسن ملک	مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۶ء
انیس شناسی	ڈاکٹر گوپی چند نارنگ	گلوب آفسٹ پریس، دہلی، ۱۹۸۱ء
اردو مرثیے کا ارتقا	ڈاکٹر مسیح الزماں	دتی پرنٹنگ پریس، الہ آباد، ۱۹۶۹ء
اُردو رباعی	ڈاکٹر فرمان فتح پوری	مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۲ء
انتخابِ مراثی دبیر		رام نارائن، الہ آباد، ۱۹۶۲ء
المیزان	سید نظیر الحسن رضوی فوق	مطبع فیض عام، علی گڑھ، ۱۹۱۶ء
انتخابِ مراثی دبیر	ڈاکٹر اکبر حیدری	اُتر پردیش اُردو اکیڈمی، لکھنو، ۱۹۸۰ء
اُردو مرثیے کے پانچ سو سال	عبدالروف عروج	کراچی، ۱۹۶۱ء
باقیاتِ دبیر	ڈاکٹر اکبر حیدری	مرزا پبلشرز، حسن آباد، سری نگر، ۱۹۹۲ء
پیمبرانِ سخن	شاد عظیم آبادی	لاہور، ۱۹۷۲ء
تفہیم البلاغت	وہاب اشرفی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۲ء
تلاشِ دبیر	کاظم علی خان	لکھنؤ، ۱۹۷۹ء
دبستانِ دبیر	ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی	نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۶۶ء
دربارِ حسین	افضل حسین ثابت لکھنوی	مطبع اثنا عشری، دہلی، ۱۳۳۸ھ
حیاتِ دبیر حصّہ اوّل	افضل حسین ثابت لکھنوی	مطبع سیوک سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۱۳ء
حیاتِ دبیر حصّہ دوم	افضل حسین ثابت لکھنوی	مطبع سیوک سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۱۵ء
دفترِ ماتم، جلد اوّل تا جلد بستم	از دبیر	مطبع احمدی، لکھنؤ، ۱۸۹۶ء، ۱۸۹۷ء
دفترِ دبیر	ڈاکٹر ہلال نقوی	محمدی ایجوکیشن پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۵ء

رزم نامۂ دبیر	سرفراز حسین خبیر لکھنوی	نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۵۴ء
رزم نگارانِ کربلا	ڈاکٹر سید صفدر حسین صفدر	ندرت پرنٹرز، لاہور، ۱۹۷۷ء
رباعیاتِ دبیر	مرتب: سید سرفراز حسین خبیر لکھنوی	نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۵۲ء
اُردو رباعیات	ڈاکٹر سلام سندیلوی	نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۶۲ء
سبع مثانی	مرتب سید سرفراز حسین خبیر لکھنوی	نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۳۴۹ھ
"رسالہ سرفراز" لکھنؤ دبیر نمبر	مرتب کاظم علی خان	سرفراز قومی پریس، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء
شعارِ دبیر	مرتب مہذب لکھنوی	یونائیٹڈ پریس، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء
شاعرِ اعظم مرزا دبیر	پروفیسر اکبر حیدری	اردو پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۷۶ء
شمس الضحیٰ	مولوی صفدر حسین	مطبع اثنا عشری، دہلی، ۱۲۹۸ھ
ماہ نامہ "کتاب نما" دبیر نمبر	مرتب: عبدالقوی دسنوی	مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۵ء
کاشف الحقائق جلد اوّل	امداد امام اثر	مطبع اسٹار آف انڈیا، ۱۸۹۷ء
کاشف الحقائق جلد دوم	امداد امام اثر	مکتبۂ معین الادب، لاہور، ۱۹۵۶ء
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور	سنگم پبلشرز، الٰہ آباد، ۱۹۶۹ء
مرزا دبیر اور ان کی مرثیہ نگاری	ڈاکٹر نفیس فاطمہ	لیتھو پریس، پٹنہ، ۱۹۸۷ء
مراثیِ دبیر، جلد اوّل	مرزا دبیر	نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۸۷۵ء
مراثیِ دبیر، جلد دوم	مرزا دبیر	نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۸۷۶ء
ماہِ کامل	مہذب لکھنوی	سرفراز قومی پریس، لکھنؤ، ۱۹۶۱ء
مرزا دبیر کی مرثیہ نگاری	ایس اے صدیقی	راحت پریس، دیوبند، ۱۹۸۰ء
مرزا سلامت علی دبیر	ڈاکٹر محمد زمان آزردہ	مرزا پبلشرز، حسن آباد، سری نگر، ۱۹۸۵ء
ماہ نام، راولپنڈی، دبیر نمبر	مدیر فضل قدیر	راولپنڈی، ۱۹۷۵ء
موازنۂ انیس و دبیر از شبلی نعمانی	ڈاکٹر فضل امام	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۸ء
نادراتِ مرزا دبیر	ڈاکٹر صفدر حسین	چمن بک ڈپو، دہلی، ۱۹۷۷ء
واقعاتِ انیس	سید مہدی حسن احسن لکھنوی	مطبع اصح المطابع، لکھنؤ، ۱۹۰۸ء
یادگارِ انیس	میر احمد علوی	سرفراز پریس، لکھنؤ، ۱۹۵۷ء

اردو عزائی ادب میں صنفِ سلام کو دوسری اصناف پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اسے ہمیشہ معتبر ترین شعرا کا اعتماد حاصل رہا ہے۔ اردو سلام کو بامِ عروج تک پہنچانے والوں میں مرزا سلامت علی دبیرؔ کا نام قابلِ قدر ہے۔ انہوں نے اپنے سلاموں کے ذریعہ مدحتِ محمد و آلِ محمدؐ کے کئی رخ اجاگر کیے ہیں تاہم حزنیہ رنگ ان کی خاص پہچان بن گیا ہے۔ مرزا دبیرؔ کے بیشتر سلام امتدادِ زمانہ سے تلف ہو کر چشمِ معنی آشنا سے پوشیدہ ہو گئے تھے لیکن یہ امر باعثِ امتنان ہے کہ معروف محقق اور نقاد ڈاکٹر سید تقی عابدی صاحب نے دبیرؔ کے بیشتر سلاموں کو سخت جست و خیز کے بعد یکجا کر کے ''مسلکِ سلام دبیرؔ'' کے نام سے شائع کرا دیا ہے ان کا یہ عظیم کارنامہ سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

(ڈاکٹر) سیّد شبیہ الحسن

۱۰۔ فروری ۲۰۰۴ء

۲۵۳۔ الف

رحمان پورہ، اچھرہ لاہور، پاکستان

اظہار سنز اردو بازار، لاہور، پاکستان